UNIVERSAL
LIBRARY
OU_226333
UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—67—11-1-68—5,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۲۹۷۵۵۳ Accession No. ۳۲۹۵۷

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ

رسالہ P. G.

مسئلہ خلافت وجزیرۂ عرب

از

ابوالکلام

جو پہلے خطبۂ صدارت کی صورت مین پراونشیل خلافت کمیٹی بنگال کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا اب مصنف کی نظر ثانی، مطالب کی تقسیم وترتیب مجمل بیانات کی مزید تفصیل، متعدد اہم فصول ومباحث کے اضافہ اور بعض ضروری ضمیمون کی تذییل کے بعد مکرر شائع کیا جاتا ہے

تم مسلمان جو ایک زمانے مین اللہ اور اُس کے دین برحق کے لئے سب کچھ کر سکتے تھے کیا اب اتنا بھی نہین کر سکتے کہ اُس کے احکام اُس کے غافل بندون تک پہنچا دو؟ تم کو آرام نہین لینا چاہیے جب تک کم ازکم دس مسلمانون تک وہ تمام احکام نہ پہنچا دو جو اس رسالہ مین درج ہین۔ اور چاہیے کہ اُن مین سے ہر ایک کو وصیت کرو کہ اسی طرح دس آدمیون تک پہنچا دے۔ فلیبلغ الشاهد الغائب، فان الشاهد عسی ان یبلغ من هو اوعی له منه

البلاغ پریس کلکتہ

(طبع ثانی)

قیمت در روپیہ

Checked
U 2957

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الم یان للذین اٰمنوا، ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق ؛ ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتاب من قبل، فطال علیھم الامد، فقست قلوبھم وکثیر منھم فاسقون (۵۷:۱۶)

کیا مسلمانون کے لئے اب بھی وہ وقت نہین آیا کہ اُن کے دل اللہ اور اُس کے حکمون کے آگے جُھک جائین اور غفلت و نافرمانی سے باز آئین ؟ اور اُن لوگون کی طرح نہ ہو جائین جن کو مسلمانون ہی کی طرح کتاب الٰہی دیگئی تھی (یعنے یہود) لیکن جب ایک بڑی مُدّت گزر گئی تو غفلت مین رہتے رہتے اُن کے دل سخت ہو گئے۔ احساس جاتا رہا۔ غیرت و حمیت مٹ گئی۔ سچّے دلون کی وہ نرمی اور اثر پذیری نہ رہی جو صدائے حق سُنتے ہی چونک اُٹھتی ہے۔ فھل من مّدّکر ؟

فہرست

خطبۂ افتتاحیہ

باب

(مسئلۂ خلافت)

فصل - حقیقت خلافت - ۱

فصل - خلافت خاصہ و خلافت ملوکی ۵

فصل - عہد اجتماع و ائتلاف ، و دور اشتات و انتشار ۸

فصل - جمع و تفرقۂ قوی و مناصب ۱۴

فصل - اطاعت خلیفہ و التزام جماعت ۱۹

مطلب - تحقیق معنی " اولوالامر "

فصل - شرح حدیث حارث اشعری ۲۹

فصل - جماعت و التزام جماعت ۳۵

فصل - شرائط امامت و خلافت ۴۲

فصل - نصوص سنۃ و اجماع امت ۵۰

فصل - اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا اخرھما ۵۷

فصل - اجماع امت و جمہور فقہاء و اعلام ۵۸

فصل - سنی اور شیعہ دونوں متفق ہیں ۶۳

فصل - بعض کتب مشہورۂ عقائد و فقہ ۶۵

باب

(حکم حمل سلاح علی المسلم)

فصل - من حمل علینا السلاح فلیس منا ۶۸

فصل - اقسام ثلاثۂ قتل مسلم و حمل سلاح ۸۱

فصل - واقعہ امام حسین علیہ السلام ۸۶

فصل - شرط قرشیۃ ۸۹

باب

(الائمۃ من قریش)

فصل - تحقیق امارۃ قریش و شرط قرشیۃ ۹۱

فصل - دعوئے اجماع ۱۰۵

باب - خلافۃ آل عثمان

فصل چند لمحات تاریخیہ ۱۱۵

فصل - خلافت و امامت سلاطین عثمانیہ ۱۱۸

فصل - مسلمانان ہند اور خلافت سلاطین عثمانیہ ۱۲۴

فصل - قرون متوسطۂ و اخیرہ میں مراکز حکمرانی ۱۳۰

فصل - ترکان عثمانی اور عالم اسلامی ۱۳۱

باب

(فریضۂ عظیمہ دفاع)

فصل - حقیقت حکم دفاع ۱۳۸

فصل - فضائل دفاع ۱۴۱

فصل - عہد نبوت کا ایک واقعہ ۱۵۰

فصل - ایک عام غلط فہمی ۱۵۵

فصل - احکام قطعیہ دفاع ۱۵۹

فصل - ترتیب وجوب دفاع ۱۶۷

باب

(جزیرۂ عرب و بلاد مقدسہ)

فصل - مراکز ارضی ۱۷۰

فصل - احکام شرعیہ ۱۷۳

فصل - جزیرۂ عرب کی تحدید ۱۷۸

فصل - مسجد اقصیٰ ۱۸۶

باب

خاتمۂ سخن

فصل - نتائج بحث ۱۸۲

فصل - خلیفۃ المسلمین اور گورنمنٹ برطانیہ ۱۸۶

فصل - موجودہ و آئندہ حالت اور احکام شرعیہ ۱۹۰

باب

ترک و اختیار

فصل - ترک موالات ۱۹۵

فصل - واقعۂ حاطب بن ابی بلتعہ ۱۹۷

فصل - ھل للامام ان یمنع المتخلفین و القاعدین الخ ۲۰۰

فصل - ایک شبہ اور اسکا ازالہ ۲۰۲

فصل - گورنمنٹ کیلیے اصلی سوال ۲۰۴

باب

نظام عمل

فصل - مسلمانان ھند اور نظام جماعت ۲۰۶

فصل - زبان زنکتہ فرو ماند و راز من باقیست ۲۱۱

ضمیمہ - جدول سنین خلافت اسلامیہ ۲۱۴

ضمیمہ (۲) - مواعید و عہود ۲۱۸

مقدمہ

طبع ثانی

الحمد للہ وحدہ - چار مہینے ہوے ' یہ رسالہ خطبۂ صدارت کی صورت میں شائع ہوا تھا - اب مزید تہذیب و ترتیب اور اضافۂ فصول و مطالب کے ساتھہ بار دوم شائع کیا جاتا ہے -

پچھلے ایڈیشن سے تقریباً ایک ثلث مطالب اس میں زیادہ ہیں - وہ تقریر کی شکل میں تھا - اس لیے ابواب و فصول منضبط نہ تھے - اب یہ کمی پوری کردی گئی ہے -

اس ایڈیشن کے حسب ذیل اضافات خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ہیں :

(۱) آیۂ کریمہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں تحقیق معنی " اولی الامر " جسکی طرف پہلے سرسری اشارہ کیا گیا تھا -

(۲) شرح حدیث حارث اشعری مندرجۂ مسند و ترمذی' اور نظام و قوام جماعت -

(۳) اشتراط قرشیۃ کا مبحث اب بالکل مکمل و مختتم کردیا گیا ہے - حتی الوسع مسئلہ کا کوئی ضروری پہلو بحث و نظر سے باقی نہیں رہا - پہلے ایڈیشن میں حدیث ائمۃ قریش کے بعض طرق و سلاسل غیر ضروری سمجھکر چھوڑ دیے تھے ' لیکن اب اُن پر بھی نظر ڈال لی ہے ' تاکہ بحث بالکل مکمل ہوجاے - دعوئے اجماع پر بھی بعض نئے مباحث ملینگے جو پہلے ایڈیشن میں نہ تھے - امید ہے کہ اصحاب نظر و بصیرۃ کے لیے یہ حصہ خاص طور پر موجب انشراح خاطر ' و رفع اضطراب ' و دفع شکوک و ارتیاب ہوگا -

(۴) مسئلۂ " حمل سلاح علی المسلم " کی طرف پہلے سرسری طور پر اشارہ کردیا تھا - اب ایک مستقل باب بڑھا دیا ہے ' اور اصولی طور پر مسئلہ کے تمام اطراف و جوانب صاف ہوگئے ہیں -

(٥) حکم دفاع کا حصہ بھی پہلے سے زیادہ مشرح و مکمل ہے -

مسئلۂ خلافت تاریخ اسلام کے اُن نہایت نازک اور مزلۂ اقدام مسائل میں سے ہے جو میدان تقاتل و تزاحم سے کہیں زیادہ صفحات کتب اور مجالس بحث و نظر میں معرکۃ الارا رہچکے ہیں ' اور بعض اندروني فرق و طوائف کي نزاعات اور مختلف عہدوں کے پولیٹکل اثرات کي آمیزش و احاطہ نے مسئلہ کي صاف و سہل الفہـــم صورت کو طرح طرح کی مشکلوں اور پیچیدگیوں سے غبار آلود کردیا ہے - علی الخصوص نصوص سنت کی تشریح ' بے شمار اور بظاہر مختلف احادیث کي تطبیق و توفیق ' اُنکے فقہ و حکم کی معرفت و تحقیق ' اور ہر حکم کو اُسکے صحیح محل پر وارد و محمول کردینے کا معاملہ نہایت غور و فکر اور وسعت نظر و رسوخ علم کا محتاج ہے - فکر کی ذرا سي لغزش اور نظر کي تھوڑي سی کوتاهي بھی نہایت سخت غلطیوں کا موجب ہو جاسکتي ہے -

با ایں ہمہ مسئلہ کي تمام مشکلات جس طرح حل ہوگئي ہیں ' اور ضمناً جابجا متعدد اصولي مسائل و مباحث کي نزاعات قدیمہ کا جسطرح بکلي خاتمہ کردیا گیا ہے ' اُسکا اندازہ صرف وہی اصحاب علم و بصیرۃ کرسکتے ہیں جنکو بحث و نظر کی اِن وادیوں میں قدم رکھنے کا اتفاق ہوا ہے' اور جو ان مسائل کو اُنکے اصلي مصادر و موارد اور متداول کتب قوم میں دیکھہ چکے ہیں ' اور مشکلات کار کے اندازہ شناس ہیں - و قلیل ما ہم -

معہذا اختصار مانع تشریح و تفصیل رہا ' اور اکثر مقامات میں اسطرح اشارات کرنے پڑے ' گویا مخاطبین کي نظر و معلومات بطور مقدمہ کے فرض کرلی ہے - بدقسمتي سے یہ مقدمہ محل نظر ہے ' مگر بغیر اسکے چارہ بھي نہ تھا - افسوس کہ ان مباحث کي نسبت خود مدعیان علم پر بھي عام طور پر واعظانہ و خطیبانہ رنگ غالب ہے - نظر و تحقیق سے ذرق رکھنے والے ناپید ہیں - اور ہمارے حصہ میں ایک ایسا عہد آیا ہے کہ اگر اس سے بھي زیادہ خیرہ مذاقی و کم نظري کا ماتم پیش آ جاے تو گلہ مند نہ ہونا چاہیے :

کم اردنا ذاک الـــزمان بمـــدح
فشغلنـا بـذم هـذ الـزمـــان !

البتہ اس رسالہ کے طبع اول کي اشاعت سے مسئلہ کے تسلیم و اعتراف کا جو اقبال عام طور پر ظہور میں آیا - علی الخصوص طبقۂ علماء کرام

میں - اس کے لیے توفیق الہي کا شکر گذار ہوں - کے شمار اصحاب نے جن میں ایک بڑي تعداد علماء کي ہے ' مولف کو مطلع کیا ہے کہ مسئلۂ خلافۃ کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات عارض تھے' مگر اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد وہ پوري طرح مطمئن ہوگئے - واللہ یہدي من یشاء الی سواء السبیل -

یہ امر بھي قابل ذکر ہے کہ مولف نے گذشتہ فروري کے اجلاس خلافت کانفرنس بنگال میں جب اس رسالہ کے مطالب پر تقریر کي' تو بیان کیا تھا کہ اگر موجودہ حالات میں تبدیلي نہ ہوئي تو مسلمانوں کیلیے ضروري ہوجائیگا کہ اُس حکم شرعي پر عمل پیرا ہو جائیں جسکو مولف " ترک موالات " کے نام سے موسوم کرتا ہے - پھر اُس کي تشریح بھی کردي تھي ' اور بتلایا تھا کہ از روے نص قرآني مسلمانوں کا اولین عمل فریق محارب کے مقابلے میں یہي ہونا چاہیے -

اگرچہ اُس وقت بجز مہاتما گاندھي جی کے تمام ارباب کار نے اس مسئلہ سے سرد مہري برتي اور طرح طرح کے عذرات پیش ہوتے رہے ' تاہم حکم قرآنی کي الہامي و رباني صداقت بالاخر فتح یاب ہوئي ' اور رفتہ رفتہ تمام اصحاب کار کو طوعاً و کرہاً اس پر متفق ہو جانا پڑا :

اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را

اب ملک کي سیاسي جماعتیں بھي اس اعتراف میں ہمارے ساتھہ شریک ہیں ' اور یقین کرتی ہیں کہ ملک کي نجات کیلیے اسکے سوا کوئي راہ نہیں - یہ یقیناً کار فرماے غیب ہي کي کارسازي ہے کہ اُسنے ملک کي ایک راست باز غیر مسلم ہستي یعنی مہاتما گاندھي جي کے صداقت اندیش دل کو بھي خود بخود اس حقیقت کے علم و فہم کیلیے کھول دیا ' اور انہوں نے بھی چارۂ کار دیکھا تو وہي تھا جو تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کو بتلادیا گیا ہے -

۲۰ - جنوري سنہ ۲۰ - کو جب دھلی میں خلافت ڈیپوٹیشن کي ایک صحبت مشورۃ منعقد ہوئی اور سب سے پہلي مرتبہ " نان کو اپریشن " کي تجویز بحث میں آئی ' تو اُسوقت صرف مسٹر گاندھي اور مولف رسالہ ہي کے دل و زبان پر تھي - باقي یا متردد تھے یا مخالف - لیکن

الحمد للہ کہ آج ملک کے تمام مسلم و غیر مسلم ارباب عمل و صفا کا متفقہ اعلان یہی ہے !

یہاں یہ ظاہر کردینا بھی ضروری ہے کہ اس رسالہ میں مسلمانان ہند کے فرائض و اعمال کی نسبت جو کچھہ بصیغۂ استقبال لکھا گیا تھا ' وہ اشاعت کے بعد حال کے حکم میں آگیا ہے - موجودہ صورت حال یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں پر کیا کیا فرائض عائد ہوجائینگے ؟ بلکہ یہ ہے کہ جو کچھہ عائد ہونا تھا ہوچکا - اب سوال جستجوے احکام کا نہیں ہے - اداء فرض کا درپیش ہے - رسالہ کے آخری ابواب میں مختصراً اس طرف اشارات کیے گیے ہیں - تفصیل دوسرے حصہ میں ملیگی جو " ترک موالات " کے نام سے (مع مفصل طریق عمل و ترتیب کار) خلافت کمیٹی کی جانب سے شائع ہونے والا ہے اور جسکو آجکل قلمبند کررہا ہوں - فان اعش ؛ فسأ بینها لکم ' و إن امت ' فما انا بصعبتکم بحریص - والحمد للہ اولاً و آخرا -

۹ - محرم سنہ ۱۳۳۹ — احمد

(پنجاب میل - اسٹیشن کانپور) — کان اللہ لہ

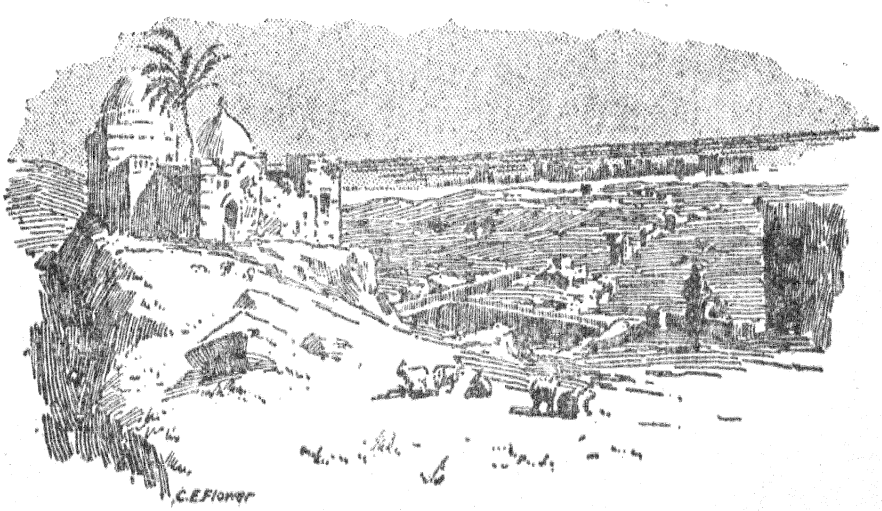

مقدمہ

(طبع اول)

مسئلۂ خلافت و بلاد مقدسہ کی نسبت مسلمانوں کے مطالبات کی تمام تر بنیاد احکام شرعیہ پر ہے - اسلیے سب سے مقدم کام یہ تھا کہ ایک مبسوط تحریر اس موضوع پر شائع کی جاتی' جسمیں تمام احکام شرعیہ کی پوری طرح شرح و تحقیق ہوتی ' اور جسقدر شبہات اس بارے میں پیدا ہو سکتے ہیں ' اُن سب کا کماحقہ ازالہ کردیا جاتا -

یہ رسالہ اسی غرض سے شائع کیا جاتا ہے -

۲۸ - ۲۹ - فروری سنہ ۲۰ کو بنگال خلافت کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا - اس اجلاس کیلیے مولانا ابوالکلام نے یہ رسالہ بطور خطبۂ صدارت کے صفحۂ ۹۱ - تک لکھا تھا - بعد کو بقیہ مباحث بھی انہوں نے بڑھا دیے تا کہ اس موضوع پر ایک مکمل تحریر مرتب ہوجاے - جلسہ میں مولانا نے اپنی عادت کے مطابق محض زبانی تقریر کی تھی ' اور اسی کے ضمن میں احکام و دلائل کا خلاصہ بھی آگیا تھا - چنانچہ تمہید اور خاتمہ کا حصہ وہی ہے جو اس زبانی تقریر سے قلمبند کیا گیا تھا - البتہ تحریر سے بعض ایسے حصے نکالدیے گئے ' جو مسئلہ کے سیاسی و ملکی پہلو سے تعلق رکھتے تھے - مثلاً ہندو مسلمانوں کا اتحاد ' اور دنیا کا مستقبل عالمگیر امن - تا کہ یہ رسالہ صرف احکام شرعیہ کی بحث و تحقیق کیلیے خاص ہوجاے' اور اُن مباحث کو علحدہ رسالوں کی شکل میں شائع کیا جاے -

اس رسالہ کی اشاعت سے تبلیغ و اشاعت کا پہلا کام انجام پا گیا - یعنی مسئلہ پرشرح و بسط کے ساتھہ ایک مکمل بحث ہوگئی جسکا خطاب زیادہ‌تر حضرات علماء سے ہے -

نیز ایک ایسا جامع رسالہ طیار ہوگیا ' جسمیں مسئلہ کا تمام ضروری مواد موجود ہے - اب جو ارباب قلم اور کارکنان مجالس خلافت تبلیغ و اشاعت کیلیے مضامین شائع کرنا چاہیں ' وہ اس مواد کو پیش نظر رکھکر مختلف پیرایوں اور شکلوں میں متعدد رسالے مرتب کرلے سکتے ہیں -

کلکتہ — محمد اکرم خان

مئی سنہ ۱۹۲۰ع — آنریری سکریٹری خلافت کمیٹی بنگال -

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نومن به و نتوكل عليه - و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا - من يهدي الله فلا مضل له ' و من يضلله فلا هادي له - و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له - و نشهد ان سيدنا محمد عبده و رسوله - صلى الله عليه و على اله و اصحابه وسلم -

برادران و بزرگان ملک و ملت !

آپکے صوبے کی یہ پہلي خلافت کانفرنس ہے جسکی صدارت کي عزت مجھے دي گئي ہے - آپکی کمیٹي کے معزز ارکان میں سے ہر رکن یقینا اس بات سے واقف ہوگا کہ اس قسم کي رئیسانہ اور رسمي حیثیت کا اختیار کرنا میري زندگي میں سب سے پہلا واقعہ ہے ' اور اُس طریق عمل سے مجھے روگردان و منحرف ثابت کرتا ہے جس پر نہایت اصرار کے ساتھہ قائم رہنے کي ہمیشہ کوشش کرتا رہا ہوں - سنہ ۱۹۱۱ع میں جبکہ میري موجودہ پبلک زندگي کا بالکل ابتدائي عہد تھا ' مجھے موقعہ ملا کہ اپني آئندہ زندگی کیلیے ایک " مذہب عمل " قرار دے لوں - خدمت ملک و ملت کے دشت ناپیدا کنار کي طرف قدم اُٹھاتے ہوے اصول عمل کي مختلف راہیں میرے سامنے تھیں ' اور میں چاہتا تھا کہ میرا سفر اُس دانشمند مسافر کي طرح ہو جس نے سفر سے پہلے راہ و منزل کے سارے مرحلوں پر غور کرلیا ہے - اُس طوفاني کشتي کي طرح نہو جس نے ہوا کے جھونکوں اور سمندر کي موجوں پر اپنے سفر کا رخ اور کنارے کی جستجو چھوڑ دي ہے - اُسوقت اپنے مذہب عمل کي نسبت جن اصولي مسائل کا میں نے قطعي فیصلہ کرلیا تھا ' اُن میں ایک خاص مسئلہ یہ بھي تھا کہ اپني زندگی کے ہر حصہ میں ہمیشہ مجلسوں کی صدارت ' انجمنوں کے عہدوں ' اور اسی طرح کے تمام رئیسانہ اور رسمي منصبوں سے یکقلم کنارہ کش رہونگا -

یہ فیصلہ در اصل میرے ایک بنیادي اور دینی اعتقاد کا قدرتی نتیجہ تھا - میں نے اپنے لیے جو راہ عمل منتخب کي تھي ' وہ دعوۃ و تبلیغ کي

راہ تھی - موجودہ زمانے کی مصطلحہ لیڈر شپ کی راہ نہ تھی - میرے سامنے اتباع و اقتداء کیلیے نوع انسانی کے اُن مخصوص افراد کا نمونہ تھا جو دنیا میں خدا کے رسولوں اور پیغمبروں کے نام سے پکارے گئے ہیں' اور جنکے طریق عمل کو اسلام کی اصطلاح میں " حکمت " اور " سنۃ " کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے - میں اپنی راہ طلبی کا ہاتھہ ابراہیم و محمد (علیہما الصلوۃ و السلام) کے رہنما ہاتھوں میں دیدینے کیلیے مضطر تھا - گریبالڈی ' میزینی ' یا گلیڈ اسٹن اور پارنل بننے کا عشق میرے اندر نہ تھا - پس یہ تو ضروری تھا کہ میرا وجود کسی گوشۂ فقر و نامرادی میں خدمت و محنت کا ایک غیر دلچسپ منظر ہوتا ' یا انسانوں کے کسی ہجوم میں ایک پکارنے والے کی بے پروا پکار - لیکن یہ بالکل ناممکن تھا کہ بیسویں صدی کے فراموش کردہ عہد نبوۃ و مذاہب کا ایک دلدادہ ' انجمنوں کا عہدہ دار اور مجلسوں کا باقاعدہ پریسیڈنٹ ہو - خدا کے رسولوں کا طریق خدمت و دعوۃ ' اور بیسویں صدی کے لیڈروں کا طریق ریاست و حکومت ' ایک زندگی میں جمع نہیں ہوسکتے !

حضرات ! مذہب عمل کے اس بنیادی اعتقاد نے میرے لیے قدم قدم پر مشکلات پیدا کردیں - باوجود کارکن رفیقوں کی موجودگی کے مجھے ہمیشہ اپنی راہ میں صحرا کے درخت کی طرح بے مونس و رفیق اور صرف اپنے سایہ ہی پر قانع رہنا پڑا - یہ مدنیۃ زار عالم جو اپنے ہر گوشہ میں معیتوں اور رفاقتوں کے راحت افزا جلوؤں سے معمور ہے ' میرے لیے ہمیشہ سمندر رہی یا ایک صحراے ریگ زار ' لیکن کبھی ایک آبادی اور بستی کا اُس نے کام نہیں دیا ' اور نہ کبھی میں اپنے تئیں اس قابل بنا سکا کہ اُسکی رفاقتوں کا ساتھہ دے سکوں - تاہم آپ حضرات کیلیے یہ عرض کرنا ضروری نہیں ہے کہ جہاں تک ایک ناچیز انسانی ہستی ارادہ کے ساتھہ عمل کو جمع کرسکتی ہے ' میں اپنے اصولوں پر قائم رہنے کیلیے ہمیشہ سخت رہا ہوں ' اور موجودہ زمانے کی لیڈر شپ کی دلفریب سے دلفریب نمائشیں اور ابناء عصر کی رفاقت و معیت کی صبر آزما دلچسپیاں بھی کبھی اس بارے میں میرے لیے موثر نہیں ہوئی ہیں -

اسی بنا پر جب آپکے لائق اور سرگرم سکریٹری کا تار مجھے بنارس میں ملا اور انہوں نے لکھا کہ کانفرنس کی صدارت تم کو منظور کرلینی چاہیے تو میں نے اداء تشکر و امتنان کے بعد اپنے آپکو اس سے معذور ظاہر کیا -

لیکن جب میں کلکتہ پہنچا اور اس بارے میں زباني گفتگو ہوئي تو کچھہ عرصہ کی رد و کد کے بعد میں نے منظور کرلیا - میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ یقیناً اپنے دستور العمل سے ایک کھلا انحراف ہے ' لیکن آپ یقین کیجیے کہ اس انحراف کیلیے جس چیز نے مجھے مجبور کیا ' اُسکي حفاظت بھي میرے لیے تمام اصولوں اور قاعدوں سے زیادہ ضروري تھي - اصول مقاصد کیلیے ہیں - مقاصد اصول کیلیے نہیں ہیں - پس دنیا کے اس سچے اور قدرتی قانون کي بنا پر کہ ہر بڑي چیز کیلیے چھوٹي چیز کو اور ہمیشہ مقاصد کیلیے رسائل کو قربان کردینا چاہیے ' میں طیار ہوگیا کہ مقصد کي راہ میں مقصد کے ایک رسیلے یعنی اپنے طریق عمل کو خیر باد کہدوں ' اور اس مجلس کي صدارت منظور کرنے سے انکار نہ کروں -

حضرات ! میں چاہتا ہوں کہ نہایت صفائي کے ساتھہ بے پردہ رہ اصلی سبب بھي عرض کردوں جس نے مجھے یکایک اپنے طریق عمل کے برخلاف اس بات کیلیے آمادہ کردیا - آپ کو معلوم ہے کہ مجھے نظر بندي کے گوشۂ قید و عزلت سے نکلے ہوے بمشکل ابھي پورے دو مہینے ہوے ہونگے - لیکن اس تھوڑے عرصے کے اندر ہي میں نے پوري طرح اندازہ کرلیا ہے کہ موجودہ اسلامي و ملکي مسائل کي نسبت کام کرنے والوں کے طریق عمل کا کیا حال ہے ؟ مجھے صاف صاف عرض کردینا پڑتا ہے کہ ملک کے کار فرما طبقہ کي نسبت اب سے سات سال پہلے جو رائیں میں نے قائم کي تھیں ' اور جنکي وجہ سے بسا اوقات نہایت قیمتي اور محبوب رفاقتوں سے بھي دست بردار ہو جانا پڑتا تھا ' بدقسمتي سے ابتک اُن میں تبدیلي کا وقت نہیں آیا ہے -

متضاد مناظر کا کچھہ عجیب عالم ہے جسکو اپنے چاروں طرف پاتا ہوں - ایک طرف ملک کی عام پبلک ہے ' اور سورج کي روشني کي طرح بالکل یقیني صورت میں دیکھہ رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اور بہترسے بہتر حالت میں وہ کسي صحیح راہ عمل پر چل کھڑے ہونے کیلیے منتظر و مستعد ہے - دوسري طرف کام کرنے والوں کي جماعت ہے ' اور جس جس پہلو سے دیکھتا ہوں ' اسپر ابتک وہي تذبذب و اضطراب اور تزلزل و انتشار کا عالم طاري نظر آتا ہے جو تمام پچھلے دوروں میں طاري رہ چکا ہے - ابتک مقاصد سے اعراض ہے اور رسائل میں انہماک - ابتک حقیقي مصلحت

بینی ' اور حیلہ جوئی و بہانہ سازی میں امتیاز کی راہ مسدود ہے ' اور عزم و یقین کی جگہ ظن و شک اور خوف و ہراس کی حکومت قائم ہے - زبانوں کی لکنت گو دور ہوچکی ' اور شاید چہروں کا ہراس بھی جاتا رہا لیکن دلوں کی دہشت بدستور باقی ہے ' اور ایمان کی کمزوری نے ابتک روحوں کا ساتھہ نہیں چھوڑا ہے - زبانیں جسقدر تیز ہیں ' قدم میں اُتنی تیزی نہیں ہے - اور اعلان جسقدر بلند آہنگی اور رعد آسائی رکھتا ہے ' عمل میں اُسقدر بلند پیمائی نظر نہیں آتی - نیند گو ٹوٹ چکی ' اور شاید خفتگان بستر غفلت کروٹیں بھی بدل چکے ' لیکن آنکھوں میں خمار بدستور باقی ہے ' اور دھواں بڑھتا جاتا ہے لیکن شعلوں کی چمک کہیں نظر نہیں آتی - اگرچہ خدا کے مقدس نام کی تقدیس سے اب کوئی زبان نا آشنا نہیں رہی ' لیکن دلوں میں خدا کے ساتھہ انسانوں کا ڈر اور ایمان کے ساتھہ نفس کا عشق بھی باقی ہے : ریریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا (۴ : ۱۴۹) اور چاہتے ہیں کہ ان دونوں راہوں کے بین بین کوئی تیسری راہ اختیار کریں - حالانکہ تیسری راہ اس آسمان کے نیچے کوئی نہیں - راہیں صرف دو ہی ہیں - فمن شاء فلیؤمن ' و من شاء فلیکفر - حضرت مسیح نے کہا ہے : " ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نہیں کرسکتا " قرآن کا بھی فیصلہ یہی ہے : ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ (۳۳ : ۴) یعنی :

سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے !

حضرات ! مجھے ملامت کرنے میں جلدی نہ کیجیے اگر میں حقیقت کو اس سے بھی زیادہ بے نقاب دیکھنا چاہوں - افسوس کہ وقت کی جلدی اور قانون قدرت کی بے صبری نے ہماری غفلتوں کا ساتھہ نہیں دیا - وہ اپنی ازلی بے پروائی کے ساتھہ نتائج و عواقب کی آخری منزل تک بڑھتا چلا آیا ہے - اب موت و حیات ' بقاؤ فنا ' ایمان و کفر ' اور خدا اور ماسوی اللہ کی منزل ہمارے سامنے ہے ' اور اسلیے میں قابل ملامت نہیں ہوں اگر حسن بیان اور بلاغت اظہار کے پرپیچ آداب و قواعد کو موت و حیات کی کشمکش میں سنبھال نہیں سکتا - یہ حالات دیکھکر میں نے ارادہ کرلیا کہ اگر مجھکو ایک مجلس کے صدر کی حیثیت سے اظہار مطالب کا موقعہ ملتا ہے تو میں اس سے انکار نہ کروں ' اور اگر صدارت کے حقوق و اختیارات کو اصل مقصد کیلیے استعمال کرسکتا ہوں تو اسکو ایک مفید فرصت تصور

کروں - شاید اس طرح اس صحیح راہ عمل کی طرف کوئی قدم اُٹھہ سکے جسکو بارہ سال سے اپنے سامنے رکھتا ہوں لیکن رفیقان طریق نے ہمیشہ اس سے اعراض کیا ہے ' اور آج بھی جبکہ اُس اعراض کے نتائج سامنے ہیں ' تذبذب و اضطراب عمل ' عزم و ایمان کے استحکام پر غالب نظر آ رہا ہے -

حضرات ! صرف یہی ایک خیال تھا جس نے مجھے اس بات پر آمادہ کردیا کہ آپنے اپنی محبت اور مہربانی سے جو عزت مجھے دینی چاہی ہے ' اُس سے گریز نہ کروں - میں آپکا شکر گزار ہوں ' اور آپکی دلی رفاقت و اعانت کا طلبگار - ہم سب کو اللہ کے فضل و توفیق پر اعتماد ہے جسکے بغیر کائنات ہستی کا کوئی ارادہ اور کوئی عمل کامیابی اور فلاح نہیں پاسکتا -

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے !

وما توفیقی الا باللہ - علیہ توکلت و الیہ انیب -

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى - وسلام على عباده الذين اصطفى

باب

— :* : —

فصل

(خلافة)

" خلافة " عربی کي ایک مصدر هے - اُسکا مادہ هے " خلف " - اور اسي سے هے " خليفه " - خليفه کے لغوي معني نيابت اور قائم مقامي کے هيں " من قولک خلف فلان فلانا في هذا الامر اذا قام مقامه فيه بعده " [ابن فارس] يعني اگر ایک شخص کسي دوسرے شخص کے بعد اُسکا نائب و قائم مقام هوا تو يه خلافت هوئي ' اور لغة ميں اسکو خليفه يعنے بعد کو آنے والا اور قائم مقام کهينگے - خواه يه نيابت سابق کي موت و عزل کي وجه سے هوئي هو ' يا غيبت کي وجه سے ' يا اپنا اختيار اور منصب سپرد کر دينے کي وجه سے - مفردات امام راغب ميں هے " الخلافة ' النيابة عن الغير ' إما بالغيبة المذوب عنه ' و إما لموته ' و إما لعجزه ' و إما لتشريف المستخلف " (صفحه ١٥٥)

يه لفظ بهي قران حکيم کے اختيارات لغويه ميں سے هے - يعني عربي زبان کے اُن لفظوں ميں سے هے جنکو لغة ميں عام معاني کيليے استعمال کيا جاتا تها مگر قرآن حکيم نے اپنے خاص مصطلحهٔ شرع معني کيليے اختيار کرليا - جيسے ايمان ' غيب ' تقدير ' بعث ' صلواة وغيره ذلک - ايمان کے لغوي معني يقين و طمانية اور زوال خوف و شک کے تهے ' ليکن قرآن حکيم نے اسکو ایک خاص طرح کے يقين و اقرار اور عمل کيليے استعمال کيا ' اور اب ايمان قرآن کي بولي ميں عام لغوي معني کے خلاف ایک خاص اصطلاح قرار

پاکٹي ھے - قرآن کي زبان میں خلافۃ اور " استخلاف فی الارض" اور " وراثت و تمکن فی الارض " سے مقصود زمین کي قومي عظمت و ریاست اور قوموں اور ملکوں کي حکومت و سلطنت ھے - قرآن حکیم اسکو سب سے بڑي نعمت قرار دیتا ھے جو اچھے یقین اور اچھے کاموں کے بدلے اقوام عالم کو دنیا میں ملسکتي ھے - قرآن کے نزدیک اس خلافت ارضي کا مقصد یہ ھوتا ھے کہ دنیا میں نوع انساني کي ھدایت و سعادت کیلیے ایک خاص ذمہ دار قوم و حکومت قائم ھو - وہ اللہ کي عدالت کو دنیا میں نافذ کرے ' ظلم و جور اور ضلالت و طغیان سے اُس کي زمین پاک ھو جاے ' ایک عام امن و سکون اور راحت و طمانیۃ دنیا میں پھیل جاے ' اور اللہ کا وہ ھمہ گیر قانون عدل جو تمام کائنات ھستي میں سورج سے لیکر زمین کے ذرات تک نافـــذ و قائم ھے ' اور جسکو قرآن اپني زبان میں صراط مستقیم کے لفظ سے تعبیر کرتا ھے ' زمین کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں جاري و ساري ھو کر کرۂ ارضي کو سعادت و امنیت کي ایک بہشت زار بنادے !

لغۃ کے اعتبار سے یہ اطلاق اسلیے ھوا کہ سب سے پہلے جو قوم اور قوم کا جو فرد خلیفہ ھوا ' وہ زمین پر اللہ کي عدالت قائم رکھنے میں ' اللہ کي نیابت اور قائم مقامي رکھتا تھا ' اور اسکے بعد والي قوم اپنے سابق کي نائب تھي ' اور ھر خلیفہ ' سابق کا قائم مقام - ظہور اسلام کے بعد جب ارضي خلافۃ کے وارث مسلمان ھوے ' تو اس سلسلہ کا پہلا خلیفۃ اللہ صاحب و شارع اسلام تھا - یعني محمد الرسول اللہ صلعم - اور پھر انکے بعد جن لوگوں کے ھاتھہ اسلام کي مرکزي حکومت آئي ' وہ اس خلیفۃ اللہ کے نائب اور قائم مقام ھوے اسلیے اُن پر خلیفہ کا اطلاق ھوا اور ابتک ھو رھا ھے -

یہ زمین کي وراثت و خلافت یکے بعد دیگرے مختلف قوموں کے سپرد ھوتي رھي اور وہ دنیا میں اللہ کي طرف سے دین حق کے خدمت گزار رھے - آیات ذیل میں اسي خلافت کا ذکر ھے :

وھـــو الـــذي جعلکـم خلائف الارض (۶ : ۱۶۵)	وھي پروردگار عالم ھے جس نے تم کو زمین میں خلافت دي -
ویستخلـف ربي قومـا غیـــر کـم - (۱۱ : ۵۷)	اگر تم نے اپنا فرض ادا نہ کیا تو میرا پروردگار تمھاري جگہ کسي دوسري قوم کو دیدیگا -

ثم جعلنـــاکـــم خلائف في الارض من بعدهم لننظر کیف تعملون ؟ (۱۰:۱۴)	پھر اُن قوموں کے بعد ہم نے تم کو اُنکي جگہ دي تاکہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں ؟
و اذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح - (۷ : ۶۸)	اور یاد کرو جب تم کو قوم نوح کے بعد اُنکا جانشیں بنایا -
یا داؤد انـا جعلنـــاک خلیفة في الارض (۳۸:۲۶)	اے داؤد ! ہـم نے زمین میـں تـم کـو خلیفہ بنایا -

اسي چیز کو زمین کي وراثت سے بھي تعبیر کیا گیا :

ولقـد کتبنـا في الـزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادي الصالحون (۲۱:۱۰۵)	اور زبور میں بھي ہمارا اعلان یہي تھا کہ یقیناً زمین کي حکومت ہمارے صالح بندوں ہي کي وراثت میں آئیگي -

یہي چیز زمیں کي " تمکین " یعنی طاقت و عظمت کا جماؤ اور قیام بھي ہے جو سر زمین فراعنہ میں کنعان کے ایک اسرائیلي نوجوان نے حاصل کي تھي' جبکہ وہ غلامی کي حالت میں وہاں فروخت کیا گیا ' اور پھر اپنے عمل حق و صالح کي قوت سے ایک دن مصر کے تاج و تخت کا مالک ہوگیا :

کذالـــک مکنا لیـــوسف - (۱۲ : ۵۶)	اس طرح ہم نے یوسف کي عظمت مصر میں قائم کردي -

اور اسي کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا :

الذین ان مکنا هم في الارض اقاموا الصلـوة و آتوا الزکوة و امروا بالمعـروف و نهـــوا عن المنکر' و للـه عاقبـــة الامور - (۲۲ : ۴۳)	وہ لوگ کہ اگر ہم انکي طاقت زمین میں جمادیں تو اُنکا کام یہ ہوگا کہ نماز کو قائم کرینگے ' زکواۃ ادا کرینگے ' نیکي کا حکم دینگے ' اور برائي سے دنیا کو روکینگے

اس آیۃ کریمۃ سے صاف طور پر یہ حقیقت بھي واضح ہوگئي کہ تمکین في الارض یعنی حکومت کا مقصد اصلي قرآن حکیم کے نزدیک کیا ہے ؟ معلوم ہوگیا کہ صرف یہ ہے کہ اللہ کي عبادت دنیا میں قائم کي جاے ' نیکي اور راستي کا اعلان و ظہور ہو' برائي سے نوع انساني کے دلوں اور ہاتھوں کو روک دیا جاے !

دوسري آیۃ میں اسکو خلافت کے لفظ سے تعبیر کیا :

وعد الله الذين آمنوا منكم و عملوا الصالحات ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذي ارتضى لهم ' و ليبدلنهم من بعد خوفهم أمنا - يعبدونني لا يشركون بي شيئا ومن كفر بعد ذلك فاولائك هم الفاسقون (۲۴ : ۵۵)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل انجام دیے ' اللہ کا انسے وعدہ ہے کہ اُنہیں زمین کي خلافت دیگا - تھیک اُسي طرح جس طرح پچھلي قومون کو دي جا چکي ہے - اور ایسا کریگا کہ انکے لیے اُن کا دین حق قائم ہو جائیگا اور خوف کي گھڑیاں امن کي خوشحالي و کامرانی سے بدل دي جائینگي -

یہ آیت اُسوقت نازل ہوئي جب ہجرۃ کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کي زندگي دشمنوں سے گھري ہوئی تھی اور قلت تعداد و بے سروسامانی حال کے ساتھہ دشمنوں کے پے درپے حملوں کا یہ حال تھا کہ کسي وقت بھي ہتیار اپنے جسم سے دور نہیں کرسکتے تھے - اُسوقت بعض مسلمانوں کي زبان سے بے اختیار یہ جملہ نکل گیا " ما یأتي علینا یوم نأمن فیہ و نضع عنا السلاح " ایک دن بھي ہم پر ایسا نہیں آیا کہ امن و بے خوفي کے ساتھہ صبح و شام بسر کرتے اور ہتیار اپنے جسم سے الگ کرسکتے - ابو العالیہ راوي ہیں کہ اسپر مندرجۂ صدر آیت نازل ہوئي اور اللہ نے مسلمانوں کو بشارت دي کہ مضطرب نہوں' ایمان و عمل صالح کا پھل عنقریب ملنے والا ہے جبکہ خوف کي جگہ امن ہوگا ' مظلومي و بیچارگي کي جگہ فرمانروائي و کامراني ہوگي ' اور سب سے بڑھکر یہ کہ زمین کي خلافت اُنہي کے قبضۂ اقتدار میں آجائیگي - (تفسیر طبري جلد ۱۸ صفحہ ۶۲۲)

اس آیت سے ضمناً یہ بات بھي ثابت ہوگئي کہ قرآن حکیم کے نزدیک جو چیز " خلافت " ہے' وہ خلافت في الارض ہے - یعني زمین کي حکومت و تسلط - پس اسلام کا خلیفہ ہو نہیں سکتا جب تک بموجب اس آیت کے زمین پر کامل حکومت و اختیار اُسے حاصل نہو - وہ مسیحیت کے پوپ کی طرح محض ایک آسماني و دیني اقتدار نہیں ہے جسکے لیے دلوں کا اعتقاد اور پیشانیوں کا سجدہ کافي ہو - وہ کامل معنوں میں سلطنت و فرمانروائي ہے - اسلام کے قانون میں دیني و روحاني اقتدار خداؤ رسول کے سوا کوئي انساني وجود نہیں رکھتا - ایسے اقتدار کو قرآن نے شرک قرار دیا

ھے' اور اسکا مطلب اُس کے ظہور کا پہلا کام تھا : اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ (٩ : ٣٢) اور ماکان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب و الحکم و النبوۃ ' ثم یقول للناس کونوا عباداً لي من دون اللہ ' و لکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون - (٢ : ٧٩)

اللہ کے تمام وعدوں کي طرح یہ وعدہ بھي پورا ھوا - آٹھہ نو سال بعد جب داعي اسلام دنیا سے تشریف لیگئے تو تمام جزیرۂ عرب مسلمانوں کے قبضہ اقتدار میں آچکا تھا اور رومیوں کے مقابلہ کیلیے اسلامي فوجیں مدینہ سے نکل رھي تھیں - اس سلسلۂ خلافت اسلامیہ کا پہلا خلیفۃ اللہ خود حضرۃ داعي اسلام (صلی اللہ علیہ و سلم) کا وجود مقدس تھا ' اور آپنے اپنے بعد کے جانشینوں کو خود لفظ خلفاء سے تعبیر فرماکر واضح کردیا تھا کہ وہ آپکے نائب اور قائم مقام ھونگے - " علیکم بسنتي و سنۃ الخلفاء الراشدین " (ابن ماجہ عن العرباض بن ساریہ) و امثالھا - آپکے بعد حضرت ابوبکر رضي اللہ عنہ جب جانشین ھوے تو وہ خلفۂ رسول اللہ تھے -

فصل

(خلافت خاصہ و خلافت ملوکي)

آنحضرۃ کے بعد خلافت اپنے خصائص و نتائج کے اعتبار سے دو بڑے سلسلوں میں منقسم ھوگئي - خود آنحضرت نے نہ صرف ان کي پیشتر سے خبر ھي دیدي تھي ' بلکہ تمام علائم و خصائص صاف صاف بیان کردیے تھے - اس بارے میں جو احادیث موجود ھیں ' وہ کثرت طرق ' شہرت متن ' قبول طبقات ' کي بنا پر حد تواتر تک پہنچ چکي ھیں - پہلا سلسلۂ خلافت خلفاء راشدین مہدیئین کا تھا جنکي خلافت منہاج نبوۃ پر تھي - یعني وہ صحیح و کامل معنوں میں منصب نبوت کے جانشین اور جامعیۃ شخص رسالۃ کے قائم مقام تھے - انکا طریق کار ٹھیک ٹھیک طریق نبوت کے مطابق تھا ' اور اسلیے گویا عہد نبوت کا ایک آخري جزء تھا - اور جس طرح وجود نبوۃ میں مختلف حیثیتوں کا اجتماع تھا ' اسي طرح انکي شخصیت بھي جامع و حاوي تھي - دیني دعوۃ اور شرعي اجتہاد و امر ' حکومت و فرمانروائي اور قوام و نظام شرع ' نظام شریعت اور نظام

سیاست' یہ تمام قوتیں اُنکی ذات واحد میں جمع تھیں - اُنکی حکومت سچے اور حقیقی اسلامی نظام پر تھی - یعنی حکومت شوریٰ ' جسکو آجکل کی زبان میں ایک ناقص تشبیہ کے ساتھہ ری پبلک کہہ سکتے ھیں - یہ سلسلہ حضرۃ علی علیہ السلام پر ختم ھوگیا -

دوسرا سلسلۂ خلافت منہاج نبوت سے الگ مجرد حکومت و پادشاھت کا تھا ' جبکہ عجمی بدعتیں خالص اسلامی و عربی تمدن سے ملکر ایک نیا دور شروع کررھی تھیں - یہ سلسلۂ خلافت اگرچہ بعد کی خلافتوں کے مقابلے میں پہلے سلسلے سے اقرب تھا ' لیکن خلافت راشدہ کے حقیقی خصائص ناپید ھوگئے تھے - خلفاء بنو اُمیہ سے لیکر آجتک جو سلسلۂ خلافت اسلامیہ جاری ھے ' وہ اسی دوسری قسم میں داخل ھے - احادیث میں پہلے سلسلہ کو بوجہ غلبۂ طریق ھدایت و نبوۃ خلافت کے لفظ سے اور دوسرے کو بوجہ غلبۂ سیاست و شخصیت پادشاھت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ھے " الخلافۃ بعدی ثلاثون عاما ثم ملک بعد ذلک " [اخرجہ اصحاب السنن] اور حدیث ابو ھریرہ " الخلافۃ با لمدنیہ و الملک با لشام " ایک دوسری حدیث میں بالترتیب تین دور بتلاے گئے ھیں " نبوۃ و رحمۃ ' ثم خلافۃ و رحمۃ " و فی لفظ " خلافۃ علی منہاج النبوۃ ثم یکون ملک عضوض (رواہ البزار و قال السیوطی حسن) امیر معاویہ نے اسیکی نسبت کہا تھا - ھم نے عہد ملوکی پر قناعت کرلی -

آخری حدیث کے مطابق تین دور ھوے - عہد نبوت و رحمت ' خلافت و رحمت ' پادشاھی و فرمانروائی - پہلا دور آنحضرۃ صلعم کی وفات پر ختم ھوگیا - دوسرا دور فی الحقیقت عہد نبوت کا ایک تتمہ اور لازمی جزؤ تھا (جیسا کہ سلسلۂ دعوۃ اور تکمیل کار و بار شرائع میں ھمیشہ سنۃ اللہ رھی ھے) جو حضرۃ امیر علیہ السلام پر ختم ھوگیا - اسکے بعد سے مجرد عہد پادشاھی و استبدادی شروع ھوا جو آجتک جاری ھے - اس دور کی بھی بہت سی مختلف شاخیں علحدہ علحدہ احادیث میں بتلائی گئی تھیں ' اور وہ سب ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئیں - نبوت و رحمت کی برکات کی معرومی و فقدان کا ایک تدریجی تنزل تھا ' اور بدعات و فتن کے ظہور و احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی ' کالحصیر عوداً عوداً ' جو حضرت عثمان کی شہادت سے شروع ھوئی ' اور جسقدر عہد نبوت سے دوری بڑھتی گئی ' اُتنی ھی عہد نبوت اور خلافت

رحمت کي سعادتوں سے امت محروم هوتي گئي - يه محرومي صرف امامت و خلافت کبریٰ کے معامله هي میں نهیں هوئي ' بلکه قوام و نظام امت کے مبادیات و اساسات سے لیکر حیات شخصي و انفرادي کي اعتقادي و عملي جزئیات تک ' ساري باتوں کا یهي حال هوا - فتنهٔ و فساد کے اس سیلاب کو صرف ایک دیوار روکے هوے تهي جو بقول حضرة حذیفه (اعلم الصحابة بالفتن) حضرة عمر (رض) کا وجود تها - جونهي یه بنیان مرصوص هٹي ' وه سیلاب عظیم اُمنڈا ' اور پهر کوئي سد و بند اُسکي راه نه روک سکا - اسي سیلاب کو حضرة حذیفه کي روایت میں " التي تموج کموج البحر " (رواه البخاري) سے تعبیر کیا گیا تها - یعنی سمندر کي موجوں کي طرح اسکي موجیں اُٹهینگي - سو واقعي اُٹهیں ' اور دور خلافت و رحمت اور " خلافة علی منهاج النبوة " کي عظیم الشان عمارت اسکے طلاطم و طغیان میں آناً فاناً بهه گئي -

احادیث میں نهایت کثرت کے ساتهه اسلام کے ایک آخري دور کي بهي خبر دي گئي هے جو اپنے برکات کے اعتبار سے دور اول کے خصائص تازه کردیگا ' اور جسکا حال یه هوگا که " لا یدری اولها خیر ام آخرها " نهیں کها جاسکتا که اُمت کي ابتدا زیاده کامیاب تهي یا اُسکا اختتام ؟ یهي وه آخري زمانه هوگا جب الله کا اعلان اپنے کامل معنوں میں پورا هوکر رهیگا که :

لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون - (٦١ : ٩)	دین اسلام اور اُسکا رسول اسلیے آیا تاکه تمام دینوں اور قوموں پر بالاخر غالب هوکر رهے (کیونکه آخری غلبه و بقاء صرف اصلح کیلیے هے اور تمام دینوں میں اصلح صرف اسلام هي هے)

یهي وجه هے که مایوسیوں اور نامرادیوں کي اس عالمگیر تاریکي میں بهي جو آج چاروں طرف پهیلي هوئي هے ' ایک مومن قلب کیلیے فتح و اقبال کي روشنیاں برابر چمک رهي هیں - بلکه جسقدر تاریکي بڑهتي جاتي هے ' اُتنا هي زیاده طلوع صبح کا وقت قریب آتا جاتا هے : ان موعدهم الصبح ' الیس الصبح بقریب !

تفاوت ست میان شنیدن من و تو
تو بستن در و من فتح باب مي شنوم !

فصل

(عہد اجتماع و ائتلاف ' و دور اشتات و انتشار)

آپ آزردہ خاطر نہوں اگر موضوع کي وسعت چند لمحوں کیلیے مجھے اپنے اطراف و جوانب کي طرف بے اختیار مائل کرلے - اس مقام کي مزید وضاحت کیلیے بہتر ہوگا کہ دو خاص اصطلاحي لفظوں کے معاني پر آپ پہلے غور کرلیں - ایک " اجتماع " اور " ائتلاف " ہے - دوسرا " اشتات " اور " انتشار " - نہ صرف امۃ اسلامیہ بلکہ تمام اقوام عالم کي موت و حیات ' ترقي و تنزل ' اور سعادت و شقاوت کے جو اصولي اسباب و مراتب قرآن حکیم نے بیان کیے ہیں ' اُنکي سب سے زیادہ اہم حقیقت انہي الفاظ کے اندر پوشیدہ ہے - " اجتماع " کے معني ہیں " ضم الشيء بتقریب بعضہ من بعض " (مفردات امام راغب : ۹۵) یعني مختلف چیزوں کا باہم اکٹھا ہو جانا - اور ائتلاف " الف " سے ہے - اسکے معنی ہیں " ما جمع من اجزاء مختلفۃ ' و رتب ترتیباً ' قدم فیہ ما حقہ أن یقدم ' و اخر فیہ ما حقہ أن یؤخر " (مفردات : ۱۹) یعني مختلف چیزوں کا اس تناسب اور ترتیب کے ساتھہ اکٹھا ہوجانا کہ جس چیز کو جس جگہ ہونا چاہیے وہي جگہ اُسے ملے جو پہلے ہونے کي حقدار ہے وہ پہلے رہے - جسکو آخري جگہ ملني چاہیے ' وہ آخري جگہ پاے - "عہد اجتماع و ائتلاف" سے مقصود وہ حالت ہے جب مختلف کارکن قوتیں کسي ایک مقام ' ایک مرکز ' ایک سلسلے ' ایک وجود ' ایک طاقت ' اور ایک فرد واحد میں اپني قدرتي اور مناسب ترکیب و ترتیب کے ساتھہ اکٹھي ہو جاتي ہیں ' اور تمام مواد ' قوی ' اعمال ' اور افراد پر ایک اجتماعي و انضمامي دور طاري ہو جاتا ہے - بحدیکہ ہر قوت اکٹھي ' ہر عمل باہمدگر جڑا اور ملا ہوا ' ہر چیز بندھي اور سمٹي ہوئي ' ہر فرد زنجیر کي کڑیوں کي طرح ایک دوسرے سے متحد و متصل ہو جاتا ہے - کسي چیز ' کسی گوشے ' کسي عمل میں علحدگي نظر نہیں آتي - جدائي ' انتشار ' اور الگ الگ ' جزء جزء ' فرد فرد ' ہوکر رہنے والي حالت نہیں ہوتي - مادہ میں جب یہ اجتماع و انضمام پیدا ہو جاتا ہے ' تو اسي سے تخلیق و تکوین اور وجود و ہستي کے تمام مراتب ظہور میں آتے ہیں - اِسي کو قرآن حکیم نے اپني اصطلاح میں مرتبۂ " تخلیق " و " تسویہ " سے بھي تعبیر کیا

ھے : الـذي خلـق فسوی (۸۶ : ۲) پس زندگي اور وجود نہیں ھے مگر اجتماع و ائتلاف، اور موت وفنا نہیں ھے مگراسکي ضد - یہي حالت جب افعال و اعمال پر طاري ھوتي ھے تو اخلاق کي زبان میں اسکو " خیر " اور شریعۃ کي زبان میں " عمل صالح " اور " حسنات " کہتے ھیں - جب جسم انساني پرطاري ھوتي ھے تو طب کي اصطلاح میں " تندرستي " سے تعبیرکي جاتي ھے اور حکیم کہتا ھے کہ یہ " زندگي " ھے - اور پھر یہي حالت ھے کہ جب قومي و جماعتي زندگي کي قوتوں اور عملوں پر طاري ھوتي ھے تو اُس کا نام " حیات قومي و اجتماعي " ھوتا ھے ' اور اُسکا ظہور قومي اقبال و ترقي اور نفوذ و تسلط کي شکل میں دنیا دیکھتي ھے - الفاظ بہت سے ھیں - معني ایک ھے - مظاھرگو مختلف ھیں مگر اُس حکیم یگانۂ و واحد کی ذات کي طرح ' اُسکا قانوں حیات و وجود بھی اس کائنات ھستي میں ایک ھي ھے - و لنعم ما قیل :

عبار اتنا شتي و حسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر !

اس حالت کي ضد " اشتات و انتشار " ھے - اشتات " " شتت " سے ھے جسکے معني لغۃ میں " تفریق " اور الگ الگ ھو جانے کے ھیں - " یقال شت جمعھم شتا و شتاتا ' و جاؤا اشتاتا - ای متفرقی النظام " (مفردات : ۲۵۶) قرآن حکیم میں ھے : یومئذ یصدر الناس اشتاتا (۹۹:۶) اور من نبات شتی (۲۰:۵۳) اور وقلوبھم شتی (۵۹:۱۴) ای مختلفہ - انتشار " نشر " سے ھے - اسکے معني بھي الگ الگ ھو جانے کے ھیں - یعني تفرق کے - سورۂ جمعہ میں ھے : فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا - یعني تفرقوا - " اِشتات و انتشار " سے مقصود وہ حالت ھے جب اجتماع و ائتلاف کي جگہ الگ الگ ھو جانے ' متفرق اور پراگندہ ھونے ' اور باھمدگر علحدگي و بیگانگي کي حالت طاري ھوجاے - مواد میں ' قوی میں ' اعمال میں ' افراد میں ' ھر بات میں پہلي حالت سے بالکل متضـــاد حالت پیدا ھوجاتے - یہ حالت جب مادہ پر طاري ھوتي ھے تو " تکوین " کي جگہ "فساد" اور " وجود" کي جگہ " عدم و فنا " کا اُسپر اطلاق ھوتا ھے جسم پر طاري ھوتي ھے تو اُسکا نام پہلے " بیماري " اور پھر " موت " ھے - اعمال پر طاري ھوتي ھے تو اُسي کو قرآن حکیم اپني اصطلاح میں " عمل سوء " اور " عصیان " سے تعبیرکرتا ھے - اور پھر یہي چیز ھے کہ جب

قوموں اور امتوں کي اجتماعي زندگي پر طاري هوجاتي هے تو دنيا ديکهتي هے که اقبال کي جگه ادبار ' عروج کي جگه تسفل ' ترقي کي جگه تنزل ' عظمت کي جگه ذلت ' حکومت کي جگه محکومي ' اور بالاخر زندگي کي جگه موت اُس پر چها گئي هے !

يهي وجه هے که قرآن حکيم نے جا بجا " اجتماع و ائتلاف " کو قومي زندگي کي سب سے بڑي بنياد ' اور اسليے انسان کيليے الله کي جانب سے سب سے بڑي رحمت و نعمت قرار ديا هے ' اور اسکو " اعتصام بحبل الله " اور اسي طرح کي تعبيرات عظيمه سے موسوم کيا هے - مسلمانوں کے اولين مادۂ تکوين امت يعني اهل عرب کو مخاطب کرکے اور پهر تمام عرب و عجم سے فرمايا :

و اعتصموا بحبل الله جميعاً و لا تفرقوا ! و اذکروا نعمت الله عليکم اذ کنتم اعداء فالف بين قلوبکم فاصبحتم بنعمة اخوانا - (۱۰۳:۲)	سب مل جلکر اور پوري طرح اکٹهے هوکر الله کي رسي مضبوط پکڑلو - سب کے هاتهه اسي ايک حبل‌الله سے وابسته هوں - الله کا يه احسان ياد کرو که کيسي عظيم الشان نعمت هے جس سے سرفراز کيے گئے ؟ تمهارا حال يه تها که بالکل بکهرے هوے اور ايک دوسرے کے دشمن تهے - الله نے تم سب کو باهم ملاديا اور اکٹها کرديا - پهلے ايک دوسرے کے دشمن تهے تو اب بهائي بهائي هوگئے !

اس کے بعد فرمايا که اشتات و انتشار کي زندگي کو بقاؤ قيام نهيں هوسکتا - وہ هلاکي کي ايک آگ هے جسکے دهکتے هوے شعلوں کے اوپر کبهي قومي زندگي نشو ؤ نما نهيں پاسکتي :

و کنتم علی شفا حفرة من النار ' فانقذکم منها کذلک يبين الله لکم آياته لعلکم تهتدون - (۱۰۳:۶)	اور تمهارا حال يه تها که آگ کے دهکتے هوے گڑهے کے کنارے کهڑے تهے ' پر الله نے تمهيں بچاليا - الله اپنے فضل و رحمت کي نشانياں اسي طرح کهولتا هے تا که کاميابي کي راه پالو !

يه بهي جابجا بتلاديا که قوموں اور ملکوں ميں اس اجتماع و ائتلاف کي صالح و حقيقي زندگي پيدا کرديتا محض انساني تدبير سے ممکن نهيں دنيا ميں کوئي انساني تدبير امت نهيں پيدا کرسکتي - يه کام صرف الله هي کي توفيق و رحمت اور اُسکي وحي و تنزيل کا هے که بکهرے هوے ٹکڑوں کو جوڑ کر ايک بنادے

لو انفقت ما في الارض جميعا ' ما الفت بين قلوبهم - و لكن الله الف بينهم - انه عزيز حكيم (۸ : ۶۹)

اگر تم زمین کا سارا خزانه بهي خرچ کرڈالتے جب بهي ان بکهرے هوے دلوں کو محبت و اتحاد کے ساتهه جوڑ نهیں سکتے تهے - یه الله هي کا فضل هے جس نے متفرق دلوں کو اکٹها کردیا -

اور اسلیے قرآن حکیم ظهور شریعت و نزول وحي کا پهلا نتیجه یه قرار دیتا هے که اجتماع و ائتلاف پیدا هو ' اور بار بار کهتا هے که تفرقهٔ و انتشار شریعت و وحي کے ساتهه جمع نهیں هوسکتے - اور اسلیے یه نتیجه شریعت سے بغي و عدوان اور اسکو بالکل ترک کردینے کا هے : فما اختلفوا حتی جاء هم العلم (۱۳ : ۹۳) و آتینا هم بینات من الامر فما اختلفوا الا من بعد ماجاء هم العلم بغیاً بینهم (۴۵ : ۱۶) و لا تکونوا کالذین تفرقوا من بعد ما جاء هم البینات (۲ : ۱۰۴)

اور اسي بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامي زندگی کا دوسرا نام "جماعت" رکها هے ' اور جماعت سے علحدگی کو " جاهلیة " اور " حیاة جاهلي " سے تعبیر کیا هے ' جیساکه آگے بالتفصیل آئیگا : " من فارق الجماعه ' فمات ' فمیتة جاهلیه " وغیر ذلك ' اور اسي بنا پر بکثرت وه احادیث و آثار موجود هیں جن میں نهایت شدت کے ساتهه هر مسلمان کو هر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم دیا گیا ' اگرچه امیر غیر مستحق هو ' نا اهل هو ' فاسق هو ' ظالم هو ' کوئی هو ' بشرطیکه مسلمان هو اور نماز قائم رکهے (ما اقاموا الصلوة) اور ساتهه هي بتلادیا گیا که جس شخص نے جماعت سے علحدگي کي راه اختیار کي تو اُس نے اپنے تئیں شیطان کے حوالے کردیا - یعني گمراهی اور ٹهوکر اسکے لیے ضروري هے - زنجیر کا توڑنا مشکل هوتا هے ' لیکن کوئي کڑی زنجیر سے الگ هوگئي هو تو ایک چهوٹے سے حلقه کا حکم رکهتي هے جسکو انگوٹهے سے مسل دیا جاسکتا هے - حضرة عمر اپنے خطبوں میں بار بار آنحضرة صلعم سے روایت کرتے " علیکم بالجماعه فان الشیطان مع الفذه و هو من الاثنین ابعد " دوسری روایت میں هے " فان الشیطان مع الواحد " یعني جماعت سے الگ نهو - همیشه جماعت بنکر رهو - کیونکه جب کوئي تنها اور الگ هوا تو شیطان اسکا ساتهي هوگیا - دو انسان بهی ملکر رهیں تو شیطان اُنسے دور هے - یعني اتحادي و جماعتی قوت اُن میں پیدا هوگئی - اب وه راه حق سے نهیں بهٹک سکتے - یه الفاظ مشهور

خطبۂ جابیہ کے ہیں جو عبد اللہ بن دینار ' عامر بن سعد ' سلیمان بن یسار ' وغیرہم سے مروي ہے ' اور بیہقي نے اِمام شافعی کے طریق سے نقل کیا کہ انہوں نے اجماع کے اثبات میں اسی روایت سے استدلال کیا - اسي طرح حدیث متواتر بالمعني " علیکم بالسواد الاعظم " اور " فانه من شذ شذ في النار " اور " ید الله علي الجماعة " اور " لایجمع الله امتي علی الضلالة " اور کما قال - اور خطبۂ حضرة امیر کہ " و ایاکم و الفرقة ' فان الشاذ من الناس للشیطان ' کما ان الشاذ من الغنم للذئب - الا ' من دعا الي هذا الشعار فاقتلوه و لو کان تحت عمامتي هذا " وغیر ذلك اس بارے میں معلوم و مشہور ہیں - آخري قول دیگر روایات میں بطریق مرفوع بھي منقول ہے - خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ ہمیشہ جماعت کے ساتھہ ہوکر رہو - جو جماعت سے الگ ہوا اسکا ٹھکانا دوزخ ہے - افراد تباہ ہوسکتے ہیں مگر ایک صالح جماعت کبھي تباہ نہیں ہو سکتي - اسپر اللہ کا ہاتھہ ہے - اللہ کبھي ایسا ہونے نہ دیگا کہ پوري امت گمراھي پر جمع ہوجاے -

اسي طرح نماز کي جماعت کي نسبت ہر حال میں التزام پر زور دینا ' اور اگرچہ امام نا اہل ہو لیکن سعي قیام اہل کے ساتھہ التزام جماعت کو بھي جاري رکھنا ' حتی کہ " صلوا خلف کل بر و فاجر " تو اسمیں بھي یہي حقیقت مضمر ہے کہ زندگی جماعتي زندگي ہے - انفراد و فرقة ہر حال میں بربادي و ہلاکت ہے - پس جماعت سے کسي حال میں باہر نہ ہوناچاہیے -

اور یہي سبب ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جو قومي دعا مسلمانوں کو سکھلائي گئي ' اسمیں متکلم واحد نہیں ہے بلکہ جمع ' حالانکہ وہ دعا فرداً فرداً ہر مومن کي زبان سے نکلنے والي تھي " اھدنا الصراط المستقیم " فرمایا - " اھدني " نہیں کہا گیا - یہ اسلیے ہے کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کي ہستی کوئي شے نہیں ہے - ہستي صرف اجتماع اور جماعت کي ہے ' اور فرد کا وجود اور اعمال بھي صرف اسي لیے ہیں تاکہ اُنکے اجتماع و تالیف سے ہئیۃ اجتماعیہ پیدا ہو - اسي لیے اس دعا میں کہ حاصل ایمان ' و خلاصۂ قرآن ' و عصارۂ اسلام ہے ' متکلم جمع کا صیغہ آیا نہ کہ واحد کا - اور اسي لیے مسلمانوں کي باھمي ملاقات کے وقت جو امتیازي دعا سکھلائي گئي ' وہ بھي بصیغۂ جمع آئي اگرچہ مخاطب واحد ہو - یعني

" السلام علیکم " - " السلام علیک " نہیں قرار دیا گیا - اسی طرح نماز سے باہر آنے کیلیے بھی " السلام علیکم " بصیغۂ جمع رکھا گیا - واحد کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا - علت اسکی یہی ہے - نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی -

اور اسی بنا پر احکام و اعمال شریعت کے ہر گوشے اور ہر شاخ میں یہی اجتماعی و ائتلافی حقیقت بطور اصل و اساس کے نظر آتی ہے - نماز کی جماعت خمسہ اور جمعۂ و عیدین کا حال ظاہر ہے - حج بجز اجتماع کے اور کچھ نہیں - زکواۃ کی بنیاد ہی اجتماعی زندگی کا قیام اور ہر فرد کے مال و اندوختہ میں جماعت کا ایک حصہ قرار دیدینا ہے - علاوہ بریں اُسکی ادائیگی کا نظام بھی انفرادی حیثیت سے نہیں رکھا گیا بلکہ جماعتی حیثیت سے - یعنے ہر فرد کو اپنی زکواۃ خود خرچ کردینے کا اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ بد قسمتی سے آج مسلمان کررہے ہیں اور جو صریح غیر شرعی طریقہ ہے ' بلکہ مصارف زکواۃ متعین کرکے حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی زکواۃ کی رقم امام و خلیفۂ وقت کے سپرد کردے - پس اسکے خرچ کی بھی اصلی صورت جماعتی ہے نہ کہ انفرادی - یہ امام کا کام ہے کہ اسکا مصرف تجویز کرے اور مصارف منصوصہ میں سے جو مصرف زیادہ ضروری ہو ' اسی کو ترجیح دے - ہندوستان میں اگر امام کا وجود نہ تھا ' تو جس طرح جمعہ و عیدین وغیرہ کا انتظام عذر کی بنا پر کیا گیا ' زکواۃ کا بھی کرنا تھا -

اور پھر یہ حقیقت کسقدر واضح ہوجاتی ہے جب اُن تمام مشہور احادیث پر غور کیا جاے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچی گئی ہے " مثل المومنین فی توادھم و تعاطفھم کمثل الجسد الواحد - اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی " (صحیحین) اور " المسلم للمسلم کالبنیان - یشد بعضہ بعضا " (بخاری) یعنی مسلمانوں کی قومیت ایسی ہے جیسے ایک جسم اور اسکے مختلف اعضا - ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم محسوس کرتا ہے ' اور اسکی بے چینی اور تکلیف میں اسی طرح حصہ لیتا ہے جیسے خود اسکے اندر درد اُٹھ رہا ہو - اور انکی مثال دیوار کی سی ہے - ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا پاتی اور سہارا دیتی ہے - پھر تشبیک اصابع کرکے اسکی تصویر بتلادی - یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں رکھکر دکھلادیا کہ اس طرح ایک دوسرے سے جڑا ہوا اور متصل ہے - سو ان تمام تصریحات میں بھی اسی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسلام کی قومیت متفرق

اینٹوں کا نام نہیں ہے - دیوار کا نام ہے - الگ الگ اینٹ کا کوئی مستقل وجود نہیں - ہے تو اجتماعی وجود ہے - یعنی دیوار کا ایک جزء ہے ' اور انہی اجزاء کے ملنے سے دیوار متشکل ہوتی ہے -

اور یاد رہے کہ یہ جو نماز میں تسویۂ صفوف پر سخت زور دیا گیا - یعنی صف بندی پر ' اور سب کے سروں ' سینوں ' پاؤں کے ایک سیدھ میں ہونے پر - " لتسون صفوفکم أو لیخالفن اللہ بین وجوھکم " (بخاری) اور روایت انس کہ " سووا صفوفکم فان تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوۃ " (بخاری) و فی لفظ " من تمام الصلوۃ " تو اسمیں بھی یہی بھید ہے اور تشریح کا یہ موقعہ نہیں - قرآن و سنت کی تصریحات و حکمیات اس بارے میں اسقدر کثرت سے اور محتاج تفسیر و کشف ہیں کہ ایک ضخیم مجلد مطلوب - تفسیر البیان میں مفصل لکھ چکا ہوں

فصل

(جمع و تفرقۂ قوی و مناصب)

اس قانون الہی کے مطابق مسلمانوں کی قومی زندگی و عروج کا اصلی دور وہی تھا ' جب اُنکی قومی و انفرادی ' مادی و معنوی ' اعتقادی و عملی زندگی پر اجتماع وائتلاف کی رحمت طاری تھی ' اور اُنکے تنزل و ادبار کی اصلی بنیاد اُسی دن پڑی ' جب اجتماع و ائتلاف کی جگہ اشتات و انتشار کی نحوست چھانی شروع ہوگئی - ابتدا میں ہر مادہ مجتمع تھا ' ہر طاقت سمٹی ہوئی تھی ' ہر چیز بندھی ہوئی تھی ' لیکن بہ تدریج تفرقۂ و انتشار کی ایسی ہوا چلی کہ ہر بندھن کھلا ' ہر جماؤ پھیلا ' ہر ملی جلی اور اکٹھی طاقت الگ الگ ہوکر منتشر اور تتر بتر ہوگئی - قرآن حکیم کے بتلائے ہوئے قانون تنزل اقوام کے مطابق یہ حالت ہر چیز اور ہر گوشۂ وجود و عمل پر طاری ہوئی ' اور ایک ہزار برس پر تین صدیاں گزرچکی ہیں کہ برابر طاری ہو رہی اور بڑھتی جاتی ہے - لوگ اسباب تنزل امت پر بحث کرتے اور پھر طرح طرح کی علتیں ٹھہراتے اور طرح طرح کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں ' حالانکہ قرآن و سنۃ اور عقلیات صادقہ کے نزدیک تنزل کے تمام فسادات و نتائج صرف اِسی ایک چیز کا نتیجہ ہیں - اس ایک حقیقت کو کتنے ہی مختلف ناموں سے پکار لو ' مگر اصلی علت اسکے سوا کوئی نہیں -

قوتوں کے انتشار کا دور ساري چیزوں پر طاري هوا ' لیکن یہاں صرف ایک هي پہلو واضح کرنا مقصود هے - آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اسلامي طاقت کي اصلي شخصیت تھي - آپ جب دنیا سے تشریف لیگئے تو صرف ایک داعي شریعت یا حامل وحي هي کي جگہ خالي نہیں هوئي ' بلکہ اُن ساري قوتوں ' سارے منصبوں ' ساري حیثیتوں ' اور هر طرح کے نظري و عملي اختیارات و قوی کي ' جو آپکي شخصیت مقدسہ میں اکٹھي تھیں ' اور جنکا آپکے تنہا وجود مقدس میں جمع هونا اسلام کي شرعي و دیني خصوصیات میں سے تھا - اسلام کا داعي مسیحیت کے مقدس پہاڑي واعظ کي طرح صرف ایک اخلاقي معلم هي نہ تھا ' اور نہ دنیا کے فاتح حکمرانوں کي طرح محض ایک جہانگیر اور عالم ستاں شہنشاہ - اسلام نے دین کو دنیا سے اور شریعت کو حکومت و جہانباني سے الگ نہیں رکھا - وہ تو یہ سکھلانے آیا تھا کہ دین و دنیا در نہیں ایک هي چیز هیں ' اور شریعت سے حکومت و سلطنت الگ نہیں هے ' بلکہ سچي حکومت اور خدا کي مرضي کے مطابق سلطنت وهي هے جسکو شریعت نے خود پیدا کیا هو ' پس اسلام کے داعي کا وجود ایک هي وقت میں اُن تمام حیثیتوں اور منصبوں کا جامع تھا ' جو همیشہ دنیا کي صدها مختلف شخصیتوں کے اندر منقسم رهي هیں - وہ اللہ کا پیغمبر تھا ' شریعت کا مقنن تھا ' اُمت کا باني تھا ' ملکوں کا حاکم اور سلطنت کا مالک تھا - وہ اگر پتوں اور چھال سے پٹي هوئي مسجد کے ممبر پر وحي الهي کا ترجمان اور انساني سعادت و هدایت کا واعظ تھا ' تو اُسي کے صحن میں یمن کا خراج تقسیم کرنے والا اور فوجوںکو میدان جنگ میں بھیجنےکیلیے سپہ سالارلشکربھي تھا - وہ ایک هي وقت اور ایک هي زندگي میں گھروںکا نظام معاشرت درست کرتا اور نکاح و طلاق کے قوانین نافذ کرتا اور ساتھہ هي بدر کے کنارے دشمنوں کا حملہ بھي روکتا ' اور مکہ کي گھاٹیوں میں سے ایک فاتح حکمراںکي طرح نمایاں بھي هوتا تھا - غرضکہ اُسکي ایک شخصیت کے اندر مختلف حیثیتیں اور منصب جمع تھے ' اور اسلام کا نظام دیني یہي تھا کہ یہ ساري قوتیں ایک هي فرد میں جمع رهیں -

جب آپ دنیا سے تشریف لیگئے تو خلفاء راشدین کي خلافت خاصہ اسي اجتماع قوی و مناصب پر قائم هوئي ' اور اسي لیے اُسکو " منہاج نبوۃ " سے تعبیر کیا گیا - یعني یہ نیابت ٹھیک ٹھیک هر لحاظ اور هر پہلو سے شخص جامع نبوۃ کي سچي قائمقامي اپنے اندر رکھتي تھي -

منصب نبوۃ مختلف اجزاء نظر و عمل سے مرکب ہے - ازاں جملہ ایک جزء وحي و تنزیل کا مورد ہونا اور شریعت میں تشریع و تاسیس قوانین کا اختیار رکھنا ہے - یعنے قانون وضع کرنا اور اسکے وضع و قیام کي معصومانہ و غیر مسئولانہ قوت - اس جزء کے اعتبار سے نبوت آپکے وجود پر ختم ہو چکي تھي اور قیامت تک کیلیے شریعت و قانون کے وضع و قیام کا معاملہ کامل ہوچکا تھا - جب نعمت کامل ہوگئي تو پھر کامل چیز ہي کو ہمیشہ باقي رہنا چاہیے - اسکي جگہ کسي دوسري چیز کا آنا نقص کا ظہور ہوگا نہ کہ تکمیل کا : الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتي ' و رضیت لکم الاسلام دینا (۵ : ۴)

لیکن منصب نبوت اس اصلي جزء کے ساتھہ بہت سے تبعي اجزاء پر بھي مشتمل تھا ' اور ضرور تھا کہ انکا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے - اس چیز کو مختلف احادیث میں مختلف تعبیرات سے موسوم کیا ہے - حضرۃ عمر کیلیے " محدث " (بالفتح) کا مقام بتلایا گیا - علماء کو انبیاء کا وارث کہا گیا - مبشرات صادقہ کو نبوت کا چالیسواں جزء قرار دیا - " لم یبق الا المبشرات " حدیث تجدید بھي اسي سلسلہ میں داخل ہے - پس خلفاء راشدین کو جو نیابت پہنچي ' اُسمیں وحي و تشریع کي قائم مقامي تو نہیں ہوسکتي تھي ' لیکن اور تمام اجزاء و خصائص نبوت کي نیابت داخل تھي - داعي اسلام کا وجود نبوت کے ساتھہ خلافت ارضي ' حکومت و سلطنت ' نظام و قوام سیاست ' قیادۃ فوج و حرب ' فتح و عمران ممالک ' ریاست مجالس شوریٰ ' وغیرہ ' جہاں بانی و حکمراني کے تمام منصب تنہا اپني شخصیت کے اندر رکھتا تھا ' اسلیے ٹھیک ٹھیک اسي طرح خلافت خاصہ میں بھي خلفاء راشدین کا تنہا وجود ان ساري نظري و عملي قوتوں اور تمام منصبوں کا جامع ہوا - وہ ایک ہي وجود کے اندر صاحب امامت و خلافت بھي تھے ' صاحب اجتہاد و قضاء بھي تھے ' اور صاحب سیاست و نظم احکام و بلاد بھي - اصلاً " امامت کبریٰ " کا مقام اجتہاد دیني اور سیاست ملکي ' دونوں سے مرکب ہے - اسلیے اُنکي امامت میں یہ دونوں قسمیں اپني تمام شاخوں کے ساتھہ اکٹھي تھیں - حضرۃ عمر مسجد کے دار الشوریٰ میں مسائل شرعیہ کا بہ حیثیت ایک مجتہد کے فیصلہ کرتے تھے ' عدالت میں مقدمات سنتے تھے ' اور دیوان فوجي میں فوجوں کو تنخواہ بھي بانٹتے تھے - اگر وہ نماز جنازہ کي معین تکبیرات پر صحابہ کا اجماع کراتے

تھے ' تو راتوں کو شہر میں گشت لگاکر احتساب کا فرض بھی ادا کرتے تھے میدان جنگ میں احکام بھی وھی بھیجتے' اور روم کے سفیر کو بہ حیثیت شہنشاہ اسلام اپنے سامنے بھی وھی بلاتے !

اسی طرح نبوت کا مقام ' تعلیم و تربیت امت کی مختلف قوتوں سے مرکب تھا - قرآن حکیم نے انکو تین اصولی قسموں میں بانٹ دیا ھے :

یتلو علیھم آیاتہ ' و یزکیھم ' و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ (۶۲ : ۳) تلاوت آیات - تزکیۂ نفوس - تعلیم کتاب و حکمت - خلفاء راشدین ان تینوں منصبوں میں وجود نبوت کے نائب تھے - وہ منصب اجتہاد و قضاء شرع کے ساتھہ قوت ارشاد و تزکیۂ و تربیت بھی رکھتے تھے - وہ ایک صاحب وحی کی طرح خدا کے کلام کی منادی کرتے' ایک نبی کی طرح دلوں اور روحوں کو پاکی بخشتے ' اور ایک رسول کی طرح تعلیم کتاب اور حکمت سنۃ سے امت کی تربیت و پرورش کرنے والے تھے - وہ ایک ھی وجود میں ابوحنیفۂ و شافعی بھی تھے (رح) اور جنید و شبلی بھی (رح) - نخعی و حماد بھی تھے ' اور ابن معین و ابن راھویہ بھی (رح) جسموں کا نظام بھی اُنھی کے ھاتھوں میں تھا - دلوں کی حکمرانی بھی اُنھی کے قبضہ میں تھی - یہی حقیقی اور کامل معنی منصب نبوت کی نیابت کے ھیں ' اور اسی لیے اُنکا وجود اور انکے اعمال بھی اعمال نبوت کا ایک آخری جزء تھے کہ " علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین " اور اسی لیے " و عضوا علیھا بالنواجذ " کے حکم میں نہ صرف سنۃ عہد نبوت ' بلکہ خلافت راشدۂ و خاصہ کی سنۃ بھی داخل ھوئی ' اور شرح اس سر الھی کی بہت طولانی ھے - یہاں محض اشارات مطلوب -

لیکن جیسا کہ پہلے سے خبر دیدی گئی تھی ' اجتماع و التلاف کی یہ حالت حضرۃ علی علیہ السلام پر ختم ھوگئی- اسکے بعد سے اشتات و انتشار کا دور شروع ھوا - ازانجملہ مرکزی قوتوں اور منصبوں کا انتشار واشتات تھا' جس نے فی الحقیقت امت کا تمام نظام شرعی و اصلی درھم و برھم کردیا - خلافت خاصہ کے بعد یہ ساری یکجا قوتیں الگ الگ ھوگئیں - ایک وجود کی جگہ مختلف وجودوں میں اُنکا ظہور اور نشو و نما ھوا - حکومت و فرماں روائی کا تکرہ الگ ھوکر مجرد پادشاھی کی شکل میں آگیا - اسی کی طرف اشارہ تھا " الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم ملک " سو واقعی اسکے

بعد صرف پادشاهي هي رهگئی - اجتهاد اور قضاء شرعی کا جزء خلافت سے الگ هوا تو مجتهدین و فقهاء کي ایک الگ جماعت پیدا هوگئي - انهوں نے یه کام سنبهالا - اسي طرح تعلیم و تربیت روحاني کے کار و بار سے نظام حکومت بالکل الگ هوگیا - پہلے خلافة کي ایک هي بیعت تمام مقاصد کي کفیل تهي - اب خلیفه کا وجود محض پادشاهي کیلیے اور فقهاء کا مجرد استنباط احکام و مسائل کیلیے رهگیا ' تو تزکیۂ نفوس اور ارشاد قلوب کیلیے ایک دوسري بیعت مستقلاً قائم هوئي ' جو بیعت توبۂ و ارشاد هوئي ' اور اسطرح اصحاب طریقت و تصوف کي بنیاد پڑي - پہلے صرف ایک وجود تها - وه پادشاه ' مجتهد ' مرشد ' قاضي القضاة ' سپه سالار جنگ ' میر عدل و احتساب ' سب کچهه تها - اب یه ساري قوتیں الگ الگ هوگئیں - حکومت و فرمانروائي الگ ایک وجود میں آئي - اجتهاد و تفقه کیلیے دوسرا وجود مرکز بنا - قضاء کیلیے تیسرا - ارشاد و تزکیۂ قلوب کیلیے چوتها - و هلم جرا - غرضکه عهد اجتماع قوی و مناصب کے بعد دور انتشار قوی و مناصب شروع هوکر رفته رفته کمال ظهور و بلوغ تک پهنچ گیا - حتی که یه تمام قوتیں اسطرح ایک دوسرے سے بیگانۂ و مخالف هوگئیں که یا تو ایک هي وجود میں جمع تهیں ' یا اب مختلف وجودوں میں بٹ کر بهی متفق نه رهسکیں - صرف اختلاف تعدد و تنوع هي نهیں رها ' بلکه اختلاف تضاد کي شکل پیدا هوگئي - یهی سب سے بڑي مصیبت و هلاکت تهي جو امت پر طاري هوئي - مسلمانوں کے تنزل و ادبار کي اصلی علت یه هے - وه افسانے نهیں هیں جنمیں تم سرمست هو - افسوس که سطحي و جزئي حالات کے استغراق نے اصلي اسباب و علل پرغور کرنے کی تمهیں کبهی مهلت نه دي ' اور نه بحث و نظر میں یورپ کي تقلید سے آزاد هوسکے که خالص اسلامي فکر و نظر اسباب ترقي و تنزل پر تدبر کرتے !

غرضکه خلافت راشده کے بعد جو سلسلۂ خلافت قائم هوا ' وه خواه قرشي رها هو یا غیر قرشي ' مجرد ملوکي و پادشاهي کا سلسله تها ' اور بجز چند مستثنی اوقات کے (جیساکه عهد حضرة عمر بن عبد العزیز) یه نیابت نبوت کے اور تمام اجزاء سے یکقلم خالي رها - منصب بٹ چکے تهے - قوتیں منتشر هو چکي تهیں - البته جو انقلاب سلطان عبد الحمید خان کے زمانے میں هوا اور جسکا نتیجه یه نکلا که سلاطین عثمانیه کي خلافت طریق استبدادي و شخصی سے طریق شوری میں تبدیل هوگئي ' سو بلا شبه

خلافت راشدہ کي طرف عود و رجعت کا یہ ایک مبارک قدم تھا ' جسکے لیے شوریٰ اور پارلیمنٹ کا ہونا سب سے پہلي شرط ھے - لیکن ان جزئي مستثنیات کے علاوہ عام حالات و خصائص ھر دور اور ھر سلسلے کے وھي رھے جو ایک جامع لفظ " ملک عضوض " میں بتلادیے گئے تھے ' اور اس میں کبھي کوئي نمایاں اور پائدار تبدیلي نہ ھوئي -

فصل

(اطاعت خلیفہ و التزام جماعۃ)

اس اجمالي تمہید کے بعد سب سے زیادہ اھم مسئلہ سامنے آتا ھے - یعنے اسلام کا وہ نظام شرعي جو ھر مسلمان کو خلیفۂ وقت کي معرفت اور اطاعت پر اسي طرح مجبور کرتا ھے ' جس طرح اللہ اور اسکے رسول کي اطاعت پر - جب تک وہ اللہ اور اسکے رسول کے خلاف کوئي حکم نہ دے - اسلام کا قانون اس بارے میں اپني تمام شاخوں اور تعلیموں کي طرح في الحقیقت کائنات ھستي کے قدرتي نظام کا ایک جزء اور قوام ھستي کي زنجیر فطرۃ کي ایک قدرتي کڑي ھے - کائنات کے ھر حصہ اور ھر گوشہ میں ھم دیکھتے ھیں کہ اللہ کي قدرت و سنۃ ایک خاص نظام پر کار فرما ھے جسکو " قانون مرکز " یا " قانون دوائر " سے تعبیر کیا جاسکتا ھے - یعني قدرت نے خلقت و نظام خلقت کے بقا و قیام کیلیے ھر جگہ اور ھر شاخ وجود میں یہ صورت اختیار کر رکھي ھے کہ کوئي ایک وجود تو بمنزلۂ مرکز کے ھوتا ھے ' اور بقیہ اجسام ایک دائرہ کي شکل میں اسکے چاروں طرف وجود پاتے ھیں ' اور پورے دائرہ کي زندگي اور بقاء صرف اُس مرکزي وجود کي زندگي اور بقا پر موقوف ھوتي ھے - اگر ایک چشم زدن کیلیے بھي دائرہ کے اجسام اپنے مرکز سے الگ ھوجائیں ' یا مرکز کي اطاعت و انقیاد سے باھر ھو جائیں ' تو معاً نظام ھستي درھم برھم ھوجاے اور دائرہ کي اکیلي ھستیاں مرکز سے الگ رھکر کبھي قائم و باقي نہ رھسکیں - یہی وہ حقیقت ھے جسکو بعض اصحاب اشارات نے یوں تعبیر کیا کہ " الحقیقۃ کا لکرہ " اور صاحب فتوحات نے کہا کہ " دائرۂ قاب قوسین " ھے -

یہ قانون مرکزیۃ و دوائر نظام ہستي کے ہر جزء اور ہر
صاف صاف دیکھا جاسکتا ہے - یہ نظام شمسي جو ہمارے
ستاروں کي یہ کنجان آبادي ' کروں کا یہ صحراے بے کنار '
حرکت کا یہ محیر العقول طلسم ' کیا ہے ؟ کس نظام پر یہ
چل رہا ہے ؟ اسي قانون مرکزیۃ پر - متحرک سیاروں کے حلقے
ہیں ' ہر دائرہ کا نقطۂ حیات و بقا سورج کا مرکزي نقطہ
ستارے اپنے اپنے کعبۂ مرکز کا طواف کررہے ہیں اور ہر دائرہ کي
اور بقا صرف مرکز شمسي کی اطاعت و انقیاد پر موقوف ہے :
العزیز العلیم - خود ہماري زمین بھي ایک ایسے ھي دائرہ کي
ہے اور شب و روز اپنے مرکز کے طواف و انقیاد میں مشغ
ستارے کے طواف و دوران کیلیے حکمت الہي نے ایک خ
ایک خاص زمانہ قرار دیدیا ہے - وہ اُس سے باہر نہیں جاسـ

بحکم و لہ اسلم من في السماوات و الارض (۲ : ۸۳) اور ان اللہ
من في السماوات و من في الارض و الشمس و القمر و النجوم (
خدا کے بنائے ہوے قانون کے مطابق اپني اپني جگھوں میں
ہیں : لا الشمس ینبغي لہا ان تدرک القمر ' و لا الیل سابق ال
في فلک یسبحون (۳۶ : ۴۱)

قانون مرکزیۃ کا یہ پہلا اور بلند ترین نظارہ تھا - اب اسکے
نیچے اُترتے آئینگے ' اور حرکت و حیات کي بلندیوں سے لیکر
چھوٹے سے چھوٹے گوشوں تک نظر ڈالینگے ' ہر جگہ زندگي
قانون سے وابستہ نظر آئیگي - عالم نباتات میں درخت کو دیکھ
ایک مجتمعہ وحدۃ کتنی وسیع کثرت سے مرکب ہے ؟ ڈال
شاخیں ہیں ' پتے ہیں ' پھول ہیں - لیکن سب کي زندگی
مرکز یعني جڑ سے وابستہ ہے - جڑ سے جہاں کوئي شاخ الگ
موت و فنا اُسپر طاري ہوگئي - آفاق کو چھوڑ کر عالم انفس
آؤ ' اور خود اپنے وجود کو دیکھو جسکے دیکھنے کیلیے نظر اُٹھانے
ضرورت نہیں - تمہارا وجود کتنے مختلف ظاهري و باطني
مرکب ہے ؟ جسموں اور وجودوں کي ایک پوري

جو تم میں آباد ھے - ھر جسم کا فعل ھے اور ایک خاصہ - لیکن دیکھو ! یہ ساري آبادي کس طرح ایک ھي مرکز کے آگے سر بسجود ھے ؟ سب کي حیات کا مرکز صرف قلب ھے - اس سے الگ رھکر ایک عضو بھي زندہ نہیں رھسکتا " اذا اصلحت ' صلحت کلھا ' و اذا فسدت ' فسدت کلھا "

اسلام في الحقیقت سنۃ اللہ اور فطرت اللہ ھي کا دوسرا نام ھے - اگر نوع انساني کي سعادت و ارتقاء کیلیے قانون اسلام اُسي فاطر السمارات و الارض کا بنایا ھوا ھے جسنے تمام کائنات کیلیے قانون حیات بنایا ' تو ضرور ھے کہ دونوں میں اختلاف نہو' بلکہ پہلا قانون پچھلے قانون عام کا ایک ایسا قدرتي جزء نظر آے ' جیسے زنجیر کي ایک کڑي - پس اسلام کا نظام شرعي بھي ٹھیک ٹھیک اسي قانون مرکزیۃ پر قائم ھوا - قرآن نے یہ حقیقت جا بجا واضح کي ھے کہ جس طرح اجسام و اشیاء کي زندگي اپنے اپنے مرکزوں سے وابستہ ھے ' اسي طرح نوع انساني اور اسکي جماعت و افراد کا جسماني و معنوي بقاء بھي قانون مرکزیۃ پر موقوف ھے - جس طرح ستاروں کي زندگي اور حرکت کا مرکز و محور سورج کا وجود ھے - اسي طرح نوع انساني کا بھي مرکز سعادت انبیاء کرام کا وجود ھے - پس انکي اطاعت و انقیاد بقاء و حیات کیلیے ناگزیر ٹھہري : و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۴ :۶۴) دنیا میں کوئي نبي نہیں آیا مگر اسلیے کہ اسکي اطاعت کي جاے ' اور اسي لیے فرمایا : فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ' ثم لا یجدوا في انفسھم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیما (۴ : ۶۹) اور لقد کان لکم في رسول اللہ اسوۃ حسنہ - پھر قوم و ملت کے بقاء کیلیے ھر طرح کے دائرے اور ھر طرح کے مرکز قرار دیے - اعتقاد میں اصلي مرکز عقیدۂ توحید کو ٹھہرایا جسکے گرد تمام عقائد کا دائرہ قائم ھے : ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء (۴ : ۵۲) عبادات میں نماز کو مرکز عمل ٹھہرایا جسکے ترک کردینے کے بعد تمام دائرۂ اعمال منہدم ھوجاتا ھے - " فمن اقامھا اقام الدین ' و من ترکھا فقد ھدم الدین " اور اسي لیے یہ بات ھوئي کہ " کان اصحاب رسول اللہ صلعم لایرون شئیا من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوۃ " (ترمذي) یعني صحابۂ کرام کسي عمل کے ترک کردینے کو کفر نہیں سمجھتے تھے مگر نماز کے ترک کو - اسي طرح تمام قوموں اور ملکوں کا ارضي مرکز سعادت وادي حجاز کا کعبۃ اللہ قرار پایا : جعل اللہ الکعبۃ البیت

الحرام قياماً للناس - " قياماً للناس " پر غور کرو - اور چونکہ یہ مرکز ٹھہرا ' اس لیے تمام دائرہ کا رخ بھي اسي طرف ہوا - خواہ دنیا کي کسي جہت میں مسلمان ہوں ' لیکن اُنکا منہہ اسي طرف ہونا چاہیے : و حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ (۲ : ۱۴۵)

پھر جس طرح شخصي اور اعتقادي و عملي زندگي کیلیے مراکز قرار پاے' ضرور تھا کہ جماعتي اور ملي زندگي کیلیے بھي ایک مرکزي وجود قرار پاتا - لہذا وہ مرکز بھي قرار دیدیا گیا - تمام امت کو اس مرکز کے گرد بطور دائرہ کے ٹھہرایا - اُسکي معیت ' اُسکي رفاقت ' اُسکي اطـــاعت ' اُسکي حرکت پر حرکت ' اُسکے سکون پر سکون ' اسکي طلب پر لبیـک ' اُسکي دعوۃ پر انفاق جان و مال ' ہر مسلمان کیلیے فرض کردیا گیا - ایسا فرض جسکے بغیر وہ جاھلیۃ کي ظلمت سے نکلکر اسلامي زندگي کي روشني میں نہیں آسکتا - اسلام کي اصطلاح میں اسي قومي مرکز کا نام " خلیفہ " اور امام ہے ' اور جب تک یہ مرکز اپني جگہ سے نہیں ہٹتا ہے - یعني کتاب و سنۃ کے مطابق اُسکا حکم ہے ' ہر مسلمان پر اسکي اطاعت و اعانت اُسي طرح فرض ہے جس طرح خود اللہ اور اُسکے رسول کی :

یا ایھا الذین آمنو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولي الامر منکم - فان تنازعتـم في شي فردوہ الی اللـــہ و الرسول ' ان کنتم تومنون باالله و الیوم الاخر - ذلک خیر و احسن تاویلا - (۴ : ۶۳)	مسلمانو ! اطاعت کرو اللـــہ کي ' اُسکے رسول کي ' اور تم میں جو اولو الامر ہو ' اُسکي - پھر اگر کسي معاملـــہ میں تم مختلف ہوجاؤ تو چاہیے کہ اللہ اور اسکے رسول کي طرف لوٹو اور اسکے فیصلہ پر متفق ہوجاؤ -

اس آیت میں بالترتیب تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے - اللـــہ کي ' رسول کي ' مسلمانوں میں جو اولو الامر ہو ' اسکي - اللـہ کي اطاعت کتاب اللہ کي اطاعت ہے - رسول کي اطاعت سے مقصود سنت قولي و فعلي ہے - باقي رہي اطاعت اولو الامر ' تو نہایت قوي و روشن وجوہ موجود ہیں کہ " اولو الامر " سے مقصود مسلمانوں کا خلیفۂ و امام ہے جو کتاب و سنت کے احکام نافذ کرنے والا ' نظام امت قائم رکھنے والا ' اور تمام اجتہادي امور میں صاحب حکم و سلطان ہے :

اولاً ' بحکم " القران یفسر بعضه بعضا " اولو الامر کي تفسیر خود قرآن هي کے اندر تلاش کرني چاهیے - اسي سورت میں آگے چلکر یه لفظ دوباره آیا هے :

و اذا جـــاء هم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ' ولو ردوه الی الـرسول و الی اولی الامر منهم ' لعلمه الذین یستنبطونه منـــهم - (۴ : ۸۶)	اور جب کوئي امن یا خوف کي خبر اُن تک پهونچتي هے ' تو بلا سوچے سمجھے لوگوں میں پهیلادیتے هیں - حالانکه اگر وه الله کے رسول کي طرف اور اُن لوگوں کي طرف رجوع کرتے جو اُن میں " اولو الامر "

هیں ' تو فوراً اصلیت کهل جاتي اور وه اُس خبر کے سچے جهوٹے هونے کا پته لگالیتے -

اس آیت میں ایسے وقتوں کا ذکر کیا گیا هے جب امن و خوف یعني صلح و جنگ اور فتح و شکست کي افواهیں ملک میں پهیلتي هیں اور بے اصل خبروں کي اشاعت سے لوگوں میں اضطراب و غلط فهمي پیدا هوجاتي هے - ایسي صورتیں منافقین اور بعض ضعیف القلب مسلمانوں کي وجه سے عهد نبوي میں بهي پیش آجاتي تهیں - پس فرمایا که جب کوئي افواه سنو تو پهلے الله کے رسول اور اپنے " اولو الامر " تک پهنچاؤ - تا که وه اس کي صحت وعدم صحت کي تحقیق کرلیں اور خبر کي نوعیت اور راویوں کي حالت پر غور کرکے صحیح نتائج کا استنباط کریں - ایسا نه کرو که جهاں کوئي افواه سني ' فوراً اسپر یقین کرلیا اور لوگوں میں پهیلانا شروع کردیا -

اب غور کرنا چاهیے که اس آیت میں " اولو الامر " سے مقصود کون لوگ هوسکتے هیں ؟ یه ظاهر هے که ذکر امن و خوف کے حالات کا هے - یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کا - ان حالات کا تعلق صرف حکام و امراء ملک هي سے هوسکتا هے - علما اور فقهاء سے نهیں هوسکتا - معامله نظم ملک و قیام امن کا هے - استنباط مسائل اور حلال و حرام کا نهیں هے - پس لامحاله تسلیم کرنا پڑیگا که اولو الامر سے مقصود وهي لوگ هیں جنکے سپرد ملک کا انتظام اور جنـگ و امن کا نظم و نسق هوتا هے ' اور جو اُن خبروں کي تحقیق کرسکتے هیں جنکا اثر ملک کے امن و خوف پر پڑسکتا هے - یعني ارباب حکومت و امارت -

ثانیاً ' کتاب و سنة اور صدر اول کے آثار عربیة پر غور کرنے سے معلوم هوتا هے که لفظ " امر " جب ایسي ترکیب کے ساتهه بولا جاے جیسی که یهاں هے '

تو اُسکا اطلاق عموماً حکومت و سلطنت ھی کے معنوں پر ھوتا ھے - احادیث میں یہ استعمال اس کثرت سے موجود ھے کہ ایک صاحب نظر کیلیے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں - نیز لغۃ کی بنا پر بھی ظاھر ھے کہ " امر " کے معنی حکم کے ھیں' اور " اولی الامر" کے معنی امام بخاری نے " ذوی الامر " کے کیے ھیں - یعنے " حکم والا " اور معلوم ھے کہ صاحب حکم وھی ھوسکتا ھے جو صاحب حکومت ھو -

ثالثاً ' احادیث صحیحہ سے ثابت ھے کہ خود یہ آیت جس واقعہ کی نسبت اُتری ' وہ امیر جماعت کی اطاعت ھی کا معاملہ تھا - بخاری و مسلم میں ھے " عن ابن عباس نزلت فی عبد اللہ بن حذافہ بن قیس ابن عدی اذ بعثہ النبی صلعم فی سریۃ " اور امام طبری نے تفسیر میں ایک روایت درج کی ھے کہ عمار بن یاسر اور خالد بن ولید کی باھمی نزاع کے بارے میں اُتری - خالد امیر تھے اور عمار نے بلا اُنکے حکم کے ایک شخص کو مزدوری پر رکھہ لیا تھا " نزلت فی قصۃ جرت لعمار مع خالد وکان خالد امیراً فاجار عمار رجلا بغیر امرہ فتخاصما " دونوں روایتوں سے ثابت ھوتا ھے کہ معاملہ امیر کی اطاعت و عدم اطاعت کا تھا ' نہ کہ احکام و مسائل کے حکم وافتاء کا -

رابعاً ' اکثر اقوال مروی صحابہ و تابعین سے بھی یہی تفسیر ثابت ھوتی ھے - بلکہ صدر اول میں صرف یہی تفسیر مشہور و معلوم تھی - بہت سی موشگافیاں جو پیدا کی گئی ھیں' سب بعد کے مفسرین کی طبع زاد ھیں - حافظ ابن حجر نے ابن عیینہ کا قول نقل کیا ھے " سألت زید بن اسلم عنھا و لم یکن بالمدینۃ احد یفسر القران بعد محمد بن کعب مثلہ - فقال اقرأ ما قبلھا تعرف - فقرأت : ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا و اذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل - فقال ھذہ فی الولاۃ " (فتح ۱۳:۹۹) یعنی مدینہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم سے بڑھکر قران کا کوئی مفسر نہ تھا - میں نے انسے اس بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے کہا - اس آیت سے ما قبل آیت پڑھو - میں نے پڑھا " ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا و اذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل " پس کہا کہ مقصود اس سے حکام ھیں - یعنی چونکہ پہلے سے ذکر حکومت و قضا کا ھو رھا ھے ' پس اولو الامر سے مقصود وھی ارباب اقتدار ھیں جو حکومت رکھتے ھوں - طبری نے بسند صحیح حضرۃ ابو ھریرہ اور میمون بن مہران وغیرہ سے

نقل کیا ہے " هم الامراء " اور علامۂ ابن حزم نے اُن تمام صحابۂ و تابعین کو شمار کیا جن سے یہ تفسیر منقول ہے تو ۱۳ - سے زیادہ ثابت ہوے - باقی رہا بعض صحابۂ و تابعین کا یہ کہنا کہ مقصود اہل علم و نظر ہیں - مثلاً جابر بن عبد اللہ کا قول کہ " هم اهل العلم و الخیر " اور مجاهد و عطاء و ابو العالیہ کا قول کہ " هم العلماء " تو ان اقوال میں اور صحابہ کی مشہور تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں ہے - در اصل اسلام کا نظام حکومت و جماعت تو یہی تھا کہ حکومت و ولایت کا منصب تمام شرعی و علمی قوتوں سے مرکب ہو ' اور اُسوقت تک قوتوں کے انتشار اور مناصب کے تفرقہ کی بنیادیں نہیں پڑی تھیں - پس جو شخص والی ملک اور حاکم مسلمین ہوتا تھا ' وہ بدرجۂ اولیٰ عالم و فقیہ بھی ہوتا تھا - پس جن صحابۂ و تابعین نے " اولو الامر " کی تفسیر میں علم و خیر کا ذکر کیا ' انہوں نے واقعی بہت صحیح تفسیر کی - گویا ظاہر کردیا کہ مسلمانوں کا اولو الامر ایسے ہی افراد کو ہونا چاہیے جو اہل علم و خیر ہوں - مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اولو الامر سے مقصود علماء و فقہا کا وہ مخصوص و متعارف گروہ ہے جو اسلام کے نظام جماعت کے انقراض کے بعد پیدا ہوا ' اور جسکا صدر اول کے مفسرین کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا ؟

امام ابن جریر نے عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ہے " ابو بکر و عمر " اس سے بھی اُنکا مقصود یہی ہے کہ اولو الامر مسلمانوں کا خلیفۂ و امام ہے - جیسے ابوبکر و عمر - رضی اللہ عنہما

اصل یہ ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے حجاز میں ایک طرح کی با قاعدہ طوائف الملوکی قائم تھی ' اور مکہ میں قریش کا قبیلہ بالکل خود مختار اور غیر مسئول تھا - اسلام کا جب ظہور ہوا تو اُس نے " جماعت " اور " امارت " کے نظام پر زور دیا ' اور بڑے بڑے گردن کشوں کو بھی مجبور کردیا کہ اطاعت امیر و التزام جماعت سے باہر نہوں - قریش کی نسلی فطرۃ اس اطاعت کیشی کے خلاف تھی ' اسلیے خصوصیت کے ساتھہ اُنکو اس بات کا خوگر بنانا تھا - حافظ عسقلانی نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے " و رجح الشافعی الاول و احتج بأن قریشا کانوا لا یعرفون الامارۃ و لا ینقادون الی امیر ' فامروا بالطاعۃ لمن ولی الامر ' و لذلک قال صلعم ' من اطاع امیری فقد اطاعنی " (فتح ۸ : ۱۹۱)

خامساً ' تاریخ اسلام کے سب سے بڑے فقیہ یعنی امام بخاری کا بھی مذھب یہی ھے - کتاب الاحکام میں باب باندھا ھے " اطیعو اللـــہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم " اور اس میں حضرت ابو ھریرہ کی روایت درج کی ھے " من اطـــاع امیری فقد اطـاعنی " الخ جس نے میرے امیر کی اطـاعت کی اسنے خود میری اطاعت کی - جس نے اُس سے انکار کیا اُس نے خود مجھسے انکار کیا - اس سے معلوم ھوا کہ اُن کے نزدیک اولی الامر کی اطاعت سے مقصود امیر و امام ھی کی اطاعت ھے - حافظ عسقلانی لکھتے ھیں " فی ھذا اشارۃ من المصنف الی ترجیح القول الصائر الی أن الایۃ نزلت فی طاعۃ الامراء ' خلافاً لمن قال نزلت فی العلماء " (فتح ۱۳ : ۹۹)

سادساً ' سب سے زیادہ قدیم اور مکمل تفسیر جو اسوقت ھمارے پاس موجود ھے ' وہ امام ابن جریر طبری کی تفسیر ھے ' اور صحابۂ و تابعین کی تفاسیر پر اُنکا احاطۂ و نظر معـــلوم ' انہوں نے بھی تمام اقوال نقل کرکے ترجیح اسی تفسیر کو دی ھے -

سابعاً ' اس نکتہ پر نظر رھنی چاھیے کہ تفسیر قران کے معاملہ میں جسقدر اختلافات کی کثرت اور مذاھب و طرق کا تعدد و تنوع نظر آتا ھے ' وہ تمام تر متاخرین کی فلسفیانہ کاوش پسندی کا نتیجہ ھے جبکہ معقولات کے شیوع اور یونانیۃ کے غلبۂ و احاطہ سے علوم دینیہ میں اُس " تعمق " کی بنیادیں پوری طرح پڑ چکی تھیں جسکی نسبت کہا گیـا تھا کہ " ھلک المتعمقون " - فکر و نظر میں عجمیۃ کے ظہور ' عربیۃ خالصۂ و صالحہ کے بعد ' اور علوم سنۃ کے ترک و ھجر نے اس معاملہ کو اور زیادہ گہرا اور وسیع کردیا - لیکن اوائل و سلف میں یہ تمام اختلافات یکقلم ناپید تھے - ھر آیت اور ھر لفظ کے ایک ھی صاف اور سادہ معنی تھے جو عربی لغۃ و محاورہ میں ھوسکتے ھیں اور لوگ اُس پر قانع تھے - ابداع معـــانی کثیرہ اور تفحص اشارات و مفہومات بعیدہ کی کاوش ھی نہیں کی جاتی تھی - نہ فرضی و تخمینی شکوک و ایرادات گڑھکر نئے نئے معانی فرض کیے جاتے تھے - " اولو الامر " کا لفظ جب کبھی ایک ایسے عرب کے سامنے کہا جائیگا جسکی عربیۃ خالص و صحیح ھو ' تو صـــرف ایک ھی معنی اُس کے ذھن میں آئینگے - یعنی صـــاحب حکومت - کسی دوسرے مفہوم کا اسے وھم بھی نہیں گزرے گا - صحابۂ و تابعین اسپر قانع تھے - لیکن امام رازی کی دقیقہ سنجی اس سہل پسندی اور لغوی سادگی پر قانع نہیں ھوسکتی - اس لیے وہ امکانی مطالب کا وسیع

سے وسیع میدان ڈھونڈھتے ھیں اور ھر ممکن مفہوم کو بحث و نظر کی ورزش کیلیے اختیار کرلینا چاھتے ھیں - پس متاخرین کے اختلافات سے متاثر نہیں ھونا چاھیے - صرف اُسی تفسیر کو اختیار کرنا چاھیے جو حدیث و آثار سے ماخوذ ھو ' اور لغۃ و عربیۃ اسکی تصدیق کرے - متاخرین کی کاوشیں دراصل ایک طرح کا منطقی تفنن ھے جس سے دماغ کو ورزش ملتی اور ذھن میں حدت پیدا ھوتی ھے - لیکن تفسیر قران نہیں ھے - قران کی تفسیر صرف وھی ھوسکتی ھے جو خود حامل قران کے علوم سے ماخوذ ھو' اور اُن لوگوں نے بتلائی ھو جنکے علم و عمل پر خود اللہ نے اپنی رضاء و پسندیدگی کی شہادت دی ھے : رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ! اگر سلف سے اعراض و انکار اس بنا پر ھے کہ اصول فقہ و علم کلام کی یونانی دقیقہ سنجیوں سے نا آشنا تھے ' تو کم از کم قران کا علم تو اُنکے لیے چھوڑ دینا چاھیے - یہ کیا مصیبت ھے کہ قرآن نازل تو ھوا ھو محمد عربی (صلی اللہ علیہ و سلم) پر ' لیکن اُسکے معانی و مطالب اُس وقت تک مسلمانوں کو معلوم نہوں جب تک ارسطوے یونانی اُنکی رھنمائی نہ کرے ؟

امام رازی (رح) وغیرہ کو زیادہ حیرانی اس بنا پر ھوئی ھے کہ اولو الامر کی اطاعت کا ذکر بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھہ کیا گیا ھے ' اور عطف تسویہ پیدا کر رھا ھے ' پس اولو الامر ایسا ھونا چاھیے جسکی اطاعت عین خدا کی اطاعت ھو ' سلاطین و امراء کو یہ منصب کیونکر حاصل ھوسکتا ھے ؟ حالانکہ بات بالکل صاف تھی - حیرانی کی کوئی وجہ نہیں - قرآن و سنت قانون ھے ' لیکن قانون بالکل بیکار ھے اگر کوئی قوت نافذہ نہو - یعنی اس قانون پر عمل کرانے والی قوت ' اور ظاھر ھے کہ جو قوت نافذہ ھوگی ' اسکی اطاعت عین قوت مقننہ کی اطاعت ھوگی - ایک دھقانی تک جانتا ھے کہ گورنر اور نائب السلطنت کی اطاعت عین پادشاہ کی اطاعت ھے - بلکہ ایک سپاھی کی اطاعت بھی عین قانون اور پادشاہ کی اطاعت ھوتی ھے - اور اس سے مقابلہ کرنا عین قانون اور پادشاہ سے بغاوت کرنا - یہ ساری بحثیں اسلیے پیدا ھوگئیں کہ اسلام کے جماعتی نظام کی اھمیت پر نظر نہ ڈالی گئی - اگر یہ حقیقت پیش نظر ھوتی کہ شریعت کے نفاذ اور امت کے قوام و نظام کیلیے ایک مرکزی اقتدار ناگزیر ھے اور وھی امام اور اُسکے نائب امراء ھیں ' تو اولی الامر کا مطلب بالکل صاف تھا - کسی کاوش و بحث کی ضرورت ھی نہ تھی -

" فان تنازعتم " الخ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اسلامی خلیفہ کا وجود مسیحیت کے پوپ سے کس درجہ مختلف ہے جو اسلام کے نزدیک اربابا من دون اللہ میں داخل ہے - مسیحیت کا خلیفہ ' ارضی خلیفہ نہیں ہے - آسمانی و دینی فرمانروا ہے جو مذہب کی آخری طاقت اپنے قبضہ میں رکھتا ہے - لیکن اسلامی خلافت کی اصلی بنا خلافت ارضی یعنی حکومت و سلطنت ہے - وہ صرف شریعت اور اُمت کی حفاظت کرنے والا اور احکام شریعت نافذ کرنے والا ہے - یعنی محض ایک قوت نافذہ ہے - نہ کہ مقننہ - اسکی ذات کو اصل شریعت اور اسکے احکام میں کوئی دخل نہیں - اگر ایسا نہ ہوتا تو فردوہ الی اللہ و الرسول نہ فرمایا جاتا - یعنی اگر کوئی ایسی صورت پیش آجاے جسمیں نزاع و اختلاف پیدا ہو ' تو پھر اسکے آخری فیصلہ کی قوت خلیفہ کا حکم نہیں ہے بلکہ مرکز اولی و حقیقی کا - یعنی قرآن و سنت کا - اور خود خلیفہ بھی اسکی اطاعت پر اسی طرح مجبور ہے جس طرح جماعت اُمت کا ہر عام فرد -

یہی وجہ ہے کہ " اطیعوا اللہ " کے بعد پھر اطیعوا الرسول " میں فعل کا اعادہ کیا گیا مگر " اولی الامر " میں نہیں کیا گیا - تاکہ واضح ہوجاے کہ اصل اطاعت جو مطلوب ہے وہ اللہ کی ہے اور رسول کی ہے - یعنی کتاب و سنت کی ' اور اولو الامر کی اطاعت صرف اسلیے ہے تاکہ کتاب و سنت کی اطاعت کی جاے - بالاستقلال نہیں ہے - پھر " فان تنا زعتم " کہکر اور زیادہ واضح کردیا کہ اگر اولو الامر کتاب وسنت کے خلاف حکم دے تو پھر اُس حکم میں انکی اطاعت نہیں ہے - اللہ اور اسکے رسول ہی کے حکم کی طرف لوٹنا چاہیے - قالہ الطیبی فی الشرح -

بعض امراء بنو امیہ نے اپنے مظالم و بدعات کی اطاعت کرانے کیلیے جب اس آیت سے استدلال کیا اور کہا " الیس اللہ امرکم ان تطیعونا فی قولہ و اولی الامر منکم " ؟ کیا خدانے تم لوگوں کو ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے کہ و اولی الامر منکم ؟ تو بعض ائمۂ تابعین نے کیا خوب جواب دیا " الیس قد نزعت عنکم بقولہ فان تنا زعتم " ؟ ہاں ' مگر پھر اس منصب سے تم محروم بھی تو کردیے گیے جب فرمایا کہ فان تنا زعتم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول -

غرضکہ اس ایۃ کریمہ میں قرآن نے اس قانون شریعت کا اعلان کیا ہے کہ خلیفۂ و امام کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے ' اور اسي کا وجود نظام جماعت کا مرکزي اقتدار ہے -

فصل

(شرح حدیث حارث اشعري)

احادیث صحیحہ سے اسکي مزید توضیح ہوتي ہے - اس بارہ میں اس کثرت کے ساتھہ حدیثیں موجود ہیں ' اور عہد صحابہ سے لیکر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات رواۃ و حفاظ میں اسقدر اُنکی شہرت رہچکي ہے کہ اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت کے بعد شاید ہي کوئي اور چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچي ہوگي -

سب سے پہلے میں مسند امام احمد وغیرہ کي ایک روایت نقل کرونگا جسمیں بالترتیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے :

قال صلی اللہ علیہ وسلم : " انا امرکم بخمس ' اللہ امرني بہن : الجماعۃ ' و السمع ' و الطاعہ ' و الھجرۃ ' والجہاد في سبیل اللہ - فانہ من خرج من الجماعۃ قید شبر ' فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ الا ان یراجع ' و من دعا بدعوي جاھلیۃ فھو من جثي جھنم - قالوا یا رسول اللہ و ان صام وصلي ؟ قال و ان صلی وصام و زعم انہ مسلم " اخرجہ احمد و الحاکم من حدیث " الحارث الاشعري علی شرط الصحیحین - قال ابن کثیر ھذا حدیث حسن و لہ الشواھد -

یعني فرمایا - میں تم کو پانچ باتوں کیلیے حکم دیتا ہوں جنکا حکم اللہ نے دیا ہے - جماعت ' سمع ' طاعۃ ' ھجرۃ ' اور اللہ کي راہ میں جہاد - یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھي باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپني گردن سے نکال دیا ' اور جس نے اسلام کي جماعتي زندگي کي جگہ جاھلیۃ کي بے قیدي کي طرف بلایا تو اُسکا ٹھکانا جہنم ہے - لوگوں نے عرض کیا - کیا ایسا شخص جہنمي ہوگا اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو ؟ فرمایا ہاں - اگرچہ روزہ رکھتا ہو ' نماز پڑھتا ہو ' اور اپنے زعم میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو -

اس حدیث میں پانچ باتیں بتلائي ھیں :

(۱) پہلي چیز "جماعت" ھے - یعني تمام اُمت کو ایک خلیفہ و امام پرجمع ھوکر اور اپنے مرکز قومي سے جڑ کے رھنا چاھیے- الگ الگ نہیں رھنا چاھیے - آگے چلکر کثرت کے ساتھہ وہ حدیثیں ملینگي جن سے معلوم ھوگا کہ جماعت سے الگ ھوکر رھنے کو یا ایسي منتشر زندگي کو جو ایک بندھي اور سمٹي ھوئي جماعت کي شکل نہ رکھتي ھو اور کسي امیر کے تابع نہو اسلام نے غیر اسلامي اور ابلیسي راہ قرار دیا ھے - انفرادي زندگي کو وہ زندگي ھي نہیں مانتا - اسلامي زندگي "جماعت" ھے -

"جماعت" سے مقصود افراد کا ایک ایسا مجموعہ ھے جس میں اتحاد ' ائتلاف ' امتزاج ' اور نظم ھو -

"اتحاد" سے مقصود یہ ھے کہ اپنے اعمال حیات میں منتشر نہوں - ایک دوسرے سے ملے ھوے ھوں اور انکے تمام اعمال مل جلکر انجام پائیں - کسي گوشۂ عمل میں بھي پھوٹ اور بیگانگي نہو -

"ائتلاف" کا مرتبہ "اتحاد" سے بلند تر ھے - "اتحاد" صرف باھم مل جانا ھے - ضرور نہیں کہ کسی تناسب کے ساتھہ ترکیب ھوئی ھو - لیکن "ائتلاف" سے مقصود ایسا اتحاد ھے جو محض اتحاد ھی نہ ھو بلکہ ایک صحیح و مناسب ترکیب کے ساتھہ اتحاد ھو - یعنی منتشر افراد اسطرح باھم ملے ھوں کہ جس فرد کو اسکی صلاحیت و قوت کے مطابق جو جگہ ملنی چاھیے ' وھي جگہ اُسے ملی ھو - اور ھر فرد کي انفرادي قوت کو جماعتی ترکیب میں اُتنا ھی دخل دیا جاے ' جتنی مقدار میں دخل پانے کی اسمیں استعداد ھو - ایسا نہو کہ زید کو سردار ھونا چاھیے اور اس سے چاکري کا کام لیا جاے ' اور عمرو کی قابلیت کا عنصر صرف چھٹانک بھر جزو جماعت ھونے کی صلاحیت رکھتا ھے - اسکو سیر بھر قرار دیدیا جاے -

"امتزاج" ترکیب کا تیسرا مرتبہ ھے - اسمیں کمیت سے زیادہ کیفیت کا اتحاد ھونا چاھیے - یعنی مختلف افراد کو باھم اسطرح ملایا جاے کہ جس فرد کا اجتماعي مزاج جس قسم کے مزاج کے ساتھہ ملکر ایک متحدہ کیفیت حاصل کرسکتا ھے ' ویسا ھي مزاج اسکے ساتھہ ملایا جاے - یہ نہو کہ دو ایسے آدمیوں کو ملا دیا گیا جنکي طبیعت و خصلت اور استعداد و صلاحیت باھمدگر میل نہیں کھا سکتي اور اسلیے خواہ کتنا ھي دونوں کو

ملاؤ ' لیکن تیل اور پانی کی طرح ہمیشہ الگ الگ ہی نظر آئیں ' باہم ملکر ایک جان نہ ہو جائیں- اللہ تعالی نے جس طرح عناصر کو اسلیے پیدا کیا ہے کہ باہمدگر ملکر ایک نئے مرکب وجود میں متشکل ہوں ' اسی طرح افراد انسانی کو بھی اسلیے پیدا کیا تاکہ اُنکے باہم ملنے سے جماعت پیدا ہو- " جماعت " ایک مرکب وجود ہے - افراد اسکے عناصر ہیں - فرد بجاے خود کوئی کامل وجود نہیں رکھتا - محض ایک مثنی ہے ' اور جب تک اپنے بقیہ ٹکروں سے مل نہ جاے کامل وجود نہیں پاسکتا - لیکن یہ باہم ملنا " امتزاج " کے ساتھہ ہونا چاہیے - تاکہ ہر ٹکرہ اپنے صحیح و مناسب ٹکرہ کے ساتھہ ملکر اسطرح جڑ جاے کہ معلوم ہو ' یہ نگینہ اسی انگشتری کے لیے تھا !

" نظم " سے مقصود جماعت کی وہ ترتیبی و تقویمی حالت ہے جب اسکے تمام افراد اپنی اپنی جگہوں میں قائم ' اپنے اپنے دائرہ میں محدود ' اور اپنے اپنے فرائض و اعمال کے انجام دینے میں سرگرم ہوں -

اجتماع کے یہ خواص و اوصاف نہ تو حاصل ہوسکتے ہیں ' نہ قائم رہ سکتے ہیں ' جب تک کوئی بالا تر فعال و مدبر طاقت وجود میں نہ آے ' اور وہ منتشر افراد کو ایک متحد ' مؤتلف ' ممزوج ' اور منظم جماعت کی شکل میں قائم نہ رکھے - پس ایک " امام " کا وجود ناگزیر ہوا ' اور اسی لیے ضروری ہوا کہ سب سے پہلے تمام افراد ایک ایسے وجود کو اپنا امام و مطاع تسلیم کر لیں جو بکھرے ہوے اجزاء کو اتحاد و ائتلاف اور امتزاج و نظم کے ساتھہ جوڑ دینے اور اُڑتے ہوے ذروں سے ایک حی و قائم جماعتی وجود پیدا کردینے کی قابلیت رکھتا ہو - اصل مرکز اس طاقت کا امام اعظم یعنی خلیفہ ہے - اور پھر ہر ملک ' ہر آبادی ' ہر گروہ میں اسکے ماتحت امام جماعت ہونے چاہئیں - مسلمانوں کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گروہ کیلیے بھی شرعاً جائز نہیں کہ بلا قیام امام کے زندگی بسر کریں - حتی کہ اگر صرف تین مسلمان بھی ہوں ' تو چاہیے کہ ایک ان میں سے امام تسلیم کرلیا جاے - " اذا کان ثلاثۃ فی سفر ' فلیؤ مروا احدھم "

پانچ وقت کی جماعت نماز میں جماعتی نظام کا پورا پورا نمونہ مسلمانوں کو دکھلا دیا گیا - کیونکہ نماز ہی وہ عمل عظیم ہے جو اسلام کے تمام عقائد و اعمال کا جامع ترین نمونہ ہے - کس طرح سیکڑوں ہزاروں منتشر افراد مختلف مقاموں ' مختلف جہتوں ' مختلف شکلوں ' اور مختلف

لباسوں میں آتے ہیں ' لیکن یکایک صدائے تکبیر سب کے انتشار کو ایک کامل اتحادی جسم میں تبدیل کردیتی ہے - یہانتک کہ ہزاروں اجزاء کا یہ منتشر مواد بالکل ایک جسم واحد کی صورت اختیار کرلیتا ہے - سب کے وجود ایک ہی صف میں جڑے ہوے ' سب کے کاندھے ایک دوسرے سے ملے ہوے ' سب کے قدم ایک ہی سیدھ میں ' سب کے چہرے ایک ہی کی جانب - قیام کی حالت ہے تو سب ایک جسم واحد کی طرح کھڑے ہیں' جھکاؤ ہے تو تمام صفیں بہ یک وقت جھکی ہوئی ہیں - ظاہر کے ساتھ باطن بھی یکسر متحد و ممزوج - سب کے دل ایک ہی کی یاد میں محو ' سب کی زبانیں ایک ہی کے ذکر میں مترنم - پھر دیکھو ' سب کے آگے صرف ایک ہی وجود امام کا نظر آتا ہے جسکے اختیار میں جماعت کے تمام اعمال و افعال کی باگ ہوتی ہے- جب چاہے سب کو جھکا دے - جب چاہے سب کو اُٹھا دے -

اسلام کی زبان میں " جماعت " سے مقصود ایسا اجتماع ہے - انبوہ اور بھیڑ کا نام جماعت نہیں ہے -

جماعت کے جن اوصاف و خواص کا اوپر ذکر کیا گیا ' وہ تمام تر قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں - لیکن شواہد کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں -

(۲) دوسری چیز " السمع " ہے - یعنی امام جو احکام دے ' اُسکو سننا ' اور اس سے تعلیم و ارشاد حاصل کرنا - " سمع " کے لفظ میں قبولیت احکام و طلب تعلیم' دونوں کی طرف توجہ دلائی ہے اور امام کی معلمانہ حیثیت کو نمایاں کیا ہے -

(۳) تیسری چیز " طاعت " ہے - یعنی امام کی کامل درجہ اطاعت و فرماں برداری ' اور اپنی تمام عملی قوتوں کو اُس کے سپرد کردینا ' اور اس کے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنا - البتہ اطاعت معروف میں ہے - نہ کہ معصیت میں کہ " انما الطاعة في المعروف "

(۴) چوتھی بات " ہجرة " ہے - ہجرة ہجر سے ہے جسکے معنی ترک کردینے اور چھوڑ دینے کے ہیں " الهجر والهجران مفارقة الانسان غيره ' اما بالبدن او باللسان او بالقلب - و المهاجرة' مصارمة الغير و متاركة " (۵۵۸) اسلام کی اصطلاح میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت سعادت و صداقت کے کسی مقصد اعلیٰ کیلیے اپنی دنیوی محبوبات و مالوفات ترک کردے - مثلاً دولت کو ' آرام و راحت کو' عزیز و اقرباء کے قرب کو ' وطن و مکان کو ' تو اسکا نام

هجرة الی اللہ اور ذهاب الی اللہ ہے - خدا کے هر رسول اور انکے پیروؤں کو قیام حق کی راہ میں یہ منزل طی کرنی پڑی : انی مہاجر الی ربی - اور انی ذاهب الی ربی - چونکہ وطن و مکان کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جسکے ترک کرنے میں اهل و عیال ' مال و متاع ' دوست و احباب ' هر طرح کے علاقوں کو ترک کردینا پڑتا ہے ' اور اسکی محبت و الفت کی زنجیر اور ساری زنجیروں سے بھاری ہے ' اسلیے ترک وطن کی هجرة اعلیٰ اور جامع قسم کی هجرة هوئی' اور زیادہ تر مہاجرة کا اطلاق تارکین وطن هی پر کیاگیا - " و لکل امری ما نوی - فمن کانت هجرته الی اللہ و رسوله ' فهجرته الی اللہ و رسوله ' و من کانت هجرته لدنیا یصیبها ' او امرأة یتزوجها ' فهجرته الی ما هاجر الیه" (بخاری عن عمر رض) یعنی هر شخص کیلیے وہ ہے جسکی اُس نے نیت کی - پس جس نے اللہ اور اسکے رسول کیلیے هجرة کی تو اسکی هجرة اللہ اور اسکے رسول کیلیے هوئی ' اور جس نے اسلیے گھر چھوڑا کہ دنیا کماے یا نکاح کرے' تو اسکی هجـــرة اسی کام کیلیے هوئی جسکے لیے اس نے گھر چھوڑا - پھر هجرة کے بھی اقسام هیں اور مراتب - بعضها فوق بعض - کتاب و سنت اسکی تفصیل سے لبریز هیں - یہ موقعہ تفصیل کا نہیں -

پانچویں چیز "جهاد فی سبیل اللہ " ہے- "جهاد" جهد سے ہے جسکے معنی " استفراغ الوسع فی مدافعة العدو ظاهراً و باطناً " هیں (مفردات راغب) یعنی دشمن اور دشمن کی تمام قوتوں کے دور کرنے اور اپنے کو قائم رباقی رکھنے کیلیے انتہا درجہ کی کوشش کرنا - یہ کوشش زبان سے بھی هوتی ہے - مال سے بھی هوتی ہے - جان سے بھی هوتی ہے - جس قسم کی کوشش کی ضرورت هو - هر قسم جهاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے:- " و جاهدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السنتکم " (رواہ ابوداؤد ' و احمد ' و نسائی' و ابن حبان ' عن انس)

یہ کہنا ضروری نہیں کہ یہی پانچ چیزیں دنیا میں قوموں اور ملکوں کے بقاؤ قیام کی اصلی بنیاد هیں - دنیا میں کوئی قوم زندہ نہیں رهسکتی جسکی قومی هستی ان پانچ عنصروں سے مرکب نہو - سعی و عمل کا کوئی گوشہ هو ' کامیابی بغیر ان اصول خمسہ کے نہیں مل سکتی - تم متھی بھر گیھوں کے طالب هو یا قطب شمالی کی تحقیق کے ' مگر کوئی چیز بھی بغیر

جماعت، اطاعت، هجرة، اور جہاد کے حاصل نہ ہو سکیگي - دنیا نے آجتک جو کچھہ پایا ہے، غور کرو گے تو وہ سب انہي پانچ سچائیوں کے ثمرات و نتائج ہیں -

دنیا کے تمام نزاعات و اختلافات کي ایک سب سے بڑي علت حقیقت کي وحدت اور اسماء و مصطلحات کي کثرت ہے - طلب صداقت کے اکثر جھگڑے حکایت شہد و عسل سے زیادہ نہیں - یعنی سچائي ہر جگہ اور ہر گوشۂ عمل میں حقیقت و مسمیٰ کے اعتبار سے ایک ہي ہے، لیکن بھیس مختلف ہوگئے ہیں اور نام متعدد - مصیبت یہ ہے کہ دنیا معاني کي جگہ لفظوں کي پرستش کرتي ہے، اور گو سب طلبگار و پرستار ایک ہي حقیقت کے ہیں، لیکن محض ناموں کے اختلاف کي وجہ سے باہمدگر لڑ رہے ہیں - ایک کہتا ہے شہد - دوسرا کہتا ہے عسل - مگر کوئي نہیں جو دونوں کو سمجھا دے کہ مقصود دونوں کا ایک ہي ہے - اختلاف مسمیٰ میں نہیں ہے - صرف اسم میں ہے - ایک شخص شب و روز ایک حقیقت کو مانتا اور جانتا ہے، لیکن اپني اصطلاح و رسم میں کسي خاص لقب سے پکارتا ہے - وہي حقیقت جب ایک دوسرے نام سے اسکے سامنے پیش کي جاتي ہے تو فوراً انکار کردیتا ہے اور اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس سے ہر طرح نفرت کرے - مذاہب کے اختلافات سے لیکر معاشرت و رسوم کے چھوٹے چھوٹے اختلافات تک، ہر جگہ یہي علت کام کر رہي ہے - اگر کبھي ایسا ہوسکے کہ ظواہر و اسماء کے تمام پردے اُٹھادیے جائیں اور حقیقت بے نقاب ہوکر سب کے سامنے آ جاے، تو یکایک دنیا کے تمام نزاعات ختم ہو جائیں، اور تمام لڑنے والے دیکھہ لیں کہ سب کا مطلوب ایک ہي ہے اگرچہ بھیس مختلف ہیں، اور سب کا مقصود ایک ہي ہے اگرچہ نام بہت سے ہیں :

عبدارانتسا شتی و حسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر!

علوم و حقائق کے مشاهد و مناظر میں یہ مشہد سب سے اعلیٰ و ارفع مقام رکھتا ہے - اسي کو شاہ ولي اللہ رحمۃ اللہ علیہ " علم الجمع بین المختلفات " سے تعبیر کرتے ہیں (۱) اور عامۂ اصحاب اشارات

---

(۱) تفہیمات میں لکھتے ہیں " لما تمت بي دورة الحکمة، البسني الله خلعت المجددیة، فعلمت علم الجمع بین المختلفات "

رسلوک نے " مشہد وحدۃ " کي اصطلاح اختیار کي ہے جو سالک طریق کیلیے کشف حجب اور سیر حقائق کا سب سے بلند تر مقام ہے - مقصود اس سے وہ قوت نظر و فکر ہے جو ظواہر سے گزر کر حقیقت تک پہنچ جاے ' اور اسماء و تعبیرات کے اختلافات دور کرکے مقاصد و معاني کا اتحاد معلوم کرلے - بعدیکہ سارے نزاعات و اختلافات دور ہو جائیں ' اور سخت سے سخت منازع و متضاد راہوں پر چلنے والے بھي دیکھہ لیں کہ اصل مطلوب دونوں کا ایک ھي ہے -

اس اصل کو پیش نظر رکھکر اگر غور کروگے تو واضح ہو جائیگا کہ جماعت' تعلیم ' اطاعت ' ہجرت ' اور جہاد ' دنیا کي وہ عالمگیر صداقتیں ہیں ' جنکي حقیقت سے کسي فرد بشر کو انکار نہیں ہوسکتا - دنیا کي کوئي صالح جماعت ایسي نہیں ہے جس نے انسے الگ رہکر کامیابي حاصل کي ہو - ہر عقل نے انکا اقرار کیا ہے ' ہر دل میں انکا اعتقاد موجود ہے ' اور ہر عامل جماعت شب و روز انپر عمل کر رہي ہے - البتہ ناموں کے اختلاف نے ساري الجھن ڈال دي ہے - اسلام نے جن ناموں سے انکو تعبیر کیا ہے ' انسے دنیا کو اختلاف ہے ' لیکن اسلام جن حقیقتوں کو پیش کرتا ہے ' انسے دنیا اختلاف نہیں کرسکتي - اگر کرے تو زندگي اور مراد سے محروم ہو جاے -

اس نظام میں پہلی چیز " جماعت " ہے جسکي مختصر تشریح اوپر گزر چکي - غور کرو ' دنیا کا کونسا کام ایسا ہے جسکو بلا اجتماع و جماعت کے انجام دیا جاسکتا ہے ؟ جماعت کي زیادہ دقیق اور فلسفیانہ تعریف چھوڑ دو - صاف اور سیدھے سادھے معني جو ہوسکتے ہیں' صرف انہیں پر غور کرلو - سوسائٹي ' پارٹي ' کمیٹي ' کلب ' انجمن ' کانفرنس ' پارلیمنٹ ' بلکہ قوم ' ملک ' فوج ' ان سب سے مقصود کیا ہے ؟ یہي کہ " جماعت " اور " التزام جماعت " - وحشي قوموں تک کو دیکھتے ہو کہ جنگل کے درختوں کے نیچے اکٹھے ہوجاتے ہیں' اور مل جلکر اپنے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں - پھر جماعت بے سود ہے اگر اسکا نظام نہو اور کوئي سردار و رہنما نہو - تم پانچ آدمیوں کي بھي کوئي مجلس منعقد کرتے ہو ' تو سب سے پہلے ایک پریسیڈنٹ کا انتخاب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جب تک کسي کو صدر مجلس نہ مان لینگے ' یہ پانچ آدمیوں کي مجلس بھي باقاعدہ کام نہ کرسکیگی - فوج ترتیب دیتے ہو تو دس آدمیوں کو بھي بغیر ایک افسر کے نہیں چھوڑتے -

اسکي اطاعت ماتحتوں کیلیے فرض سمجھتے ہو اور یقین کرتے ہو کہ بغیر اسکے فوج کا نظام قائم نہیں رھسکتا - پانچ دس آدمي بھي اگر بغیر امیر کے کام نہیں کرسکتے تو قومیں کیونکر اپنے فرائض بلا امیر کے انجام دے سکتي ھیں ؟ اس سے بھي سادہ تر مثال یہ ھے کہ اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں کو دیکھو ! خود تمھارا گھر بھي تو ایک چھوٹي سي آبادي ھے ؟ اگر بیوي تمھارا حکم نہ مانے تو تم کیوں بگڑتے ہو ؟ اگر گھر کے لوگ تمھارے کہنے پر نہ چلیں، تو تم کیوں لڑتے ہو ؟ تم کہتے ہو کہ فلاں گھر میں امن و انتظام نہیں - روز خانہ جنگي ہوتي ھے - یہ سب کیوں ھے ؟ صرف اسلیے کہ " الجماعـــة ' و السمـــع ' و الطاعـــة " کوئي جماعت امن و نظم نہیں پاسکتي جب تـک اسکا کوئي امیر نہو ' اور جب تـک امیر کي اطاعت نہ کي جاے - گھر اور خاندان بھي ایک چھوٹي سي جماعت ھے - تم گھر کے بڑے ہو - یعني امیر ہو - پس گھر کي عافیت و کامیابي اسپر موقوف ھے کہ سب تمھاري سنیں اور تمھارے کہے پر چلیں -

" ھجرت " کا لفظ کسقدر تمھارے لیے نا آشنا اور نا مانوس ھے ؟ تم سمجھتے کہ یہ دنیا کے اُس عہد جہل و وحشت کي یادگار ھے جب مذھبي جذبات کي بر انگیختگي نے تمـــدني احساسات کو مغلوب کردیا تھا ' اور انسان دین پرستي کے جنون میں اپني عقلی و تمدني زندگي تـک کو قربان کردیتا تھا - لیکن بتلاؤ ' اب دنیا کي اعلی سے اعلی علمي و تمدني ترقیاں بھي تم کو جس راہ کي طرف بلا رھي ھیں ' وہ " ھجرت " کي حقیقت سے کب خالي ھیں ؟ اور خود علم و تمدن کا تمام ذخیرۂ عروج بھي کس عملي حقیقت کا نتیجہ ھے ؟ " ھجرت " سے مقصود یہ ھے کہ اعلی مقاصد کي راہ میں کمتر فوائد کو قربان کردینا ' اور حصول مقاصد کي راہ میں جو چیزیں حائل ہوں ' اُن سب کو ترک کردینا - خواہ آرام و راحت ہو ' مال و دولت ہو ' نفساني خواھشیں ہوں ' حتی کہ قوم ہو ' ملک ہو ' وطن ہو ' اھل و عیال ہوں ' سب کو چھوڑ دینا - پھر بتلاؤ ' علم و عمل کا کون گوشہ ھے جس میں کامیابي بغیر اس جذبہ کے ملسکتي ھے ؟ انسان کي مطلوبات میں سے کوئي چھوٹي سے چھوٹي چیز بھي ایسي بتلاسکتے ہو جو بلا ھجرت کے مقام سے گذرے اُسنے پائي ہو ؟ یہ دنیا کي علمي و تمدني ترقیاں ' حیرت انگیز اکتشافات ' انقلاب انگیز ایجادات ' دولت کي فراواني ' تجارت کي عالمگیري ' نئي نئي آبادیوں کا قیام ' طرح طرح کے وسائل معیشت و فلاح کا ظہور ' پھر

ملکوں کا عروج ' قوموں کي بالا دستي ' تمدن کي وسعت ' في الحقیقت انسان کے کس عمل حق کے نتائج و ثمرات ھیں ؟ اگر کج نظري چھوڑ دو تو معلوم کرلوگے کہ صرف عمل ھجرت کے - اگرانسان اور انسانونکي جماعتوں نے طلب مقاصد و عزائم میں ھزاروں قربانیاں نہ کي ھوتیں ' ھر طرح کے آرام و راحت سے مفارقت نہ کرجاتے ' اپني ساري خواھشوں اور ولولوں کو ترک نہ کردیتے ' گھر کے عیش ' اھل و عیال کي محبت ' خویش و یگانہ کي الفت ' اور ملک و وطن کي دامنگیریوں سے بالکل آزاد ھوکر راہ ھجرت میں قدم نہ اٹھاتے ' تو آج دنیا میں علم کي جگہ جہل ھوتا ' تمدن کي جگہ وحشت ھوتي ' آبادیوں کي جگہ جنگل ھوتے ' اور ان تمام ترقیوں میں سے ایک ترقي بھي کرۂ ارضي کي پیٹھہ پر نظر نہ آتي - دنیا میں جس قدر علوم وفنون موجود ھیں ' اُن سب کي تکمیل کیونکر ھوتي اگر ولولۂ ھجرت سے انسان کا قلب خالي ھوتا ؟ کتنے ھي انسانوں نے اپنے گھروں اور وطنوں سے ھجرتیں کي ھیں ' دنیا کے ایک ایک گوشہ ایک ایک چپہ کو چھان مارا ھے ' جب کہیں جاکر فن طب کي تکمیل ھوئي ھے اور ادویۂ و اشیاء کے خواص کا علم مکمل ھوا ھے - اگر مہاجرین علم کے قافلے اپنے اپنے گوشوں سے نہ نکلتے ' اور گھر کے آرام و راحت کي جگہ سفر و غربت کي صعوبتیں گوارا نہ کرلیتے ' تو اشیـــاء کي تحقیق کیونکر ھوتي ؟ پیدا وار کي معلومات کیونکر تکمیل پاتي ؟ جغرافیـہ کیونکر وجود میں آتا ؟ علم الحیـــات کے تجارب کي جزئیـــات کیونکر جمع ھوسکتیں ؟ نئي نئي ایجادات اور اکتشافات کي کس طـــرح راہ کھلتي ؟ کولمبس اگر ھجرت نہ کرتا ' تو آج دنیا کا نصف تمدن ناپید تھا - یورپ اگر ھجرت نہ کرتا تو آج نیویارک اور واشنگٹن کي سر بفلک عمارتوں کا وجود نہ ھوتا - اگر یورپ کي قومیں اپنے ملکوں سے مہاجرت نہ کرتیں ' تو آج تمام دنیا کي دولت اُن کے گھروں میں کھنچکر نہ جاتي - یہ کیسي عجیب بات ھے کہ اگر صرف قطب شمالي کي تحقیق کے لیے مہـــاجرین کشف کے ذیرہ سو قافلے یکے بعد دیگرے نکلیں ' اور یکسر قربان و ھلاک ھو جائیں ' تو تم کہو کہ یہ تحقیق علم کا کمال اور جذبۂ نوع پرستي کي انتہـــا ھے ' لیکن اگر اُسي چیز کو اللہ کي شریعت ایک جامع تر لفظ " ھجرت " سے تعبیر کرے ' تو تم اسکا انکار کردو ؟ تمھارے نزدیک یہ تو تمدن ھے کہ دریاے نیل کا مخرج دریافت کرنے کیلیے سیکڑوں انسان اپنا گھر بار چھوڑ دیں اور ھلاک ھو جائیں ' لیکن یہ وحشت ھے کہ قیام حق اور اشاعت

صداقت کي راہ میں اللہ کے بندے ترک وطن کریں ؟ اگر نیوٹن اپني راتوں کي نیند اور بستر کي راحت چھوڑ دے تاکہ " کشش ثقل " کا قانون دریافت کرلے ' تو تم اسکي پرستش کرو اور کہو کہ یہ علـــم پرستي ہے - لیکـــن اگر تم عزم و طلب کے ایسے ھي پرستار ھو تو اُس عازم صـــادق کیلیے کیا کہتے ھو جو قانون کشش ثقل کیلیے نہیں بلکہ قانون نجات عـــالم کیلیے اپنا گھر بار چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حق پرستي ہے ؟

آج تمام یورپ قومي ترقي اور ملکي استحکام کي سب سے بڑي بنیاد " کالونیل سسٹم " کو یقین کرتا ہے - یعني نو آبادیوں کے اصول کو ' اور اسکا اس درجہ پرستار ہے کہ صرف اسي کي خاطر پانچ سال تک دنیا کو عالمگیر جنگ و قتال میں مبتلا رکھتا ہے - لیکن نو آبادیوں کے اُصول کے کیا معني ھیں ؟ یہي کہ ترک وطن کرکے اپني نئي نئي آبادیاں قائم کرنا ' اور قومي دولت و طاقت کو بڑھانے کیلیے دنیـــا میں دور دور تـک پھیل جانا - اب غور کرو کہ یہ وھي "ھجرت" اور ترک وطن کي بات ھوئي یا نہیں ؟ اور " الجمـــاعۃ ' و السمع ' و الطاعۃ ' و الھجرۃ " پر دنیا عمل کررھي ہے یا نہیں ؟ نام مختلف ھیں مگر حقیقت ایک ھي ہے -

"جہاد" کے معني یہ ھیں کہ دفع اعداء میں اپني جان و مال سے کمال درجہ سعي و محنت کرنا - کیا دنیا میں کوئي قوم ' کوئي ملک ' کوئي جماعت ' کوئي قبیلہ ' کوئي خاندان ' کوئي گھر ' کوئي انسان ' بلکہ کوئي وجود اور زندگي بغیر جہـاد کے زندہ و قائم رھسکتي ہے ؟ کون ہے جو زندہ رھنا چاھتا ہے اور جہاد نہیں کرتا ؟ جس چیز کو تم ھزاروں ناموں اور لفظوں میں بولتے ھو اور کارزار ھستي میں بقاؤ قیـــام کي اصلي بنیـــاد سمجھتے ھو ' اُسي کو اسلام نے ایک جامع لفظ " جہاد " سے تعبیر کیا ہے - اگر تم سے ڈارون اور رسل ویلیس تنازع البقـــاء (Struggle for existence) اور انتخاب طبیعي (Natural Selectian) اور بقاء اصلح (Survival of the fittest) کا ذکر کرتے ھیں اور کہتے ھیں کہ اس کارزار حیات میں بقـــا صرف اصلح و امثل کیلیے ہے ' تو تم پوري طـــرح کان دھرتے ھو ' اور فطـــرۃ کے قتل و غارت کا افسانۂ خونین تم کو پریشـــان خاطـــر نہیں کرتا - لیکن اُسي حقیقت کو قرآن و اسلام زیادہ مکمل شکل میں بیان کرتا ہے - وہ کہتا ہے کہ جو قانون الہي زمین کے کیڑوں مکوڑوں تـک پـر نافـذ ہے ' اُس سے جمعیت بشري کیونکر بـري ھوسکتي ہے ؟ پس دنیا میں

اُسي قوم کو باقي رهنا چاهيے جو حق و هدايت کے اعتبار سے اصلح هو - غير اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا چاهيے اور قانون الهي کا هاتهه بنکر مٹا دينا چاهيے - هدايت يافته اقوام کا يه حق هے که غير هدايت يافته قومون پر غالب آئيں : ليظهره علی الدين کله - پهر اس بات پر تم کيوں مضطرب هوتے هو؟ کيوں اس قدرتي قانون هستي کے ذکر ميں تم کو قتل و غارتگری کي دهشت ناکي نظر آتي هے ؟ يورپ کي قومين تمام دنيا کو اپني نو آبادیوں سے بهر ديں ' اور کهيں که افريقه کے وحشيوں کي جگه هم متمدن اقوام زياده خدا کي زمين کي حقدار هيں - اسکو تو تم گوارا کرلو ليکن اگر اسلام کهے که " ان الارض لله و لرسوله " خدا کي زمين حق پرستوں کيليے هے - کفر و ضلالت کے پرستاروں کيليے نهيں هے ' تو تم اسکو وحشت اور خوفناکي کهو؟

فصل

(جماعت و التـــزام جماعت)

يهاں ايک اور اهم اور قابل غور امر يه بهی هے که اس حديث اور نيز ديگر احاديث ميں هميشه جماعت اور اطاعت خليفه کي زندگي کو اسلامي زندگي قرار ديا هے اور اسکے عکس کو جاهلية - جاهلية کي زندگي ميں هلاکت کا اصلي تخم کيا تها ؟ قرآن نے واضح کيا هے که تفرقه اور باهم دگر علحدگي' اور کسي ايک مرکزي قوت کے ماتحت نهونا - اسلام نے ظاهر هوکر زندگي کي جو تخم ريزي کي ' وه کيا تهي ؟ باهمي اتحاد و ائتلاف - تمام منتشر افراد کو ايک متحده جماعت بنا کر نفس واحده کرديا اور سب کے سر ايک هي چوکهت پر جهکاديے : واذکروا نعمت الله عليکم اذ کنتم اعداً ' فالف بين قلوبکم ' فاصبحتم بنعمته اخوانا - و کنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها " الخ -

پس جاهلية کا دوسرا نام تفرقة هوا ' اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت - يهي وجه هے که تمام احاديث ميں يه حقيقت واضح کي گئي' اور اعلان کيا گيا که جو شخص جماعت اور اطاعت امام سے الگ هوگيا '

گویا وہ اسلام سے خارج ہوگیا - اسکی موت اسلام پر نہیں بلکہ جاھلیۃ پر ہوگی- اگرچہ نماز پڑھتا ہو ' روزہ رکھتا ہو' اور اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو - مزید احادیث میں سے بعض روایات صحاح یہ ہیں : -

" من اطاعني فقد اطاع الله ' و من اطاع اميري فقد اطاعني ' و من عصى اميري فقد عصاني " (صحیحین عن ابي هريرة) جس نے میری اطاعت کی ' اُس نے اللہ کی اطاعت کی ' اور جس نے میرے امیر کی (یعنے میرے نائب کی) اطاعت کی ' اسنے خود میری اطاعت کی ' اور جس نے امیر سے روگردانی کی' اس نے میری اطاعت سے انکار کیا - یعنی امیر المـــومنین کی اطاعت عین رسول کی اطاعت ہے - مسلم کی ایک روایت میں " اميري " کی جگہ صرف " الامیر " ہے - یعنی جو شخص مسلمانوں کا امام ہو' اُسکی اطاعت -

" اِسمعوا و اطيعوا و ان استعمل عليكم عبد حبشي كان راسه زبيبة " (صحیحین عن انس) اگر ایک حقیر صورت حبشی غلام بھی تمہارا امیر بنا دیا جاے ' تو چاھیے کہ اسکی سنو اور اطاعت کرو -

معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ بار بار اور کثرت سے خطبوں میں آپ فرماتے تھے - اسی لیے مختلف لفظوں میں اور مختلف مواقع کی نسبت مروی ہے - حجۃ الوداع کے عظیم الشان اور یادگار عالم موقعہ پر(جبکہ دو تین ماہ کے بعد آپ دنیا سے تشریف لیجانے والے تھے اور ایک آخری اور وداعی پیام دنیا کو سنا رہے تھے) فرمایا " و لو استعمل عليكم عبد يقودكم بكتاب الله ' اسمعوا و اطيعوا " (مسلم) اگر ایک حبشی غلام بھی تم پر امیر بنا دیا جاے اور وہ کتاب اللہ کے ساتھہ تم پر حکومت کرے ' تو اُسکی سنو اور اطاعت کرو !

" من خرج من الطاعه و فارق الجماعه ' فمات ' مات ميتة جاهلية " و عن ابن عباس " من راي من اميره شيئا يكرهه ' فليصبر ' فانه من فارق الجماعة شبرا ' فمات ' فميتة ميتة جاهلية " و في لفظ " فانه ليس احد من الناس خرج من السلطان شبرا فمات عليه ' الا مات ميتة جاهلية " (متفق علیه) یعنی جس نے جماعت کا ساتھہ چھوڑ دیا ' خلیفہ کی اطاعت سے باھر ہوگیا ' اور اسی حالت میں بغیر توبہ کے مرگیا ' تو اُسکی موت جاھلیـۃ کی موت ہوئی (اسلام سے پہلے اھل عـرب پر جو زمانہ

گزرا ہے ' اسکو عہد جاہلیۃ کہتے ہیں - پس مطلب یہ ہوا کہ عرب جاہلیۃ کی طرح گمراہی پر موت ہوئی) دوسری روایت میں ہے - اگر کوئی شخص اپنے امیر کو ایسی بات کرتے دیکھے جو اُسے پسند نہ آے تو چاہیے کہ صبر کرے - اسکی اطاعت سے باہر نہو - کیونکہ جو کوئی سلطان اسلام کی اطاعت سے بالشت بھر بھی باہر ہوا اور اسی حالت میں مرگیا ' تو اسکی موت جاہلیۃ کی حالت پر ہوئی - حضرۃ ابن عمر کی روایت میں ہے :

" من خلع یدا من طاعۃ ' لقی اللہ یوم القیامۃ و لا حجۃ لہ ' و من مات و لیس في عنقہ بیعۃ ' مات میتۃ جاہلیۃ " جس نے خلیفہ کی اطاعت سے ہاتھہ کھینچا ' یعنی اطاعت نہ کی ' تو قیامت کے دن وہ اللہ کے سامنے حاضر ہوگا اور اسکے لیے کوئی بچاؤ نہوگا - اور جو مسلمان دنیا سے اس حال میں گیا کہ خلیفہ کی بیعت و اطاعت کے حلقہ سے اُسکی گردن خالی ہوئی ' تو یقین کرو کہ اسکی موت جاہلیۃ کی موت ہوئی -

" من فارق الجماعۃ شبرا فکانما خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ " (ترمذی) جو جماعت سے بالشت بھر بھی باہر ہوا ' اس کا حکم یہ ہے کہ گویا اس نے اسلام کی اطاعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا - ایک روایت میں ہے " دخل النار " (اخرجہ الحاکم علی شرط الصحیحین) یعنے جو خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہوا ' اُسکا ٹھکانا دوزخ ہے -

" کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء - کلما ھلک نبي ' خلفہ نبي - و انہ لا نبي بعدی - و سیکون خلفاء فیکثرون - قالوا - فما تامرنا ؟ قال - فوا بیعۃ الاول فالاول ' ثم اعطوھم حقھم ' فان اللہ یسائلھم عما استرعاھم " (متفق علیہ) بنی اسرائیل کی رہنمائی و ریاست انبیاء کرتے تھے - ایک نبی گیا تو دوسرا اُسکی جگہ مامور ہوا - لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے - البتہ خلفاء ہونگے - لوگوں نے عرض کیا - ہم کو اُنکی نسبت کیا حکم ہوتا ہے ؟ فرمایا - جس سے پہلے بیعت کی یعنی جس کی حکومت پہلے مان لی گئی ' اُسکی اطاعت مقدم ہے - پھر کسی دوسرے کو خلیفہ نہ مانو - اور فرمایا - اُنکا تم پر جو کچھہ حق ہے ' وہ اُنکے حوالے کرو - یعنی اُنکی اطاعت کرو - زکواۃ و خراج وغیرہ اُنہی کو دو -

انکے علاوہ بے شمار احادیث ہیں - اجماع کے شواھد اور کتب عقائد و فقہ کے اقوال نقل نہیں کیے گئے کہ مشہور و معروف ہیں ' اور احادیث کے بعد اُنکی ضرورت بھی نہیں -

فصل

(شرائط امامت و خلافة)

تمام نصوص و دلائل کتاب و سنة اور اجماع امة پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے شرائط امامت و خلافة کے بارے میں دو صورتیں اختیار کی ہیں - اور قدرتی طور پر یہی دو صورتیں اس مسئلہ کی ہوسکتی تھیں -

اسلام نے اس بارے میں نظام عمل یہ مقرر کیا تھا کہ امام کے انتخاب کا حق امت کو ہے - اور طریق انتخاب جمہوری تھا نہ کہ شخصی و نسلی - یعنی قوم اور قوم کی اصحاب الرائے جماعت (اہل حل و عقد) کو شرائط و مقاصد خلافت کے مطابق اپنا خلیفہ منتخب کرنا چاہیے - بحکم و امرھم شوری بینھم - بنیاد تمام امور کی شرعا شوری یعنی باھمی مشورہ ہے - نہ کہ نسل و خاندان - خلافت راشدہ کا عمل اسی نظام پر تھا - خلیفۂ اول کا انتخاب عام جماعت میں ہوا - خلیفۂ دوم کو خلیفۂ اول نے نامزد کیا اور اہل حل و عقد نے منظور کرلیا - خلیفۂ سوم کا انتخاب جماعت شوری نے کیا - خلیفۂ چہارم کے ہاتھہ پر خود تمام جماعت نے بیعت کی - نسل ' خاندان ' ولی عہدی ' کو اسمیں کوئی دخل نہ تھا - اگر دخل ہوتا تو ظاہر ہے کہ خلافت خلیفۂ اول کے خاندان میں آجاتی ' یا دوم و سوم کے خاندان میں ' مگر ایسا نہیں ہوا - خلیفۂ دوم نے تو قوم کو بھی اسکا موقعہ نہ دیا کہ اُنکے لڑکے کو خلیفہ منتخب کرے - وصیت کردی کہ وہ کسی طرح منتخب ھی نہیں ہوسکتا -

پس پہلی صورت یہ ہے کہ اگر صحیح نظام شرعی قائم ہو جو خالص جمہوری ہے ' اور قوم کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے کا موقع ملے ' تو کیسا شخص منتخب کرنا چاہیے ؟ اور اُسمیں کیا کیا اوصاف ہونا چاہیئیں ؟

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر یہ نظام باقی نہ رہا ہو - قوم کی راے اور انتخاب کو اُسمیں دخل نہو - محض طاقت اور تسلط کی بنا پر کوئی خاندان یا کوئی طاقتور فرد تخت خلافت پر قابض ہوجاے ' تو اُس صورت میں از روے شرع مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے ؟ اگر وہ اہل نہیں

ہے، ظالم ہے، جابر ہے، شرائط خلافت اُسمیں نہیں پائے جاتے؟ تو اُسکی اطاعت کرنی چاہیے، یا اُس پر خروج کرنا چاہیے؟ وہ شرعاً خلیفۃ المسلمین ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اُسکے ماتحت وہ تمام کام انجام پاسکتے ہیں یا نہیں جو از روے شرع خلیفۂ اسلام کی موجودگی پر موقوف ہیں؟ اُسکو زکواۃ دینی چاہیے؟ اسکے پیچھے جمعہ پڑھنا چاہیے؟ اسکے تمام احکام کی اطاعت کرنی چاہیے؟

یہ مسئلہ امت کی اجتماعی زندگی کا بنیادی مسئلہ تھا، اور ممکن نہ تھا کہ شریعت اسکی پوری پوری تشریح و توضیح نہ کردیتی - اس بارے میں نصوص سنۃ بے شمار اور بالکل واضح ہیں - اسی لیے جب خلافۃ راشدہ کے بعد بنو امیہ کی حکومت جبر و استبداد کے ساتھہ قائم ہوئی، تو صحابۂ کرام کو اپنے طرز عمل کے فیصلے میں ذرا بھی تامل و تذبذب نہوا - بالکل اُس شخص کی طرح جو پہلے سے ایک خاص وقت کا سمجھا بوجھا منتظر ہو، فوراً یکسوئی کے ساتھہ فیصلہ کرلیا - جو کچھہ اُنھوں نے بتلایا اور کیا، اُسی پر اجماع امت کی مہر لگ گئی، اور تیرہ سو برس سے جمہور اہل اسلام کا وہی متفقہ اعتقاد و عمل قرار پاگیا - بلا شبہ پہلی صورت میں بعض اسلامی فرقوں کو اختلاف ہوا، مگر دوسری صورت میں قولاً و فعلاً سب متفق ہوگئے -

پہلی صورت میں شریعت نے اہلیت و صلاحیت کی وہ تمام شرائط اپنے انتہائی اور کامل مرتبہ میں قرار دی ہیں جو ایک ایسے مرکزی اور اہم ترین منصب کیلیے قدرتی طور پر ہونا چاہیئیں - کیا باعتبار قوت علمی کے - کیا بہ لحاظ قوت عملی کے - اور چونکہ یہ منصب متعدد حیثیتوں سے مرکب ہے، اسلیے ہر حیثیت کے لحاظ سے ضروری اوصاف بتلائے گئے - مثلاً اسلام، علم و نظر، عمل و تقوی، شجاعت و صولۃ، عدالۃ و ایثار، قدرت و نفوذ، طاقت و شوکت - چنانچہ تمام کتب عقائد میں صدیوں سے مسلمان پڑھتے پڑھاتے آے ہیں: " و یشترط ان یکون من اھل الولایۃ المطلقۃ الکاملۃ بان یکون مسلماً، حراً، ذکراً، عاقلاً، بالغاً، سالماً بقوۃ رائہ و رویتہ، و معونۃ باسہ و شوکتہ، قادراً بعلمہ و عدالتہ و کفایتہ و شجاعتہ علی تنفیذ الاحکام، و حفظ حدود الاسلام، و انصاف المظلوم من الظالم عند حدوث المظالم " الخ - کذا فی شرح المواقف، و النسفی، و التمہید، و شرح فقہ الاکبر للقاری، و شرح المقاصد - و من کتب المحدثین شرح عقیدہ ابن عقیل، و فتح الباری،

و شرح منظومة الاداب ' و خلاصه ابن مفلح ' و نيل الاوطار ' و وبل المرام الشوكاني ' و الاقناع و شرحه ' وغيرهم - يعني ايسے شخص كو خليفه منتخب كرنا چاهيے جس ميں حسب ذيل اوصاف پاے جائيں - مسلمان هو ' آزاد هو ' مرد هو ' عاقل و بالغ هو ' صاحب راے و نظر هو ' تدبير و انتظام كي پوري قوت ركهتا هو ' احكام شريعت كا محافظ هو ' انكے جاري و نافذ كرنے اور اسلامي ممالک كي حفاظت اور دشمنون كي روک تهام كيليے جسقدر علمي و عملي قوتون كي ضرورت هے ' وه سب اُس ميں موجود هوں - اتباع شريعت ' عدل و انصاف ' شجاعت و همت ' شوكت و صولت ' ساري صفتيں هوني چاهيئيں -

جس وقت تک خاندان عباسيه كي خلافت باقي رهي ' يعني خلافت خاندان قريش و عرب ميں رهي (سنه ۶۴۰ ه مطابق سنه ۱۲۴۳ع - تک اور اس كے بعد بهي كچهه عرصه تک بوجه بقاء خلافت عباسيهٔ مصر) علماء اسلام كي ايک بڑي جماعت كا يه خيال رها كه بموجب حديث " ان هذا الامر في قريش "خليفه كو قرشي بهي هونا چاهيے - يعني اگر مسلمان خليفه مقرر كريں ' تو جهاں اور بهت سي باتيں اوسميں هوني چاهيئيں ' وهاں يه بات بهي هو كه خاندان قريش ميں سے هو -

اسي طرح جماعت اماميه اس طرف گئي كه خلافت آئمهٔ اهل بيت نبوة كيليے منصوص هے - اُنكے اعتقاد ميں آنحضرة صلعم كے بعد حضرة علي عليه السلام كو خليفه هونا چاهيے تها - اور اُنكے بعد اُنكي نسل كے آئمهٔ عترة رضي الله عنهم كو -

زيديه اسطرف گئے كه بني فاطمه يعنے تمام سادات مستحق خلافت هيں - آئمهٔ عترة كي خصوصيت ضروري نهيں - اور شرطوں كے ساتهه صرف اسقدر كافي هے كه امام سيد يعني بني فاطمه ميں سے هو -

ليكن دوسري صورت ميں (يعني اگر نظام شرعي كي جگه ملكي قبضهٔ وتسلط كي صورت پيدا هوجاے ' اور جمهور كو انتخاب و نصب كا موقعه نه ملے ' تو اُس صورت ميں از روے شرع مسلمانوں كو كيا كرنا چاهيے ؟) سو اسكي نسبت چونكه خود احاديث صحيحه اور اجماع صحابهٔ و عترة بالكل صاف صاف موجود تها ' اسليے تمام اُمت بلا اختلاف اس پر متفق هوگئي كه جب ايک مسلمان منصب خلافت پر قابض هو جاے اور اُسكي حكومت جم جاے ' تو

هر مسلمان پر واجب هے که اُسي کو خليفۂ اسلام تسليم کرے ' اُسي کے سامنے گردن اطاعت جهکاے - بالکل اُسي طرح' جيسے ايک اهل و مستحق خليفه کے آگے جهکنا چاهيے - اطاعت و اعانت کي وہ تمام باتيں جو منصب خلافت کے شرعي حقوق ميں سے هيں ' ايسے خليفه کو حاصل هوجاتي هيں - اُس سے روگرداني کسي مسلمان کيليے جائز نهيں - اُسکے مقابلے ميں خروج اور دعوے کا حق کسي کو نهيں پهنچتا - اگرچه کيسا هي افضل اور جامع الشروط کيوں نه هو - جو کوئي ايسا کرے ' مسلمانوں پر واجب هے که اُسکے مقابلے اور قتل ميں خليفه کا ساتهه دیں - وہ شرعاً باغي هے - اُسکو قتل کردينا چاهيے -

شريعت نے دوسري صورت ميں يه حکم کيوں ديا ؟ اسکي علت و مصلحت اسقدر واضح هے که شرح و تفصيل کي حاجت نهيں - شريعت اور اُمت کا قائم و باقي رهنا حکومت کے وجود و قيام پر موقوف تها - ساري باتيں شاخ هيں - جڑ يهي مقام و منصب هے - پس اسکے ليے ايک نظام شرعي مقرر کرديا گيا جو بهتر سے بهتر نظـــام هوسکتا هے - يعني اســـلامي حکومت کي بنياد جمهور اور شوریٰ کے انتخاب پر رکهي - شخص' نسل ' تسلط ' اقتدار ' اور پادشاهي و ملوکي کو اسميں دخل نهيں - ساتهه هي اس منصب کي اهليت کيليے تمام ضروري شرطيں اور صفتيں بهي بتلاديں که اپنا خليفه بناؤ تو ايسے شخص کو بناؤ - ايسے کو نه بناؤ جو اُسکي اهليت نه رکهتا هو - پهر پورے زور کے ساتهه اسکا بهي اعلان کرديا که لوگوں کو خود خليفه بننے اور امارت و سرداري حاصل کرنے کا خواهشمند نه هونا چاهيے - نه دعويدار بنکر دوسروں سے لڑنا چاهيے - آنحضرة هميشه اس عهد پر لوگوں سے بيعت ليتے " لا ينازع الا مر اهله " سرداري کا جو اهل هوگا ' اسي پر سرداري چهوڑ ديںگے - دنيا اگر اس چهوٹے سے جمله پر عمل کرے تو روے زمين کے سارے جهگڑے ختم هوجائيں - امام بخاري نے کتاب الاحکام ميں باب باندها هے " ما يکره من الحرص علی الامارة " (۱) اور

---

(۱) حق يه هے که بقول علامۂ ابن خلدون صحيح بخاري کي شرح و تفسير کا قرض ابتـک اُمت کے ذمه باقي هے - بے شمار شرحوں اور حاشيوں کے بعد بهي يه قول ويساهي صحيح هے' جيسا ابن خلدون کے عهد ميں تها - اس کتاب کے علوم و دقائق کا کوئي احاطه نه کرسکا - هر کتاب ' هر باب '

ابو موسیٰ کي روایت لائے هیں جس میں آپنے فرمایا : " انا لا نولي هذا من سأله ' و لا من حرص علیه " جو شخص خود اس چیز کا طالب هو یا اسکي حرص رکھتا هو ' اسکو میں یه کام سپرد نه کرونگا - مقصود اس سے یه تها که جب لوگ خود طلب و حرص نه کرینگے تو کشمکش اور مقابله بهي نه هوگا ' اور امت کیلیے نهایت آسان هوجائیگا که اهل و اصلح کو منتخب کرلے -

مسئلهٔ خلافت کا اصلي نظام شرعي یه تها - اگر یه قائم هو تو دنیا امن و سکون کي بهشت بن جاے - لیکن چونکه معلوم تها که ابهي وہ وقت

[بقیه نوٹ صفحه ۴۵]

ابواب کي هر ترتیب ' اور هر هر عنوان و ترجمه ' اس فقیه الارض و اعجوبة الدهر کي فقاهة رباني کي ایک آیة باهره و حجة قاهره هے - اسي مسئلهٔ خلافت کو سامنے لاؤ ' اور دیکهو ' کس دقت نظر کے ساتهه محض ترتیب ابواب هي میں اسلام کا نظام شرعي واضح کردیا هے اور ساري مشکلات حل کردي هیں ؟ سب سے پهلي بات یه تهي که اسلام کا نظام مرکزیة اس بارے میں کیا هے ؟ تو پهلا باب " اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اولي الامر منکم " کا باندها ' اور " من اطاع امیري فقد اطاعني " الخ کي روایت درج کرکے بتلادیا که مرکز کتاب الله هے ' رسول هے ' اور پهر خلیفهٔ و امام هے - " اولوالامر " خلیفه کے سوا کوئي نهیں - اُسکي اطاعت (بشرطیکه کوئي خلاف شرع حکم نهو) مثل خدا و رسول کي اطاعت کے فرض هے - پهر باب باندها " الا مراء من قریش " اور اسمیں ابن جبیر والي روایت لائے " ما اقاموا الدین " جب تک قریش میں دین قائم رکهنے کي اهلیت رهیگي ' خلافت بهي اُنهي میں رهیگي - یعنی واضح کردیا که ایک خاص مدت تک قرشي خلافت کي پهلے سے خبر دیدي گئي هے ' مگر خلیفه کا قرشي هونا کوئي شرط اصلي و تشریعي نهیں - صرف پیشین گوئی هے اور " ما اقاموا الدین " کے ساتهه مشروط - اسکے بعد ایک نهایت هي اهم اور دقیق نکته کي طرف متوجه هوے اور باب باندها " أجـــر من قضی بالحکمـــة " افسوس اس باب کے ربط و ترتیب کي اصلي علت لـوگ نه سمجهے - منصب خـلافت کے اثبات کے بعد یه چیز سامنے آتي تهي که اعمال خلافت کي بنیاد کیا هے ؟ اور اسکا طریق کس منهاج سے ماخـــوذ هے ؟ امام صاحب واضح کرنا چاهتے هیں که بنیاد اُسکي طریق " حکمت " پر هے - یعني انبیاء کرام کے طریق تربیت امم پر جو " سنت " کا اصلي اور وسیع

نہیں آیا - یہ نظام تیس برس سے زیادہ قائم رہنے والا نہیں ' اسلیے شرع و ملت کي حفاظت کیلیے ضروري تھا کہ نظام اصلي پر زور دینے کے

[بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵]

مفہوم ھے ' اور جسکو قرآن حکیم اپني اصطلاح میں " حکمت " سے تعبیر کرتا ھے - ترجمۂ باب میں اسپر قرآن سے دلیل بھي لاے " و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون " حکم و قضا " ما انزل اللہ " کے مطابق ھونا چاھیے - اگر خلاف ھو تو فسق ھے - " ما انزل اللہ " کتاب و سنۃ ھے : " یعلمھم الکتاب والحکمۃ " پس ثابت ھوا کہ اعمال خلافت کي بنیاد حکمت و منہاج نبوۃ پر ھوني چاھیے - اس بارے میں جو زیادہ واضح و مفصل احادیث تھیں ' وہ چونکہ اُنکي شروط کے مطابق نہیں لي جا سکتي تھیں ' اور بنیاد استدلال کي صرف مرفوع ھي پر رکھتے ھیں ' اسلیے آثار و موقوفات بھي نہیں لے سکتے تھے ' پس مشہور حدیث " لا حسد الا في اثنتین " الخ درج کرکے قضاء بالحکمۃ کي اھمیت و مطلوبیت واضح کردي - جب یہ مقدمات طے ھوچکے ' تو اب دکھلانا تھا کہ اس مرکز کي اطاعت کس طرح اُمت پر فرض کردي گئي ھے ؟ پس باب باندھا " السمع و الطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ " اُمت کا سننا اور اطاعت کرنا امام کے حقوق میں سے ھے - بجز اُس حکم کے کہ معصیت ھو - اسمیں وہ تمام حدیثیں لاے ھیں جنمیں صریح حکم موجود ھے کہ خلیفہ اھل ھو یا نا اھل ' جامع الشروط ھو یا فاقد الشروط ' عادل ھو یا جابر ' مکروھات کا حکم دے یا محبوبات کا ' جب تک وہ مسلمان ھے ' نماز قائم رکھتا ھے ' اُسکي اطاعت کرني چاھیے - کسي مسلمان کیلیے اُسکي اطاعت سے باھر ھونا جائز نہیں - اسکے بعد بالترتیب تین باب آتے ھیں - " من لم یسأل الامارۃ اعانہ اللہ " دوسرا " من سأل الامارۃ و کل الیھا " تیسرا " ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ " حاصل ان تینوں عنوانوں کا یہ ھے کہ جہاں شارع نے اُمت کو خلیفۂ و امام کي ضروري صفتیں اور شرطیں بتلا دي ھیں ' وھاں اِس سے بھي روکدیا ھے کہ کوئي شخص خود امامت و سرداري کا خواھاں ھو اور اسکے لیے مقابلہ کرے - حتی کہ عبد الرحمن بن سمرہ سے کہا " جو اھل اور احق ھو ' اُسي کا ساتھہ دو - خود اپنے لیے خواھاں نہ ھو - اگرچہ اسکے لیے قسم بھي توڑني اور کفارہ بھي دینا پڑے " پس ان تمام ابواب کي یکے بعد دیگرے ترتیب سے واضح ھوگیا کہ اس بارے میں نظام شرعي کي اصلي ترتیب یہ ھے :

ساتھہ اُن وقتوں کیلیے بھي صاف صاف احکام دیدیے جائیں ' جب انتخاب و نصب خلافت کے بارے میں شریعت کا ٹھہرایا ہوا طریقہ باقي نہ رہے ' اور جمہوري حکومت کي جگہ شخصي و استبدادي طریقہ قائم ہو جاے -

ظاہر ہے کہ اس صورت میں دو ہي راہیں سامنے آتي تھیں - اگر ایسے لوگونکي خلافت تسلیم کرلي جاے تو اس سے اُمت کي جمعیۃ ' جان و مال کا امن ' ممالک اسلامیہ کي حفاظت ' احکام شرع کا اجراء ' جماعت کا قیام و بقا ' اور اسیطرح کے بے شمار مصالح و فوائد حاصل ہو جاتے ہیں ' کیونکہ بلا کسي

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵)

(الف) اُمت کیلیے حسب نص " و اولی الامر منکم " مرکز اجتماع و جماعت خلیفہ کا وجود ہے - اسکي اطاعت فرض ہے -

(ب) خبر دیدي گئي تھي کہ جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رہیگي ' خلافت پر قابض رہینگے - چنانچہ ایسا ہي ہوا -

(ج) بنیاد معاملۂ خلافت کي " حکمت " پر ہے - وہ حکمت کہ و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ - یہ نیابت نبوت ہے ' اور اعمال و سنۃ نبوت ہي کا نام قرآن کی اصطلاح میں " حکمت " ہے - پس ضرور ہے کہ خلیفہ کے تمام کاموں کي بنیاد سنۃ پر ہو - بدعۃ و احداث پر نہ ہو - یہي معني خلافۃ علی منہاج النبوۃ ہیں -

(د) جب خلافت منعقد ہوگئي تو تمام امت پر اسکي اطاعت فرض ہے - في ما احب و یکرہ ' ما لم یؤمر بمعصیۃ -

(ہ) امت کو چاہیے کہ احق و اہل کو منتخب کرے - لیکن مستحق کو نہ چاہیے کہ خود خلافت کي خواہش کرے - جس نے ایسا کیا ' اللہ کے حضور شرمندگي پائیگا - نتیجہ یہ نکلا کہ جب لوگ خود خواہش نہ کرینگے ' اور حق انتخاب جمہور کو ہے ' تو کسي طرح بھي کشمکش نہوگي - نہ بہت سے دعویداروں میں باہم جھگڑا ہوگا - امن و سکون کے ساتھہ یہ معاملہ انجام پا جائیگا -

یہ تھا صحیح نظام شرعي ' جسکے علم و فہم کیلیے صرف صحیح بخاري ہي کافي ہے ' اور اسلام کي کونسي حقیقت ہے جسکے لیے صحیح بخاري کافي نہیں ؟ لیکن افسوس کہ نظام شرعي قائم نہ رہا - مجلس شوری کي جگہ میدان جنگ میں خلافت کا فیصلہ ہوا ' اور محض تسلط و جبر سے دعویدار قابض ہونے لگے - چنانچہ پہلے ہي سے اسکي خبر دیدي گئي تھي -

نزاع کے اسلامي حکومت قائم هو جاتي هے اور مزید جنگ و جدال اور کشت و خون کا سدباب هو جاتا هے- مگر ساتھه هي غیر مستحق کي خلافت اور غیر نظام شرعي کے قائم هو جانے سے بہت سي خرابیاں بھي پیدا هو جاتي هیں -

لیکن اگر خلافت تسلیم نه کی جاے ' اُن پر خروج کرنے کی اجازت دیدي جاے ' اور اطاعت امت کا مستحق صرف اهل اور جامع الشروط خلیفه هی کو قرار دیا جاے ' تو پھر دائمی کشت و خون ' جنگ و قتال ' دعووں میں تصادم ' قوتوں میں تزاحم ' همیشگی کی بد امنی ' کبھی ختم نه هونے والی طوائف الملوکی اور انارکی ' امت کی تباهی ' ملکوں کی خرابی ' نظام جماعت کا اختلال ' احکام شرع کی تعطیل ' مسلمانوں کے جان و مال کي بد امني ' اندروني خانه جنگي کي وجه سے دشمنوں کا حملۂ و تسلط ' اور اسی طرح کی بے شمار هلاکتوں اور بربادیوں کا همیشه کیلیے دروازه کھل جاتا هے - مگر ساتھه هی اسکی امید بھی کي جاسکتي هے که شاید ان بربادیوں کے بعد اصلی نظام خلافت قائم هو جاے اور نا اهلوں کی جگه کسی اهل اور جامع الشروط کو خلافت دلائی جاسکے -

پهلي صورت میں مصلحت کا بقاؤ حصول ' مگر خرابیوں کا امکان تھا -

دوسري صورت میں خرابیوں کا وقوع ' مگر مصالح کا امکان تھا -

اسلام نے پهلي صورت اختیار کي ' اور پوري قوت و اصرار کے ساتھه دوسري راه مسدود کردي - یعني مصالح کے امکان پر اُنکے وقوع کو ترجیح دي -

کیا دنیا میں ایک عقل صحیح بھي ایسي ملسکتي هے جو شریعت کے اس فیصله کو غلط بتلاے ؟ الله کي شریعت کا اصل اصول جلب مصالح اور دفع مفاسد هے - یعنے همیشه فوائد حاصل کرنا اور مفاسد کو دور کرنا - اور جب مصالح کے ساتھه مفاسد بھي جمع هو جائیں ' تو جس راه میں مصالح زیاده هوں اور خرابیاں کم ' اُسیکو اختیار کرنا - تمام احکام کا محور یهي اصل هے - پس اگر پهلي راه اختیار کي جاتي اور خلیفه کي اطاعت کیلیے خلیفه کا جامع الشروط اور بطریق صحیح منتخب هونا شرط قرار دیدیا جاتا ' تو اسکا کیا نتیجه نکلتا ؟ نصب و انتخاب کیلیے نظام شرعی درهم برهم هوچکا تھا - هر دماغ میں حرص و دعوا ' اور هر هاتھه میں تلوار تھي - یهي نتیجه نکلتا که ایک عام طوائف الملوکی اور انارکي پھیل جاتي - هر شخص یه کهکر که خلیفه اهل و مستحق نهیں هے ' بغاوت کیلیے اُٹھه کھڑا هوتا - تمام امت

میں خون اور موت کی وبا پھیل جاتی - شہروں کا کوئی محافظ نہ رہتا - آبادیوں کا کوئی حـــاکم نہ ہوتا - نہ مجرموں کو کوئی سزا دینے والا ' نہ ڈاکوؤں سے کوئی بچانے والا - زکواۃ کس کو دی جاتی ؟ جمعہ کون قائم رکھتا ؟ سرحدوں کی کون حفاظت کرتا ؟ تمام عالم اسلامی ایک دائمی خانہ جنگی و بد امنی میں مبتلا ہوجاتا - امن و نظم ہمیشہ کے لیے رخصت ہوجاتا - دشمنان اسلام ہرطرف سے اُمنڈ آتے - اُنکو روکنے کے لیے کوئی طاقت موجود نہ ہوتی - پس اگرچہ ایک نا اہل مسلمان کا خلیفہ ہوجانا برائی ہے ' لیکن اس سے بھی بڑھکر برائی یہ ہے کہ تمام ملک برباد ہوجاے - اسلام نے ملک و شرع کی حفاظت کو مقدم رکھا جو کلی مصلحت کا حکم رکھتی ہے ' اور نا اہل و فاقد الشروط کا تسلط گوارا کرلیا جس کا فساد جزئی فساد ہے -

فصل

(نصوص سنۃ و اجماع امت)

سب سے پہلے احادیث پر نظر ڈالنی چاہیے - اگر داعی اسـلام (صلی اللہ علیہ و سلم) کی نبوت کی صداقت کی اور کوئی دلیل نہ ہوتی ' تو صرف یہی ایک بات بس کرتی تھی کہ آنے والے واقعات کی تمام تفصیـــلات کس طرح اول روز ہی بتلادی گئیں ؟ اور ایک ایک جزئی حالت کا کیسا کامل نقشہ صدیوں پہلے کھینچ دیا گیا ؟ یہ معاملہ اسقدر یقینی اور ہرطرح کے شک و شبہ سے ما ورا ہے ' کہ اگر دنیا اس پر یقین لانے کیلیے طیار نہیں ' تو دنیا کے پاس ماضی کی جسقدر معلومات موجود ہیں اُن میں سے کوئی بات بھی یقینی نہیں ہوسکتی - نہ تو اس دنیا میں سکندر نامی کوئی پادشاہ گزرا ' نہ روما نامی کوئی سلطنت قائم ہوئی ' نہ ہم بیسویں صدی کے انسان اسکے لیے مجبور ہیں کہ نپولین کا وجود اور واٹرلو کی جنگ کا وقوع تسلیم کرلیں !

بہر حال احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ہونے والے واقعات پیشتر سے معلوم تھے - ہر حالت اور ہر وقت کیلیے صاف صاف حکم دیدیا گیا تھا - احادیث کے اس حصہ کا نہایت دقت نظر کے ساتھہ مطالعہ کرنا چاہیے - ہر دور کی خاص حالت ہے اور اسلیے اسی کے مطابق خاص حکم ہے -

سب سے پہلے وہ حدیثیں سامنے آتي ھیں جن میں خلافۃ خاصۃ و راشدہ کا ذکر کیا گیا ھے' اور چونکہ یہ خلافۃ ٹھیک ٹھیک طریق نبوۃ و سنۃ پر قائم ھونے والي تھي' اسلیے امت کو وصیۃ کي ھے کہ نہ صرف اُنکي اطاعت کي جاے بلکہ اُنکے تمام اجماعي باتوں اور کاموں کو مثل اعمال نبوۃ کے " سنۃ " سمجھا جاے اور اُسکي پوري طرح پیروي و تأسي کي جاے -

چنانچہ مشہور حدیث عرباض بن ساریہ " قام فینا رسول اللہ صلعم ذات یوم ' فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ' وجلت منھا القلوب و ذرفت منھا العیون' فقیل یارسول اللہ ! وعظتنا موعظۃ مودع فاعھد الینا بعھد - فقال علیکم بتقوی اللہ' و السمع و الطاعہ و ان کان عبداً حبشیا ' و سترون من بعدي اختلافاً شدیدا ' فعلیکم بسنتي و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین - عضوا علیھا بالنواجذ " (ابن ماجہ و ترمذی) اور حدیث " خیر القرون قرني ' ثم یلونھم " الخ اور " اما طبقتي و طبقۃ اصحابي فاھل علم و ایمان " الخ رواہ البغوي عن انس و امثالھا ' اسي قسم میں داخل ھیں -

خلاصہ انکا یہ ھے کہ آنحضرۃ (صلعم) نے خطبہ دیا اور فرمایا - میں تم کو وصیت کرتا ھوں کہ اللہ سے ڈرو ' اپنے امام کا حکم سنو اور مانو اگرچہ وہ ایک حبشي غلام ھو - اور دیکھو ! میرے بعد بڑے سخت اختلافات پڑنے والے ھیں ' پس چاھیے کہ فتنوں سے بچو اور ھمیشہ میري سنت اور میرے بعد کے جانشینوں کي سنت پر کاربند رھو ' اور اسکو اسطرح مضبوطي سے پکڑ لو جیسے کوئي شخص دانتوں سے کوئي چیز پکڑ لیتا ھے - اور فرمایا : بہتر زمانہ میرا ھے ' پھر وہ جو میرے بعد کا ھے - اور فرمایا : میرا اور میرے یاروں کا طبقہ علم اور ایمان کا طبقہ ھے - اسي طرح حضرت ابن مسعود کي حدیث " ما من نبي بعثہ اللہ في امتہ قبلی ' الا کان لہ حواریون و اصحاب ' یاخذون بسنتہ و یقتدون بامرہ " الخ (مسلم) میں بھي اسي عہد خلافت کا ذکر کیا گیا ھے -

غرضکہ اس پہلے دور کیلیے دو حکم دیے گئے - ایک اطاعت کا ' دوسرا اقتداء اور پیروي کا -

لیکن اسکے بعد وہ حدیثیں سامنے آتي ھیں جن میں خلافت کے دوسرے دور کا ذکر کیا گیا ھے - اس دور میں پہلا حکم تو بدستور باقي رھا ' لیکن دوسرا حکم بالکل بدل گیا - یعنے اس دور کے خلفاء و سلاطین کی اطاعت کي

تو ویسي هي وصیت کي جاتي هے ' جیسے پہلے دور کیلیے کي گئي هے ' لیکن اُنکے کاموں کي پیروي اور اقتداء کا حکم نہیں دیا جاتا ' بلکہ بتدریج ترک اقتداء و مخالفت کا حکم دیا جاتا هے - اس سے صاف واضح هو جاتا هے کہ اس دور میں جو لوگ خلافت پر قابض و متسلط هونگے ' اُنکي خلافۃ شریعت کے مطلوبہ نظام پر نہ هوگي - نہ اُنکا چلن قرآن و سنت کے مطابق هوگا - اُن میں اچھے بھي هونگے - اور برے بھي - اسلیے امت کو اب صرف اطاعت کا اور اُنکي خلافت کے آگے سر جھکا دینے کا حکم دیا جاتا هے - اُنکے طور طریقوں کي پیروي کرنے اور اُنکے کاموں کو شرعي کام سمجھہ لینے کا حکم نہیں دیا جاتا - بلکہ اس بات کی بھي وصیت کي جاتي هے کہ جب وہ لوگ برائیاں پھیلائیں ' تو جس کي طاقت جہاں تک کام دے ' برائیوں کے روکنے کي پوري کوشش کرے - هاتھہ سے کام لے - زبان کو حرکت میں لاے - یہ دونوں درجے نصیب نہ هوں تو کم از کم دل هي دل میں برائي کو برا سمجھے - " و ذلک اضعف الایمان " - لیکن برے کاموں کو اُنکي حکومت کے دباؤ سے اچھا نہ سمجھہ لے اور نہ اُن کا ساتھہ دے - " و لیس و راء ذلک من الایمان حبۃ خردل " (١)

عن عبادہ بن الصامت - قال " بایعنا رسول اللہ صلعم علی السمع والطاعہ في منشطنا و مکرھنا و عسرنا و یسرنا و اثرۃ علینا ' و ان لا ننازع الامر اھلہ ' الا ان تروا کفرا بواحا عندکم فیہ من اللہ برھان " متفق علیہ - عبادہ بن الصامت کہتے هیں - هم سے رسول اللہ (صلعم) نے اس بات پر بیعت لي

---

(١) احادیث کا یہ حصہ نہایت اهم اور غور طلب هے - مختلف حدیثوں میں مختلف دوروں اور لوگوں کا ذکر هے ' اسلیے احکام بھي مختلف هوے - اس نکتہ پر جسکي نظر نہ گئي وہ احکام و علائم کو مختلف و متضاد دیکھکر یا تو حیران رهگیا - یا سخت غلطیوں سے دوچار هوا - عہد نبوۃ سے لیکر آخر تک مختلف دور آنے والے تھے - هر دور کے خصائص و حالات دوسرے سے مختلف تھے - پس اُنکے احکام میں بھي اختلاف ضروري تھا پوري دقۃ نظر کے ساتھہ احادیث کا مطالعہ کرنا چاهیے - پہلے اُنکے باهمي مشترکات و مختلفات کو الگ الگ کردینا چاهیے - پھر هر حدیث اور هر حکم کو اُسکي صحیح جگہ دیني چاهیے - ایسا نہ کرنے سے لوگوں کو بڑي بڑي غلط فہمیاں هوي هیں -

کہ ہر حال اور ہر طرح کي زندگي میں امام کي اطاعت کرینگے - حکومت و سرداري کو اسکے کرنے والوں پر چھوڑ دینگے ' اور کبھي اس بارے میں کوئي

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲)

بہتوں کو یہ لغزش ہوئي کہ " اطاعت " اور " اقتـــدا " کا فرق نہ سمجھے - جن حدیثوں میں " اقتدا " کي ممانعت بلکہ خلاف کرنے کا حکم پایا ' اُنکو منع اطـــاعت اور جواز خروج پر معمول کرلیا - خوارج اور معتزلہ کے ایک گروہ کو یہي دھوکا ہوا - ایک دوسري جماعت نے یہ غلطي کي کہ حکم اطاعت کو عام مطلق سمجھہ لیا ' اور منع اقتداء و تأسي اور وجوب امر بالمعروف نے جو تخصیص کردي تھي ' وہ اُنکي سمجھہ میں نہ آئي - یعني اس دھوکے میں پڑگئے کہ جب امراء و حکام کي اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ' خواہ اُنکے اعمال کیسے ہي خراب ہوں ' تو پھر چاہیے کہ نہ کسي برائي پر ٹوکیں ' نہ منکرات کے خلاف جد و جہد کریں - ہر حال میں چپ چاپ بیٹھکر اطـــاعت کرتے رہیں - یہ جو صدیوں سے علمـــاء و مشائخ نے اصحاب اقتدار کے خلاف امر بالمعروف یکقلم ترک کردیا ہے ' تو نفس خادع اُنکو بھي یہي دھوکا دے رہا ہے - بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ اطاعت نہ کرنے میں فتنہ ہے - ان لوگوں نے چونکہ " اطاعت " اور " اقتدا " کا فرق نہیں سمجھا ' اور دیکھا کہ پادشاہوں اور امیروں کو برائي پر ٹوکنے اور اُنکے خلاف حق کے اعلان میں بڑي بڑي مصیبتیں جھیلني پڑتي ہیں ' اسلیے اس دھوکے میں پڑگئے کہ یہي مصائب فتنہ ہیں - پس اس فتنہ سے بچنا چاہیے - نتیجہ یہ نکلا کہ حق و باطل میں کوئي تمیز باقي نہ رہي - تمام زبانیں گونگي اور تمام دل مردہ ہوکر رہگئے -

حالانکہ دونوں جماعتوں نے ٹھوکر کھائي - دونوں نے حدیثوں کا صحیح مورد اور محل نہ سمجھا -

ایک صورت یہ ہے کہ مسلمان کسي کو اپنا قومي پادشاہ مان لیں ' اور ایک پادشاہ کي جیسي فرماں برداري رعایا کو کرني چاہیے ' ٹھیک ٹھیک ویسي ہي فرماں برداري بجالائیں - کوئي بات ایسي نہ کریں جس سے ثابت ہو کہ اُسے اپنا حاکم نہیں سمجھتے - اسکا نام " اطاعت " ہے -

دوسري صورت یہ ہے کہ کسي انسان کو اپنے دیني و اخلاقي اعتقاد و عمل میں پیشوا مان لینا ' اور راستي و ہدایت کے اعتبار سے اُسکي

جھگڑا نہیں کرینگے- الا یہ کہ بالکل کھلا کھلا کفر امام سے ظاہر ہو- اور ایسی بات میں جسکےلیے اللہ کی کتاب میں حکم و دلیل موجود ہے- سو اُسوقت کسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲)

زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنالینا ' اور اُسکے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرنا - اسکا نام " اقتدا " اور " تأسی " ہے -

دونوں صورتیں الگ الگ ہیں - بلا شبہہ " اطاعت " ایک عام حالت ہے اور اس میں " اقتداء " کی حالت بھی داخل ہے ' لیکن " اقتداء " اطاعت سے زیادہ خاص ہے ' اور ضروری نہیں کہ ہر اطاعت اقتداء بھی ہو- احادیث میں خلفاء راشدین کی نسبت امت کو " اطاعت " اور " اقتداء " دونوں کا حکم دیا گیا ' لیکن بعد کے خلفاء و سلاطین کو صرف " اطاعت " کا مستحق بتلایا - " اقتداء " کا نہیں - کیونکہ معلوم تھا کہ اُنکے کام اچھے نہ ہونگے - شریعت و عدالت سے منحرف ہو جائینگے - اور چونکہ نظام جماعت کے قیام کے ساتھہ احکام کتاب و سنت اور عدل و صداقت کی حفاظت کا انتظام بھی ضروری تھا ' اسلیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ہر حال میں باقی رہا - یعنی حکم دیا گیا کہ ایسے وقتوں میں سلطان اسلام کو اپنا امام مانکر پوری پوری اطاعت کرو ' لیکن پادشاہ کی اطاعت کے یہ معنی نہیں کہ سفید کو سیاہ ' اور دن کو رات مان لو- حق حق ہے - باطل باطل - برائی جب دیکھو ' ٹوکو- ظلم جب کیا جاے ' روکو- اس کام میں ایک پادشاہ اور ایک مزدور ' دونوں برابر ہیں - " لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق " قاعدۂ کلیہ ہے ' اور و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر حکم عام و مطلق - کسی مخلوق کی ایسی اطاعت نہیں کی جا سکتی جس میں خالق کے حکم سے نافرمانی کرنی پڑے -

اور یہ جو جابجا کہا گیا کہ اطاعت نہ کرنے میں فتنہ ہے - تو یاد رہے کہ " اطاعت " نہ کرنے میں فتنہ ہے - نہ کہ " اقتداء " نہ کرنے میں ' اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں - یعنی خلیفۂ اسلام سے بغاوت نہ کرو- اسمیں جمعیت امت کیلیے بڑا ہی فتنہ ہے - یہ مطلب نہیں کہ برائی کی مخالفت اور حق کے اعلان میں فتنہ ہے - حق کا اعلان تو ہمیشہ اور ہر حال میں دنیا کیلیے نظم و امن ہے - وہ کبھی فتنہ نہیں ہوسکتا - اگر حق کی پکار فتنہ ہو جاے تو پھر نظام ہستی کس بنیاد پر قائم رہے ؟ و لو اتبع الحق اھوائھم لفسدت السمارات و الارض و من فیھن ! (۲۳ : ۷۴)

کي اطاعت بهي اللـــه کي اطاعت سے نه روک سکيگي - يعني جب تک امام سے صريح کفر نه سرزد هو' هرحال ميں اُسکي اطاعت واجب هے -

" خيار ائمـــتکم الذين تحبونهم و يحبونکم ' و تصلون عليهم و يصـلون عليکم ' و شرار ائمتکم الذين تبغضونهم و يبغضونکم ' و تلعنونهم و يلعنونکم" قال قلنا أفلا ننا بذ هم عند ذلک ؟ قال " لا ' ما أقاموا فيکم الصلوة ' الا من ولي عليه وال فراه شيئاً من معصية الله فـليکره ما يأتي من معصية اللـه ' و لا ينزعن يداً من طاعة " رواه احمد و مسلم -

و عن حذيفة أنه (صلعم) قال " يکون بعدي أئمة لا يهتـــدون بهدي و لا يستنون بسنتي ' و سيقوم فيکم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان انس" - قال قلت "کيف اصنع يا رسول الله ان أدرکت ذلک" ؟ قال " تسمع و تطيع و ان ضرب ظهرک و اخذ مالک فاسمع و اطع " رواه مسلم و احمد -

يعني فرمايا : تمهارے بهتر حا کم وہ هيں که اُنکي محبت تمهارے دلوں ميں هو اور تمهاري انکے دلوں ميں - تمهاري زبانوں سے انکے ليے رحمت کي دعا نکلے اور اُنکي زبانوں سے تمهارے ليے - اور بدترين حـا کم وہ هيں که تمهارے دلوں ميں اُنکي دشمني هو' اور وہ تمهيں دشمن سمجهتے هوں - تم اُن پر لعنت بهيجو - وہ تم پر - صحابه نے عرض کيا - يا رسول الله ! کيا ايسے حاکموں سے هم نه جهگڑيں ؟ فرمايا نهيں - جب تک وہ تم ميں نماز قائم رکهيں - اُنکي اطاعت هي کرو - هاں جو بات گناه کي ديکهو اُسے پسند نکرو مگر امام کي طاعت سے هاتهه نه کهينچو - نيز فرمايا - ميرے بعد ايسے امام هونگے جو ميرا طور طريق چهوڑ ديںگے - ميري سنة پر نهيں چلينگے - عنقريب تم پر ايسے لوگ حکمراں هونگے که اُنکا جسم تو انسانوں کا هوگا مگر دل شيطان کا سا - راوي نے پوچها - اگر همنے ايسا زمانه پايا تو کيا کريں ؟ فرمايا - سنو اور اطاعت کرو - اگر وہ تمهاري پيٹهه پر تازيانے لگائيں اور تمهارا مال چهين ليں ' جب بهي اُنکي سنو اور اطاعت کرو !

" ستکون بعدي اثرة و امور تنکرونها " قالوا - فما تأ مرنا ؟ قال " تؤدون الحق الذي عليکم ' و تسألون الله الذي لکم " متفق عليه عن ابن مسعود ' و اخرجه ايضاً الحرث بن وهب و أورده الحافظ في التلخيص ' و عن جابر بن عتيک مرفوعاً عند ابي داؤد بلفظ " سياتيکم رکب مبغضون ' فاذا اتوکم فرحبوا بهم و خلوا بينهم و بين ما يبتغون - فان عدلوا ' فلا نفسهم ' و ان ظلموا ' فعليهم"

و عن وائل بن حجر - قال سمعت رسول الله صلعم و رجل يساله - فقال - ارايت ان كان علينا امراء يمنعونا حقنا و يسألونا حقهم ؟ قال " اسمعوا و اطيعوا ' فانما عليهم ما حملوا ' و عليكم ما حملتم " (مسلم و الترمذي و صححه)

" علي المرء المسلم السمع و الطاعه فيما أحب و كره ' الا ان يومر بمعصية ' فان امر بمعصية فلا سمع و لا طاعة " (شيخان و غيرهما عن ابن عمر)

سب کا خلاصه وهي هے جو اوپر گزرچکا - آخري روايت ميں فرمايا - ايک مسلمان کا فرض هے که خواه گوارا هو يا ناگوار ' مگر امام کا کہا سنے اور مانے - هاں اگر وه ايسا حکم دے جسکي تعميل ميں گناه هو ' تو پهر اُس حکم ميں نه تو سننا هے اور نه ماننا -

بڑے سے بڑے مخلوق کي خاطر بهي خدا کا چهوٹا سے چهوٹا حکم نهيں ٹالا جا سکتا ' اور نه مخلوق کی خاطر خالق سے نافرماني کي جاسکتي هے - يه اسلام کا ' اور دراصل دنيا کي تمام سچي تعليموں اور سچے انسانوں کا عالمگير قاعدۂ کليه هے -

اور يهي وجه هے که صدقات و زکواة و غيره ماليات کي ادائيگي کی نسبت حکم ديا گيا که اگرچه وصول کرنے والے حکام ظالم و جابر هوں ' يا بيت المال کا روپيه ناجائز طور پر خرچ کر رهے هوں ' ليکن اگر امام کي طرف سے مامور هيں تو اُنکي اطاعت هی کرنی چاهيے - جس شخص نے زکواة ايسے عامل کو ديدي ' اُسکی زکواة ادا هوگئی - بلاشبه قوم کو کوشش کرنی چاهيے که ايسے عامل معزول کيے جائيں - ليکن جب تک معزول نهوں ' نظام شريعت و حکومت کے قيام کيليے ضروري هے که اُنکے احکام کي تعميل کي جاے - بشير بن خصاصه کي روايت ميں هے که لوگوں نے کہا " ان قوماً من اصحاب الصدقة يعتدون علينا " عمال صدقه لينے ميں هم پر ظلم کرتے هيں - کيا حق سے زياده نه دينے ميں اُنکا مقابله کريں ؟ فرمايا نهيں - (ابوداؤد) سعد بن وقاص کي روايت ميں فرمايا " ادفعوا اليهم ما صلوا " ابن ابی شيبه ميں حضرة ابن عمر کی نسبت هے که کسی نے کہا - زکواة کسے ديں ؟ کہا وقت کے حاکموں کو - سائل نے کہا " اذا يتخذون بها ثيابا و طيباً " وه تو زکواة کا روپيه اپنے کپڑوں اور زينت ميں خرچ کرڈالتے هيں - فرمايا " و ان " اگرچه ايسا کرتے هوں مگر زکواة اُنهي کو دو -

اسی بنا پر محدثین نے باب باندھا ھے " برآة رب المال بالدفع الی السلطان مع العدل و الجور " کما في المنتقی - یعنی صاحب مال نے جب اپني زکواة عمال کے حوالے کردي تو وہ شرعاً بري الذمہ ھوگیا اگرچہ وہ ظالم و جابر ھوں - اور اسي لیے جمہور فقہا کا بھي یہي مذھب قرار پایا کہ اگر حکام جور کو زکواة دیدي گئي تو ادا ھوگئي - آئمۂ اھل بیت و عترة نے بھي قولاً و فعلاً اس سے اتفاق کیا جیسا کہ حضرة امام باقر (علیہ و علی آبائہ السلام) سے اصول میں منقول ھے - اور اسي لیے محققین امامیہ و فقہاء زیدیہ بھی اس فیصلہ میں جمہور کے ساتھہ ھیں -

فصل

(اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا اخرھما)

اگر ایک خلیفہ کي حکومت جم چکي ھے اور قائم ھے اور دوسرا مدعي کھڑا ھو ' تو اُسکا حکم یہ ھے کہ وہ باغي ھے - فرمایا اُسے قتل کردو - اُسکي زندگي تمام اُمت کے نظم و امن کیلیے فتنہ ھے - وہ امت میں پھوٹ ڈالنا اور جمے ھوے انتظام کو درھم برھم کردینا چاھتا ھے - والفتنة اشد من القتل -

عن عرفجة الاشجعي - قال : سمعت صلعم یقول " من أتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد ' یرید ان یشق عصاکم أو یفرق جماعتکم ' فاقتلوہ " (احمد و مسلم)

اسي لیے جمہور اھل اسلام نے اتفاق کیا کہ خلیفہ خواہ اھل ھو یا نا اھل ' لیکن اگر اسکي حکومت قائم ھے تو جو اُس پر خروج کرے ' اُسکا حکم باغي کا ھوگا اگرچہ کتنا ھي افضل اور جامع الشروط ھو - اُس سے لڑنا اور اُسکي جماعت کو قتل کرنا جائز ھے - بشرطیکہ تبلیغ و دعوة اور دفع شکوک کے بعد بھي باز نہ آے - ایک گروہ علماء نے کہا کہ نہ صرف جائز ھے بلکہ بحکم

فقاتلوا التي تبغي (٤٩ : ٩) واجب ھے - " و قد حکي في البحر عن العترة جمیعاً ان جھادھم افضل من جھاد الکفار الی دیارھم ' اذ فعلھم في دالار الاسلام کفعل الفاحشة في المسجد " (نیل الاوطار - جلد ٧ صفحہ ٨٠) یعني تمام آئمۂ اھل بیت و عترة سے منقول ھے کہ ایسے باغیوں سے جہاد کرنا کفار پر حملہ کرنے سے بھي افضل ھے -

مصلحت و حکمت اس حکم کي ظاهر هے - اگر اول روز هي سے دعووں اور خروج کا دروازہ بند نہ کردیا جاتا ' تو کوئي بہتر سے بہتر اسلامي حکومت بھي خروج و شورش سے محفوظ نہ رهسکتي - ایک جامع الشـــروط خلیفہ کي موجودگي میں بھي صدها دعویدار اُٹھہ کھڑے هوتے اور کہتے کہ جمع شرائط و اهلیت میں هم زیادہ احق و افضل هیں - اوصاف و فضائل کا قطعي فیصلہ کرنا نہایت مشکل هے ' اور نہ افضل و مفضول کے امتیاز کیلیے کوئي قطعي معیار هوسکتا هے- نتیجہ یہ نکلتا کہ همیشہ کشت و خون کا بازار گرم رهتا اور امت کا نظام جمعیت کبھي نہ سدهرتا - پس ناگزیر تھا کہ خلافت قائمہ کي موجودگي میں هر طرح کے دعوے کو بغاوت و جرم قرار دیدیا جاے ' اور اسکے لیے ایسي سزا تجویز کي جاے جو سخت سے سخت سزا هوسکتي هے - یعنے قتل - ایک انسان کو قتل کردینا بہتر هے - بمقابلۂ اسکے کہ هزاروں انسان قتل هوں - یہي وجہ هے کہ حدیث میں حکم کي علت کي طرف واضح اشارہ کردیا گیا کہ " یرید ان یشق عصا کم "

یہ مضمون مختلف الفاظ و اسناد سے صحاح میں مروي هے - هم نے صرف ایک روایت پر اختصاراً اکتفا کیا -

فصل

(اجماع امت و جمهور فقهاء و اعلام)

امراء بنو اُمیہ کي حکومت جبر و استبداد کے ساتھہ قائم هوئی اور اُسوقت ایک جم غفیر صحابۂ کرام و ائمۂ اهل بیت نبوۃ کا موجود تھا - عہد عباسیہ کي پوري پانچ صدیاں گذر گئیں ' اور یہي زمانہ تمام علوم شرعیہ کي تدوین و ترتیب کا هے - تمام آئمۂ و اعلام اور فقهاء مذاهب اسي عہد میں پیدا هوے اور عقائد و مسائل نے آخري ترتیب و تنظیم پائي - لیکن ان تمام عہدوں میں سب کا اتفاق اسي اعتقاد و عمل پر رها - عقائد ضروریہ اور ارکان اربعہ کے بعد شاید هي کسي اسلامي اعتقاد پر اس درجہ محکم و یقینی اجماع و تعامل امت ثابت کیا جاسکے -

صحابۂ کرام و ائمۂ تابعین کا حال معلوم هے - مروان مدینہ کا گورنر تھا اور حضرت ابو هریرہ مسجد نبوي میں مؤذن تھے - مروان کي عبادت سے بد ذوقي کا یہ حال تھا کہ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا اور مقتدیوں

کو شرکت کا موقعہ دینا بھی اسکی جلد بازی پر نہایت شاق گزرتا تھا - سورۃ فاتحہ ختم کرتے ھی بلا سکتہ کے قرأت شروع کردیتا حالانکہ احادیث میں آمین کہنے کی نہایت درجہ فضیلت وارد ھے " فمن وافق تامینہ تامین الملائکہ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ " (بخاری) ابو ھریرہ اس سے وعدہ لے لیتے " لا تفتنی بآمین " قرأت میں ایسی جلدی نہ مچائیں کہ میری آمین ضائع جاے ' لیکن نماز اُسی کے پیچھے پڑھتے اور اُسکی اطاعت سے انکار نہ کرتے - (بخاری)

لوگ اُنکی یاوہ گوئی سننا پسند نہیں کرتے تھے - اسلیے اکثر ایسا ھوتا کہ عید کے دن نماز کے بعد ھی مجمع منتشر ھو جاتا - خطبہ کا لوگ انتظار نہ کرتے - یہ حال دیکھکر مروان نے ایک مرتبہ چاھا - عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ دیدے تا کہ نماز کے انتظار کی وجہ سے لوگوں کو مجبوراً خطبہ سننا پڑے - حالانکہ یہ صریح سنت کے خلاف تھا - سنۃ ثابتۃ خطبۂ عید کے بارے میں یہی ھے کہ نماز پہلے ادا کی جاے - پھر خطبہ دیا جاے - صحیح مسلم کی روایت میں ھے کہ اسپر فوراً ایک شخص نے ٹوکا اور حضرت ابو سعید خدری نے " من رای منکم منکراً فلیغیرہ " الخ - والی روایت بیان کی -

ایسی بے شمار باتیں کی جاتی تھیں - صحابۂ کرام نہایت بے باکی سے امر بالمعروف کا فرض ادا کرتے اور ھمیشہ ٹوکتے - لیکن خلیفہ اُنھی کو مانتے اور اطاعت اُنھی کی کرتے - کسی صحابی نے بھی اطاعت سے پہلے اسکی جستجو نہ کی کہ خلیفہ میں ساری شرطیں خلافت کی پائی جاتی ھیں یا نہیں ؟ اگر اسکی جستجو کرتے تو سب سے پہلی شرط یعنی بطریق انتخاب شرعی و شوری منتخب ھونا ھی مفقود تھا - باقی شرطیں تو سب اسکے بعد کے دیکھنے اور جانچنے کی ھیں -

حضرۃ سید التابعین سعید بن المسیب کہا کرتے - بنی مروان انسانوں کو بھوکا مارتے ھیں اور رکتوں کو کھلاتے ھیں (۱) اور پھر اُنکے ھاتھوں ھر طرح کے مظالم و شدائد بھی سہتے ' مگر ساتھ ھی بہ حیثیت سلطان اسلام کے اطاعت بھی اُنھی کی کرتے -

مامون و معتصم کے عہد میں بدعت اعتزال اور قول بخلق قران کی وجہ سے ایک فتنۂ عظیم برپا ھوا - علماء سنۃ پر جو جو مظالم و شدائد ھوے '

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ امام ذھبی - ۱ : ۴۷ -

معلوم ھیں - حضرۃ امام احمد بن حنبل نے اسي کوڑوں کي ضرب اور برسوں تک قید خانے میں رھنا گوارا کرلیا ' اور مامون و معتصم کي دعوۃ بدعت کي پیروي نہ کي - لیکن اطاعت کا مستحق اُنھي کو سمجھا ' اور اپنے نامۂ وصیۃ میں لکھا تو یہي لکھا " و الـــدعاء لائمۃ المسلمین بالصلاح ' و لا تخرج علیھم بالسیف ' و لا تقاتل ھم في الفتنہ " کذا نقل عنہ ابن الجوزي في سیرتہ -

حافظ عسقلاني نے ابن التین کا ایک قول نقل کیا ھے " قد اجمعوا انہ (ای الخلیفہ) اذا دعی الی کفر أو بدعۃ ' انہ یقام علیہ " یعني علما نے اسپر اجماع کیا کہ اگر خلیفہ کفر اور بدعت کي طرف بلاے تو اسپر خروج کرنا چاھیے - پھر اس قول کي نسبت لکھتے ھیں " ما ادعاہ من الا جماع علی القیام في ما اذا دعا الی البدعۃ ' مردود ' الا اذا حمل علی بدعۃ تؤدي الی صریح الکفر ' و الا ' فقد دعا المـــامون والمعتصم والواثق الی بدعۃ القول بخلق القرآن و عاقبوا العلماء من اجلھا بالقتل والضرب والحبس وأنواع الاھانۃ ' ولم یقل أحد بوجوب الخروج علیھم بسبب ذالک ' و دام الا مر بضع عشرۃ سنۃ حتی ولی المتوکل الخلافۃ فابطل المحنہ " (فتح - ١٣ : ١٠٣) یعنی یہ جو ابن التین نے کہا کہ اگر خلیفہ بدعت کي طرف بلاے تو اسپر خروج کرنا جائز ھے اور اسپر اجماع ھوچکا ھے ' تو یہ قول مردود ھے - الا یہ کہ بدعت سے اسکا مقصود ایسي بدعت ھو جو صریح طور پر کفر تک پہنچ جاتي ھو - کیونکہ یہ معلوم ھے کہ مامون ' معتصم ' الواثق ' تینوں خلیفوں نے بدعت خلق قرآن کي طرف دعوت دي ' اور اسکي وجہ سے علماء سنۃ کو طرح طرح کے مصائب و شدائد جھیلنے پڑے - قتل ھوے ' پیٹے گئے ' قید کیے گئے ' لیکن پھر بھي کسي نے انپر خروج واجب نہیں بتلایا ' اور برابر انکي اطاعت کرتے رھے - حتی کہ تقریباً دس برس تـــک یہي حالت رھي - خلیفہ متوکل نے تخت نشین ھوکر اس مصیبت کو دور کیا - انتھی -

حقیقت یہ ھے کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت و اطاعت کے بارے میں جو کچھہ فرمایا تھا ' عہد سلف کے مسلمانوں نے کرکے دکھلا دیا کہ اسکا اصلي مفہوم و مقصد کیا ھے ؟ وہ اپنے طرز عمل میں احکام خلافت کے ھر ٹکڑہ اور ھر قسم کي ایک عملي تفسیر و شرح تھے - گذشتہ فصول میں اُن احادیث پر نظر ڈال چکے ھو جن میں آنے والے وقتوں کي نسبت امت کو احکام دیے گئے ھیں - خلافۃ راشدہ کا عہد فتنوں فسادوں سے محفوظ

تھا - لیکن اسکے بعد جو سلسلۂ خلافت شروع ہونے والا تھا ' وہ اپنے متضاد خصائص و حالات کی وجہ سے امت کیلیے ایک بڑی ہی سخت کشمکش اور ابتلا رکھتا تھا - وہ ایک ہی وقت میں سیاہ بھی تھا اور سفید بھی' نور بھی تھا اور ظلمت بھی' حق بھی تھا اور باطل بھی - حب و بغض ' ہجرو وصل' ترک و طلب' اطاعت و مخالفت' دونوں چیزیں ایک ہی وجود میں جمع ہوگئی تھیں' اور حکم شریعت یہ تھا کہ بہ یک وقت دونوں کو نبھاؤ' اور اپنی اپنی جگہوں پر دونوں باتیں بجالاؤ - ایک طرف تو اسپر زور دیا گیا کہ وہ خلیفہ و امام ہیں - اسلیے واجب الاطاعت ہیں - جب تک کفر صریح ظاہر نہو' انکی فرمانبرداری سے منہ نہ موڑو - دوسری طرف یہ بھی کہدیا گیا کہ اُنکے اعمال اچھے نہ ہونگے - پس اطاعت کرو - مگر پیروی و اقتداء نہ کرو - برائیوں کی طرف بلائیں تو ہاتھہ سے' زبان سے' دل کے اعتقاد سے' جس طرح بھی بن پڑے' پوری طرح مخالفت کرو اور اُنکے قہر و تسلط سے دب کر حق کا ساتھہ نہ چھوڑو غور کرو ! معاملہ کسدرجہ کٹھن اور جذبات انسانی کیلیے کیسا پر از امتحان تھا ؟

انسان ایک وقت میں ایک ہی جذبہ کام میں لاسکتا ہے - یا محبت کریگا یا دشمنی - یا اطاعت کریگا یا نافرمانی - جسکو اطاعت کا مستحق سمجھیگا ' اسکی ہر بات اسکی نظروں میں محبوب ہوجائیگی - جسکو برا سمجھیگا ' اُسکی فرمانبرداری کبھی اُسکے نفس کو گوارا نہ ہوگی - لیکن یہ وہ منزل عمل تھی جس میں ایک ہی وجود ممدوح و مذموم اور محبوب و مبغوض' دونوں صورتیں رکھتا تھا - ایک ہی انسان کے آگے جھکنا بھی تھا ' اور پھر اُسی کے سامنے سرکشی بھی کرنی تھی - البتہ جھکنے کا موقعہ دوسرا تھا - سرکشی کی گھڑی دوسری - جذبات و عواطف کیلیے سخت آزمایش اسمیں آ پڑی تھی کہ ہر جذبہ اپنے صحیح موقعہ پر کام میں لایا جاے - ورنہ ذرا سی بے اعتدالی بھی سخت گمراہی و ہلاکت کا موجب ہوجاتی - اطاعت کیشی میں اگر بے اعتدالی ہوتی' تو وہ اقتداء اور تأسی ہوجاتی جسکا نتیجہ باطل پرستی اور حق سے انحراف تھا - عدم اقتداء اور امر بالمعروف میں اگر بے اعتدالی ہوتی ' تو وہ خروج و بغاوت تک پہنچادیتی' جسکا نتیجہ بد امنی و خونریزی ہوتا اور سخت معصیت و فسق کا وقوع - اس تیرہ سو برس میں کتنے ہی فتنے صرف اسی بے اعتدالی اور افراط و تفریط سے پیدا ہوے - کتنوں ہی نے جوش حق پرستی میں

بغارت و خرزج کرکے جمعیت امت و استحکام خلافت کو نقصان پہنچایا ' اور کتنوں ھی نے افراط اطاعت کیشي میں حق کو باطـــل اور باطل کو حق بنا کر امت کا نظام حق و عدل درھم برھم کردیا -

دنیا میں کوئي قوم نہیں جسکے اجتماعي اعمال کي تاریخ میں کوئي ایسي نظیر مل سکے کہ ایسے سخت و نازک حکم پر عمل کیا گیا ھو' اور پوري کامیابي کے ساتھہ اسکے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا ھو - لیکن عہد صحابۂ و سلف کے مسلمانوں نے صدیوں تـک عمل کرکے ثابت کردیا کہ سچائي اور اخلاق کي کوئي عملي مشکل ایسي نہیں جو پیروان اسلام کیلیے مشکل ھوسکے - انھوں نے نہ صرف اسپر عمل کیا ' بلکہ پوري کامیابي کے ساتھہ اس اخلاقي امتحان سے عہدہ برا ھوکر نکلے - انھوں نے ایک ھي وقت میں دونوں متضاد عمل کر دکھلاے - اطاعت بھي کي اور مخالفت بھي - لیکن اطاعت اُسي بات میں کي جو مستحق اطاعت تھي ' اور مخالفت وھیں کي جہاں مخالفت کرني تھي - " اطاعت " اور " اقتداء " کے اُس نازک فرق کو جسکو فلسفۂ اخلاق بڑي بڑي دقیقہ سنجیوں کے بعد حل کرسکتا ھے ' انھوں نے اپني عملي زندگي کي سادگي سے حل کر دکھایا ' اور دنیا پر ثابت کردیا کہ اخـــلاق کے فلسفہ کیلیے جو چیز سب سے زیادہ مشکل ھے ' وھي ایک مومن کے عمل کیلیے سب سے زیادہ آسان ھے !

قومي حکومت کي اطاعت اور فرماں برداري اس سے بڑھکر اور کیا ھوسکتي ھے جو صحابۂ و تابعین نے بنو امیہ کے امراء جور کي کي ؟ اور اُنکے بعد علماء سلف نے بنو عباس کے دعاۃ بدعت کي ؟ ھر طرح کے مظالم سہے' ھر طرح کي مصیبتیں جھیلیں ' قید کیے گئے ' دروں سے مارے گئے ' قتل ھوے ' مگر پھر بھي اطاعت سے باھر قدم نہ رکھا ' اور ھمیشہ یہي کہتے رھے " ینصب لکل غادر لواء یوم القیامہ ' و نحن بائعنا ھم " وہ جو فرمایا تھا کہ " قیـــد شبر " بالشت بھر بھي اطاعت سے الگ نہو ' سو واقعي ویسا ھي عمل کرکے دکھا دیا !

مگر ساتھہ ھي استقامت حق اور امر بالمعروف و دعوۃ الی السنۃ کا بھي یہ حال تھا کہ نہ تو عبد الملک کي بے پناہ تلوار اسپر غالب آ سکتي تھي ' نہ حجاج کي خون آشامي ' اور نہ مامون و معتصم کي قہرمانیۃ - قدم جب اُٹھتا تھا تو حق کي طرف ' زبان جب کھلتي تھي تو سچائي کیلیے ' اور دل میں کسي کي گنجائش نہ تھي مگر عشق کتاب و سنۃ کي -

انھوں نے جس طرح اس حکم کی پیروی کی کہ " تسمع و تطیع و ان ضرب ظھرک و اخذ مالک فاسمع و اطع " رواہ مسلم - ٹھیک ٹھیک اسی طرح اس فرمان کی بھی کی کہ " فان امر بمعصیۃ فلا سمع و لا طاعۃ " اور " من راي منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ' فان لم یستطع فبلسانہ ' و ان لم یستطع فبلقبہ ' و ذلک اضعف الایمان " رواہ مسلم -

حضرۃ امام احمد بن حنبل کی پیٹھہ پر نو جلاد تازیانے مار رھے تھے - خود المعتصم سر پر کھڑا تھا - تمام پیٹھہ سے خون کے فوارے بہہ رھے تھے - اور یہ سب کچھہ صرف اتنی بات کیلیے ھو رھا تھا کہ قرآن کی نسبت ایک ایسے سوال کا جواب دیدیں جسکا جواب اللہ کے رسول اور اُسکے یاروں نے نہیں دیا ھے اور نہ دینے کا حکم دیا ھے - وہ سب کچھہ سہہ رھے تھے مگر جواب نہیں دیتے تھے - اگر کوئی صدا نکلتی بھی تھی تو یہی نکلتی " اعطونی شیئاً من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ حتی اقول " درے مارنے سے کیا ھوتا ھے ؟ اللہ کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت سے ثابت کر دکھاؤ تو اقرار کرلوں - اسکے سوا اور کوئی چیز نہیں ھے جسکے آگے اقتداؤ اتباع کا سر جھک سکے -

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس !

فصل

(سنی اور شیعہ دونوں متفق ھیں)

اسی طرح تمام آئمۂ اھلبیت کا زمانہ خلفاء بنو اُمیۂ و عباسیہ کے عہدوں میں گزرا - یہ معلوم ھے کہ وہ خلافۃ کا مستحق صرف اپنے ھی کو یقین کرتے تھے نہ کہ بنو اُمیۂ و عباسیہ کو - با ایں ھمہ کسی نے بھی اُنکے خلاف خروج نہ کیا اور نہ اطاعت سے انکار کیا - سب اسی پر متفق ھوے کہ حکومت اُنکی قائم ھوچکی ھے ' اسلیے سلطان وقت وھی ھیں -

خاندان اھل بیت میں سے جس کسی نے خروج کیا ' آئمہ نے برابر اپنی مخالفت اُن سے ظاھر کی - جیساکہ حضرت زید کے خروج اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے انکار سے ثابت و معلوم ھے -

حضرۃ امام علي رضا کو مامون الرشید نے اپنا ولي عہد قرار دیا - امام موصوف نے ولي عہدي قبول کرلي - یعنے تسلیم کرلیا کہ مامون خلیفہ ھے ' اور اُسکو اپنے استخلاف اور ولي عہدي کا حق پہنچتا ھے - اگر وہ خود خلیفہ نہ تھا تو دوسرے کو ولي عہدي کیونکر مل سکتي تھي ؟

آئمۂ اھل بیت کي پوري تاریخ میں ایک واقعہ بھي موجود نہیں کہ انھوں نے لوگوں کو بنو اُمیۂ و عباسیہ کي اطاعت سے روکا ھو - بر خلاف اسکے کتب حدیث امامیہ (مثلاً اصول کافي وغیرہ) میں ایسي تصریحات موجود ھیں کہ با وجود اظہار استحقاق خود و شکوۂ غصب و تعدي ' عدم اطاعت و حکم خروج سے ھمیشہ مانع رھے -

سب سے زیادہ قاطع اور فیصلـــہ کن اسوۂ حسنہ اس بارے میں خود حضرۃ علي علیہ السلام کا ھے - حضرات امامیہ انکي خلافت کو منصـــوص تسلیم کرتے ھیں ' اور کہتے ھیں کہ انکي موجودگي میں اور کوئي جائز خلیفہ نہیں ھوسکتا تھا - با ایں ھمہ ظاھر ھے کہ یکے بعد دیگرے تین خلیفہ ھوے ' اور حضرۃ علي نے نہ تو خروج کیا ' نہ بیعت سے انکار کیا ' نہ علحدگي اختیار کي - متصل بیس برس تک اُنکا یہي طرز عمل قائم رھا - اس سے بڑھکر قاطع و فاصل دلیل اس بات کیلیے اور کیا ھوسکتي ھے کہ جب امت ایک سلطان پر مجتمع ھو جاے ' تو پھر کسي طرح نہي اسکي مخالفت جائز نہیں - اور اسکي اطاعت کرنا ھر فرد پر واجب ھے ؟ جب ایک خلیفۂ و امام منصوص من اللہ کیلیے انکار جائز نہ تھا ' تو عامۂ امت کیلیے کب جائز ھوسکتا ھے ؟

غرضکہ اس بارے میں اھل سنت و امامیہ دونوں متفق ھیں -

یہیں سے یہ حقیقت بھي واضح ھوگئي کہ حضرات امامیہ اور اھل سنت میں مسئلۂ خلافۃ کي نسبت جو مشہور اختلاف ھے ' وہ صرف پہلي صورت میں ھے ' نہ کہ دوسري صورت میں - یعني اس بارے میں ھے کہ اگر امت خلیفہ ؤ امام منتخب کرے تو کس کو اور کیسے کو منتخب کرے ؟ شیعہ کہتے ھیں کہ اسکا استحقاق صرف آئمۂ اھل بیت کو ھے - وھي امام ھوسکتے ھیں - اھل سنۃ کہتے ھیں کہ یہ شرط ضروري نہیں :

لیکن اگر اصلي نظام باقي نہ رھا ھو اور غلبۂ و تسلط سے کوئي شخص اسلام کي مرکزي سلطنت پر قابض ھوگیا ھو ' تو اُسکي اطاعت پر جسطرح

اهل سنة كي تمام جماعتيں متفق هيں' ٹهيک اُسي طرح شيعه بهي متفق هيں- اهل سنة کے نزديک خلافة کي تمام شرطيں صرف خلفاء راشدين هي ميں جمع تهيں اور اُنهي کا انتخاب صحيح نظام شرعی کے مطابق هوا - اُنکے بعد پهر نه هوا - اماميه کے نزديک ابتدا هي سے نه هوا- ليکن اطاعت دونوں عهدوں ميں اهل سنة نے بهي ضروري قرار دي - شيعوں نے بهي ضروري قرار دي- نتيجه يه نکلا که ايک قائم و نافذ اسلامي سلطنت کی اطاعت پر سني و شيعه ' دونوں متفق هيں - يهي حال زيديه وغيره فرقوں کا هے -

فصل

(بعض کتب مشهورهٔ عقائد و فقه)

تمام اسلامي مدرسوں ميں صديوں سے جو کتابيں پڑهي پڑهائي جا رهي هيں' ان ميں سے بعض کي عبارتيں هم نقل کرينگے :

شرح مقاصد ميں هے : " و اما اذا لم يوجد من يصلح ذالک ' او لم يقدر علی نصبه لاستيلاء اهل الباطل و شوکة الظلمة و ارباب الضلال ' فلا کلام في جواز تقليد القضاء و تنفيذ الاحکام و اقامة الحدود و جميع ما يتعلق بالامام من کل ذي شوکة " اور شروط امامة بيان کرکے لکهتے هيں " نعم' اذا لم يقدر علی اعتبار الشرائط ' جاز الابتداء للاحکام المتعلقة بالامامة علي کل ذي شوکة يقتدر تغلب او استولي " اور اُسي ميں هے " فان لم يوجد من قريش من يجمع الصفات المعتبره ' ولي کناني' فان لم يوجد ' فرجل من ولد اسماعيل ' فان لم يوجد فرجل من العجم " -

مرقات شرح مشکواة ميں هے " و اما الخروج عليهم و قتالهم ' فمحرم و ان کانوا فسقة ظالمين " اور حديث " من اتاکم و امرکم جميع علی رجل واحد " کي شرح ميں لکهتے هيں " ای له اهلية الخلافة ' او التسلط و الغلبه " -

شامي ميں هے " و يثبت عقد الامامة اما باستخلاف الخليفة اياه کما فعل ابوبکر ' و اما ببيعة جماعة من العلماء او من اهل الرای " -

مسامره میں ہے " و المتغلب تصح منه هذه الامور (ای ولایة القضاء و الامارة و الحکم بالاستفتاء و نحوها) للضرورة ، و صار الحال عند التغلب کما لم یوجد قرشی عدل ، او وجد و لم یقدر (ای لم توجد قدرة علی تولیته لغلبة الجورة) ان یحکم فی کل من الصورتین بصحة ولایة من لیس بقرشی و من لیس بعدل للضرورة "

اور شرح مواقف میں امامت کی شرطیں بیان کرکے لکھتے ہیں : " لکن للامة ان ینصبوا فاقد ها ، دفعا للمفاسد التی تندفع بنصبه " (٦١٤)

سب سے زیادہ مشرح بحث حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں کی ہے : " و قد اجمع الفقهاء علی وجوب طاعة السلطان المتغلب و الجهاد معه ، و ان طاعته خیر من الخروج علیه لما فی ذلک من حقن الدماء و تسکین الدهماء ، و لم یستثنوا من ذلک الا اذا وقع من السلطان الکفر الصریح ، فلا یجوز طاعته فی ذلک بل تجب مجاهدته لمن قدر علیها کما فی الحدیث " (جلد ١٣ : ٧)

اور روایت حذیفه " فاعتزل تلک الفرق کلها " الخ مندرجهٔ کتاب الفتن کی شرح میں لکھتے ہیں " قال ابن بطال : فیه حجة لجماعة الفقهاء فی وجوب لزوم جماعة المسلمین و ترک الخروج علی ائمة الجور ، لانه وصف الطائفة الاخیرة بانهم دعاة علی ابواب جهنم ، مع ذالک امر بلزوم الجماعة " (١٣ : ٣١)

اور حدیث " اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی " کی شرح میں لکھتے ہیں " و اما لو تغلب عبد حقیقة بطریق الشوکة ، فان طاعته تجب اخماداً للفتنه " (١٣ : ١٠٩)

حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں " و هذه الاحادیث فی الحث علی السمع و الطاعة فی جمیع الاحوال ، و سببها اجتماع کلمة المسلمین ، فان الخلاف سبب لفساد احوالهم فی دینهم و دنیا هم - و قوله صلعم : و ان کان عبد مجدع الاطراف - یعنی مقطوعها ، و المراد اخس العبید - اے اسمع و اطیع للامیر و ان کان دنی النسب * * * * * * و یتصور امارة العبد اذ ولاه بعض الائمه ، او یغلب علی البلاد بشوکته " الخ - (جلد ٢ : ١٢٥)

اور قاضی شوکانی درر البهیه میں لکھتے ہیں " و طاعة الائمة واجبة الا فی معصیة الله ، و لا یجوز الخروج علیهم ما اقاموا الصلوة " (شرح درر: ٤١٣)

اور حجة الله البالغه میں ہے " ان الخلیفة اذا انعقدت خلافته ' ثم خرج آخر ینازعه ' حل قتله "

اور ازالة الخفاء میں ایک مفصل اور دقیق بحث مسئلۂ خلافت و حقیقت خلافت پر کرتے ہوے (جس سے بہتر اور جامع بحث شاید ہی کسی دوسری جگہ ملسکے) لکھتے ہیں " و حرام ست خروج بر سلطان بعد ازان که مسلمین بر وے جمع شدند' مگر آنکه کفر بواح از وے دیده شود' اگرچه آن سلطان مستجمع شرائط نه باشد و این مضمون متواتر بالمعنی ست" (جلد - ١ : ١٣٧)

حاصل ان تمام عبارتوں کا وہی ہے جو اوپر گزرچکا - یعنی ہر زمانے میں امت کیلیے ایک خلیفه ہونا چاہیے جو صاحب طاقت و اقتدار ہو - اگر امت منتخب کرے تو اسکے لیے فلاں فلاں شرطیں ہیں - لیکن اگر کسی مسلمان کی حکومت قائم ہوگئی ہے اور وہی صاحب اقتدار و شوکت ہے' تو اُسی کو خلیفه ماننا چاہیے - خواہ تمام شرطیں اُسمیں پائی جائیں یا نه پائی جائیں - قرشی ہو یا غیر قرشی ' ظالم ہو یا عادل ' عالی خاندان ہو یا دنی النسب ' حتی که ایک حبشی غلام ہی کیوں نہو ' لیکن اُسکی اطاعت و حمایت ہر مسلمان پر واجب ہے - جب تک کفر صریح اس سے ظاہر نہو - لیکن اگر ایسا ہوا ' تو پھر نه بیعت قائم رہی نه عہد اطاعت باقی رہا - اُس حالت میں مسلمانوں پر واجب ہو جائیگا که اسکا مقابله کریں - جو شخص مقابله کی طاقت اپنے میں نه دیکھے ' وہ اسکے ملک سے ہجرت کر جاے - " فمن قام علی ذلک فله الثواب - و من داهن ' فعلیه الا ثم - و من عجز' وجبت علیه الهجرة من تلک الارض " کذا فی الفتح (١٣ : ١٠٩)

فتح الباری کی اس عبارت سے ضمناً یه بات بھی معلوم ہوگئی که جس ملک میں کفار کی سلطنت قائم ہو جاے ' وہاں مسلمانوں کو خروج کرنا چاہیے ' اور حق کے اظہار و اعلان میں کسی طرح کی مداہنت گوارا نه کرنی چاہیے - لیکن اگر اسکی طاقت اپنے اندر نه دیکھیں ' تو پھر اس ملک سے ہجرت کر جائیں - یعنی یه کسی حال میں جائز نہیں که تسلط کفر پر قانع و رضامند ہوکر زندگی بسر کریں -

فصل

(من حمل علينا السلاح فليس منا)

سورۂ نساء میں ہے :

ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزآؤہ جہنم خالداً فيها و غضب الله عليه و لعنه ' و اعدله عذاباً عظيما - (۴ : ۹۵)

جو مسلمان کسي دوسرے مسلمان کو جان بوجھکر قتل کردالے تو اسکي سزا دوزخ کي ہميشگي ہے ' الله کا غضب ہے ' اسکي پھٹکار ہے ' اور بڑاھي درد ناک عذاب ہے جو ايسونکے ليے طيار ہوچکا ہے -

يہ آيت اس بارے ميں نص قطعي و ظاہر ہے کہ جو مسلمان دانستہ بلا کسي حق شرعي کے دوسرے مسلمان کو قتل کرے ' وہ دوزخ ميں ڈالا جائيگا ' الله کے غضب و لعنت کا مورد ہوگا ' اور عذاب اليم کا مستحق -

بخاري و مسلم ميں ہے " سبـــاب المسلم فسوق و قتاله كفر " (و رواه الترمذي و صححه و لفظه " قتال المسلم اخاه كفر و سبابه فسوق ") يعني مسلمان کو دشنام دينا فسق ہے اور اُس سے لڑائي لڑنا کفر -

آنحضرة نے آخري حج کے موقعہ پر جو يادگار عالم خطبہ ديا تھا ' اور جو خطبۂ حجة الوداع کے نام سے مشہور ہے ' اسميں ہميشہ کيليے تمام امت کو وصيت فرمائي " لا ترجعوا (و في رواية لا ترجعون) بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض " (بخاري) ميرے بعد کافروں کي طرح نہ ہوجانا کہ تم ميں سے ايک دوسرے کي گردن اڑاے -

اور بخاري ميں حضرة ابو ہريرہ سے مروي ہے " لايشير احد كم على اخيه بالسلاح فانه لا يدري لعل الشيطان ينزغ فى يده (و في رواية ينزع بالعين) فيقع في حفرة من النار " (و ايضاً اخرجه مسلم عن ابن رافع ' و ابو نعيم في المستخرج من مسند ابن راهويه) يعنى فرمايا : کبھي اپنے بھائي مسلمان کي طرف ہتيار سے اشارہ نہ کيا کرو - ممکن ہے کہ ہتيار لگ جاے اور تم جہنم کے گڑھے ميں گر پڑو - يعنى اگر اشارہ کرنے ميں تلوار کام کرگئي اور مسلمان کا خون ہوگيا ' تو ايک ايسے فعل کا ارتکاب ہوجائيگا جسکي پاداش عذاب جہنم ہے -

اور ابن ابي شيبه نے ابو هريره سے مرفوعاً روايت كيا هے " الملائكة تلعن أحدكم اذا أشار الى الاخر بحديدة وان كان اخاه لابيه و امه " اور امام ترمذي نے ايک دوسري اسناد سے موقوفاً روايت كيا هے "من اشار الى اخيه بحديدة لعنه الله الملائكه " (قال حسن صحيح غريب - وكذا صححه ابوحاتم من هذا الوجه) يعني فرمايا - جب كبهي كوئي مسلمان دوسرے مسلمان كي طرف هتيار سے اشاره كرتا هے تو فرشتے اسپر لعنت بهيجتے هيں - فتح الباري ميں هے " قال ابن العربي اذا استحق الذي يشير بالحديدة اللعن ' فكيف الذي يصيب بها ؟ وانما استحق اللعن اذا كانت اشارته تهديداً ' سواء كان جادا أم لاعباً " (جلد ١٣ : ٢١) يعنے ابن العربي نے كها : جب صرف هتيار اُٹهاكر اشاره كرنے كي نسبت ايسى شديد وعيد آئي كه فرشتے لعنت بهيجتے هيں ' تو اُس بد بخت كا كيا حال هوگا جو صرف اشاره هي نه كرے ' بلكه سچ مچ اپنے هتيار سے ايک مسلمان كو قتل كر ڈالے ؟ اور يه جو فرمايا كه اشاره كرنے والا مستحق لعنت هوتا هے ' تو اس سے مقصود وهي شخص هوگا جو ڈرانے كيليے ايسا كرے - خواه غصه سے هو خواه هنسي سے - انتهى - اس سے معلوم هوا كه اگر هنسي دل لگي سے بهي كوئي شخص هتيار اُٹهاكر كسي مسلمان كو ڈراے ' تو وه لعنت كا مستحق هوگا - يعني كسي حال ميں بهي يه بات مسلمانوں كيليے جائز نهيں - اور يه فعل اسدرجه شريعت كے نزديک مبغوض هے كه اُسكي هنسي دل لگي بهي لعنت كا موجب ٹهري !

حضرة عبد الله بن عمر سے مرفوعاً مروي هے " زوال الدنيا كلها اهون على الله من قتل رجل مسلم " (اخرجه الترمذي وقال حديث حسن ' واخرجه النسائي بلفظ " لقتل المومن اعظم عند الله من زوال الدنيا ") يعني آنحضرة نے فرمايا - الله كي نظروں ميں تمام دنيا كے زائل هوجانے سے بهي بڑهكر جو چيز هے ' وه ايک مسلمان كا قتل هونا هے - اور اسي بنا پر فرمايا " اول ما يقضي بين الناس في الدماء " (رواه البخاري عن ابن مسعود و زاد مسلم " في يوم القيامه ") قيامت كے دن سب سے پهلے جس معامله كا فيصله چكايا جائيگا وه انسان كا خون هے - (١)

---

(١) يهان يه شبه وارد نهو كه يه حديث محاسبهٔ صلوات كي مشهور حديث سے معارض هے ' كيونكه نماز كي نسبت قضاء كا لفظ نهيں آيا هے - حساب كا آيا هے - بخاري كي روايت ميں هے " اول ما يحاسب به المرء

حضرة عبد الله بن عمر کے سامنے جب ایک قاتل لایا گیا تو آپنے فرمایا " تزود من الماء البارد، فانك لن تدخل الجنه " (رواه البيهقي) بن پڑے تو اچھي طرح ٹھنڈے پانی کي طیاري کرلے کیونکه تیرا ٹھکانا دوزخ هے - تو یقینا جنت میں نه جائیگا !

حقیقت یه هے که ایک مسلمان کے لیے شرک کے بعد اس سے بڑھکر اور کوئي کفر نہیں هوسکتا که اپنے مسلمان بھائي کے خون سے هاتھه رنگین کرے -

---

(بقیه نوٹ صفحه ٦٩)

صلاته " قیامت میں سب سے پہلے آدمي سے جس عمل کا حساب لیا جائیگا وه نماز هے - اس سے معلوم هوا که جن کاموں میں محاسبه هوگا ' اُن میں سب سے پہلا کام نماز هے - لیکن جن کاموں میں فیصله چکایا جائیگا ' اُن میں سب سے پہلا معاملے خون کا هوگا - پس دونوں میں کوئي تعارض نہیں - چنانچه نسائی نے یه دونوں ٹکڑے ایک هي متن و اسناد سے روایت کیے هیں " اول ما یحاسب به العبد الصلاة ' واول ما یقضي بین الناس في الدماء " امام بخاري نے مندرجۂ متن حدیث ابن مسعود سے به طریق اعمش عن ابي وائل روایت کي هے اور منجمله ثلاثیات بخاري کے هے - نسائي بھي یه روایت ابو وائل هي کے طریق سے لاے هیں - پس سنداً و متناً روایت ایک هي هوئي - باقي رها محاسبه و قضاء کا فرق ' تو وه بالکل ظاهر هے - بعض اعمال انسان کي ذات خاص سے تعلق رکھتے هیں - بعض دوسروں کے حقوق سے - شریعت نے اسي فرق کو حقوق الله اور حقوق العباد سے تعبیر کیا هے - پہلي قسم کے کاموں میں قضاء اور فیصله کي ضرورت نہیں کیونکه هر شخص کي ذات خاص سے تعلق رکھتے هیں - کوئی دوسرا نفس مدعي نہیں هوتا - البته پرسش هو سکتي هے که وه فرائض انجام دیے گیے یا نہیں ؟ لیکن دوسري قسم کے لیے پرسش کافي نہیں - فیصله چکانے کي ضرورت هے - کیونکه وه ایسے کام هیں جن میں دوسروں کے حقوق تلف هوے هیں اور وه به حیثیت مدعي کے کھڑے هونگے - نماز پہلي قسم کے اعمال میں سب سے زیاده اهم هے، اور قتل نفس کا معامله دوسري قسم میں سب سے زیاده اهم - پس جب حساب هوگا تو سب سے پہلے نماز کي نسبت پوچھا جائیگا ' اور جب فیصله چکایا جائیگا تو سب سے پہلے قتل نفس کا معامله پیش هوگا -

شریعت نے مسلمانوں کي جمعیت و قومیت کي بنیاد باهمي مواخات پر رکهي هے - یعني هر مسلمان کا شرعي رشته دوسرے مسلمان سے بهائي کا رشته هے : فاصبحتم بنعمته اخوانا (۶ : ۱۰۳) انما المومنون اخوة ' فاصلحوا بین اخویکم (۴۹ : ۱۰) مسلمان آپس میں بهائي بهائي هیں - پس جب دو بهائیوں میں رنجش هوجاے تو صلح کراؤ - مسلمانوں کي قومي سیرة جا بجا یه بتلائي - اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین (۵ : ۵۹) اشداء علی الکفار رحماء بینهم (۴۸ : ۲۹) اُن میں جس قدر بهي نرمي هے ' مسلمانوں کے ساتهه هے - جسقدر بهي سختي هے ' غیروں کے ساتهه - وه سب سے زیاده نرم بهي هیں اور سب سے زیاده سخت بهي - نرم اپنوں کے لیے ' سخت غیروں کے لیے - اُنکے پاس محبت بهي هے ' عدارت بهي - لیکن محبت پرستاران حق کے ساتهه کرتے هیں ' عدارت دشمنان حق کے ساتهه -

احادیث میں اس حقیقت کي جو بے شمار تشریحات و تمثیلات ملتی هیں ' وه مشهور و معلوم هیں ' اور مهاجرین و انصار اور عموم صحابۂ کرام نے انکي عملي تصویر بنکر همیں بتلا دیا هے که اخوت دیني کے معني کیا هیں ؟ هر مسلمان پر اسکي نماز اور روزه سے بهي بڑهکر جو چیز فرض کردي گئي ' وه یهي هے که مسلمانوں سے محبت کرے ' جهانتک بن پڑے اُنکي بهلائی چاهے ' اور کوئي بات ایسي نه کرے جس سے کسي مسلمان کو نقصان پهنچے - اگر یه چیز نهیں هے تو ایمان و اسلام بهي نهیں - پهاڑوں جتنا بهي زهد و عبادت هو اور سمندر جتني بهي دولت خرچ کرڈالي جاے ' لیکن اگر یه چیز نهیں تو بالکل بیکار و عبث هے -

فرمایا " لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه" (رواه الشیخان) کوئي شخص مومن نهیں هوسکتا جب تک اس میں یه بات پیدا نه هوجاے که جو بات اپنے لیے پسند کرے ' وهي اپنے بهائي مسلمان کے لیے بهي پسند کرے -

اور فرمایا " لا تدخلون الجنة حتی تومنوا و لا تومنون حتی تحابوا " (شیخان) تم کبهي جنت میں داخل نهیں هوسکتے جب تک ایمان نه لاؤ ' اور کبهي مومن نهیں هوسکتے جب تک آپس میں محبت و پیار نه کرو -

اور فرمایا " لا تحسسوا ' و لا تجسسوا ' و لا تناجشوا ' و لا تباغضوا ' و لا تدابروا ' ولا تنابزوا ' و کونوا عباد الله اخوانا " (شیخان) ایک دوسرے کي ٹوہ میں نہ رہو ' باہم کینہ اور عناد نہ رکھو ' بدگوئي نہ کرو ' اور ایسا کرو کہ آپس میں بھائي بھائي ہو جاؤ -

حضرۃ جابر کو وصیت کي " ان تصبح و تمسي و لیس في قلبک غش لاحد " (مسلم) تجھپر صبح کا سورج چمکے تو اس حالت میں چمکے کہ اسکی کرنوں کی طرح تیرا دل بھی صاف ہو ' اور شام آے تو اسطرح آے کہ کسی کے طرف سے تیرے اندر کھوٹ نہو -

اور فرمایا " المسلم من سلم المسلمون من یدہ و لسانہ " (بخاري) مسلمان وہ ہے کہ اسکے ہاتھہ اور زبان سے مسلمانوں کو کوئي گزند نہ پہنچے -

اور فرمایا " المسلم اخو المسلم ' لا یظلمہ ' و لا یخذلہ ' و لا یحقرہ " (مسلم) مسلمان مسلمان کا بھائي ہے - پس اپنے بھائي کے ساتھہ نہ تو ظلم کرے ' نہ اُسے ذلیل کرے ' نہ اُسکو حقیر جانے -

اور فرمایا " لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث " (شیخان) کسی مسلمان کیلیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسي مسلمان سے روٹھا رہے -

اور فرمایا " ملعون من ضار مومنا او مکر بہ " (ترمذي) اللہ کي اسپر پھٹکار جس نے مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اسکو دھوکا دیا -

ایک حدیث میں یہانتک زور دیا کہ " من کان یومن باللہ و الیوم الاخر ' فلا یعد النظرالی اخیہ " (رواہ الحاکم و صححہ) جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے ' اسکو نہ چاہیے کہ اپنے بھائي مسلمان کي طرف تیز نظروں سے گھورے - یعنی جب مسلمان بھائی کو دیکھے تو محبت اور پیار کی نظروں سے دیکھے -

پس جب اللہ کي شریعت حقہ نے مسلمانوں کي قومیت کي بنیاد ہي باہمي محبت و برادري پر رکھي ' اسي کو ایمان کي جز قرار دیا ' وہي اسلام کي اصلي پہچان ہوئي ' اسي پر ایمان کي تکمیل موقوف ٹھہري ' تو ظاہر ہے کہ جو مسلمان خدا کے اس جوڑے ہوے رشتے کو توڑ دے ' اور اپنے اُنہي ہاتھوں سے جو مسلمانوں کي دستگیري و مددگاري کیلیے بناے گئے تھے ' مسلمانوں کي گردنیں کاٹے ' اس سے بڑھکر خدا کي زمین پر اُسکي

شریعت کا کون مجرم ہوسکتا ہے ؟ اور اگر انسان کی برائیاں اور بد عملیاں اللہ کی لعنت کا مستحق ہوسکتی ہیں ' تو اس فعل سے بڑھکر اور کونسا فعل ہے جو اللہ کے عرش جـــلال و غیرت کو ہلا دے ' اور اسکی لعنتیں بارش کی بوندوں کی طرح آسمانوں سے زمین پر برسنے لگیں ؟

جس مومن کا وجود اللہ کو اس قدر محبوب و محترم ہو کہ تمام دنیا کا زوال اُس کی هـــلاکت کے مقابلے میں ہیچ بتلائے ' اُسی کا خون خود ایک مسلمان کے ہاتھوں بہے ؟ اس سے بڑھکر شریعت الہی کی کیا توہین ہوسکتی ہے ؟ اور اُن سارے گناہوں میں جو انسان کے ہاتھہ پاؤں کرسکتے ہیں ' کونسا گناہ ہے ' جو اس سے زیادہ ملعون و مردود ہوسکتا ہے ؟

دنیا کی کونسی بڑائی اور عظمت ہے جو کلمۂ لا الہ الا اللہ سے بڑھکر خدا کی نظروں میں عزت رکھتی ہو ؟ اور کونسی محبـوبیت ہے جو اس کلمۂ عزیز کے اقرار کرنے والے کو اللہ کے حضور نہیں ملجاتی ؟ پس جس بد بخت کا احساس ایمانی یہانتک مسخ ہوجاے کہ با وجود دعوئے اسلام مسلمانوں کا خون بہانے لگے ' وہ یقیناً مسلمانوں کا خون نہیں بہاتا ' بلکہ اللہ کے کلمۂ توحید کو ذلیل و خوار کرتا ' اور اسکی عزت و اجـــلال کو بٹہ لگانا چاہتا ہے -

صحیح بخاری و مسلم میں حضرۃ اسامہ کی روایت ہے کہ اُنکو آنحضرۃ نے بنو الحرقہ کی طرف ایک فوجی مہم دیکر بھیجا تھا - لڑائی میں اُسامہ نے ایک آدمی پر حملہ کیا - ساتھہ ہی ایک انصاری بھی حملہ آور ہوا - اُسامہ کہتے ہیں کہ جب میری تلوار اُسکے سر پر چمکی تو وہ پکار اُٹھا " لا الہ الا اللہ " - میں نے کچھہ پروا نہ کی اور قتل کر ڈالا - لیکن کلمہ کی صدا سنکر انصاری نے تلوار روک لی - آنحضرۃ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو نہایت ناراض و غمگین ہوے اور فرمایا " اقتلتہ بعد ما قال لا الہ الا اللہ " ؟ تونے اُسے قتل کردیا باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا ؟ میں نے عرض کیا " انما کان متعوذا " وہ تو اس نے محض میری تلوار سے بچنے کیلیے کہدیا تھا - فی الحقیقت مسلمان نہیں ہوا تھا - " فما زال یکررھا علی حتی تمنیت انی لـم اکن اسلمت قبـل ذلـک الیوم " لیکن آنحضرۃ برابر یہی جملہ دہراتے رہے " تونے قتل کرڈالا باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا " یہانتک کہ آنحضرۃ کا حزن و ملال اور اس واقعہ کا تاثر دیکھکر مجھے اسقدر ندامت ہوئی کہ دل نے کہا ' کاش آج کے دن

سے پہلے میں مسلمان ھی نہ ھوا ھوتا - ایک روایت میں ھے " افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم " تونے اسکا دل چیر کر کیوں نہ دیکھہ لیا کہ واقعی دل سے اقرار کیا ھے یا نہیں ؟ یعنی جب زبان سے یہ کلمہ نکلا تو اُسکا احترام واجب ھوگیا - خواہ تلوار کے ڈر سے کہا ھو یا سچ مچ دل سے اقرار کیا ھو - دل کا حال صرف اللہ ھی کو معلوم ھے -

یہی واقعہ صحیح مسلم میں جندب بن عبد اللہ کی روایت سے بھی مروی ھے اور اسمیں بعض زیادات ھیں - و فیہ ان النبی صلعم قال لہ " فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ اذا أتتک یوم القیامہ " ؟ قال یا رسول اللہ استغفرلی - " قال فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ " ؟ فجعل لا یزیدہ علی ذلک - یعنی آنحضرۃ صلعم نے اُسامہ سے کہا " قیامت کے دن جب وہ لا الہ الا اللہ کے ساتھہ تیرے سامنے آئیگا تو اسوقت تو کیا کریگا ؟ یعنے اللہ کو کیا جواب دیگا ؟ اُسامہ نے عرض کیا - یا رسول اللہ ! ابتو مجھہ سے یہ قصور ھوگیا - میری بخشش کیلیے دعا کیجیے - لیکن آنحضرۃ یہی کہتے رھے کہ قیامت کے دن لا الہ الا اللہ کا جب دعوا ھوگا تو تم کیا جواب دوگے ؟ اور اس جملہ کے سوا کوئی بات نہ فرمائی -

بخاری میں ھے کہ آپ سے مقداد بن عمرو الکندی نے پوچھا " ان لقیت کافراً فاقتتلنا ' فضرب یدی بالسیف فقطعھا ' ثم لاذ بشجرۃ و قال أسلمت للہ ' أ أ قتلہ بعد ان قا لھا ؟ " اگر ایسا ھو کہ ایک کافر سے مقابلہ کریں ' اور وہ تلوار میرے ھاتھہ پر اسطرح مارے کہ ھاتھہ کٹ جاے - پھر الگ ھوکر کہے میں اللہ پر ایمان لایا ' تو یہ کہنے کے بعد اُسے قتل کروں یا نہ کروں ؟ فرمایا " لا تقتلہ " مت قتل کر - " قال فانہ طرح احدی یدی ثم قال ذلک بعد ما قطعھا " مقداد نے عرض کیا - اس نے تو میرا ھاتھہ کاٹ ڈالا اور اسکے بعد اسلام لانے کا اقرار کیا - پھر کیوں نہ میں اُس سے اپنا بدلا لوں ؟ فرمایا " لا تقتلہ ' فان قتلتہ ' فانہ بمنزلتک قبل أن تقتلہ ' و انت بمنزلتہ قبل ان یقول کلمتہ التی قال " جو کچھہ بھی ھوا ھو ' لیکن جب کلمۂ توحید کا اقرار کرلیا تو پھر قتل نہ کر - اقرار کرنے سے پہلے وہ کافر تھا ' اور تو مسلمان ' لیکن اگر تونے اقرار کے بعد اُسے قتل کردیا تو وہ تیری جگہ ھو جائیگا اور تو اسکی جگہ -

یہ دو روایتیں اس بارے میں نہایت ھی عبرت انگیز ھیں - جب اللہ کے رسول کا یہ حال تھا کہ ایک مشرک دشمن کا جنگ کی حالت میں بھی

قتل هو جانا گوارا نه هوا کیونکه اُس نے خوف جان سے ایک مرتبه لا اله الا الله کهدیا تها ' اور اسپر اسقدر رنج و افسوس فرمایا که عرصه تک صداے الم زبان مبارک سے نکلتي رهي ' تو پهر غور کرو که جو مسلمان اُن مسلمانوں کو قتل کرے ' جنکي ساري زندگیاں اسلام و ایمان میں بسر هوئي هیں ' اور جنهوں نے محض خوف جان سے ایک مرتبه هي نهیں ' بلکه دل کے یقین و ایمان سے لاکهوں مرتبه کلمه لا اله الا الله کا اقرار اور ورد کیا هے ' اسکي شقاوت و خسران کا کون اندازه کرسکتا هے ؟ اور شریعت کے نزدیک اس فعل سے بڑهکر اور کون سا فعل هے جو ایک مسلمان کیلیے عذاب الیم کا مستوجب هو ؟

یهي وجه هے که قرآن حکیم نے اس فعل کیلیے وه وعید فرمائي جو کسي معصیت کیلیے نهیں فرمائي - یعنے فجزاوه جهنم خالداً فیها ' وغضب الله علیه و لعنه - اسمیں خلود فی النار ' غضب ' لعنت ' تین چیزوں کا ذکر کیا هے ' اور تمام قرآن و سنت میں یه تینوں کلمات وعید کفار کیلیے مخصوص هیں - مسلمانوں کي نسبت کهیں استعمال نهیں کیے گئے - اس سے معلوم هوگیا که عام معاصي و فسوق سے اس فعل کي برائي کهیں زیاده هے - کفر صریح و قطعی کے بعد ' اور عام معاصی سے اشد ' کوئي فعل هوسکتا هے تو وه یهي هے - اور اسي لیے تمام احادیث میں اس فعل کو کفر فرمایا که " و قتاله کفر " اور " لا ترجعوا بعـــدی کفارا " معصیت و فسوق کا لفظ اسکي ناپاکي و ملعونیت ظاهر کرنے کیلیے کافي نه تها - جب مسلمان کو صرف دشنام دینا فسق هوا که " سباب المسلم فسوق " تو پهر اسکو قتل کردینا صرف فسق هي کیوں هو ؟

ثانیا ' جس طرح ایمان و اسلام کي ستر سے کچهه اوپر شاخیں هیں ' اور اُن میں سے هر شاخ ایمان و اسلام هے - " الایمان بضع و سبعون شعبة ' اعلاها لا اله الا الله و أدناها اماطة الاذي عن الطریق " (رواه مسلم و اصحاب السنن الثلاثه ' و رواه البخاري " بضع و ستون ") اسي طرح کفر کي بهي شاخیں هیں اور اعلي و ادنی مراتب هیں ' جیسا که اپنے مقـــام پر ثابت هوچکا هے ' اور اسي لیے صحـــابهٔ و سلف سے مروي هے " کفـــر دون کفر و ظلم دون ظلم " (١) - اور پهر جس طرح ایمان و اسلام اعتقادي بهي هے

---

(١) امام بخاري نے کتاب الایمان میں باب باندها هے " کفـــران العشیرة و کفر دون کفر " - لیکن در اصل یه خود صحابهٔ کرام کے آثار سے

اور عملي بهي - يعني اعتقاديات و معنويات ميں بهي هے ' اور عمليات و ظواهر ميں بهي - فكر ميں بهي هے اور فعل ميں بهي - ايمان بالله و الرسل بهي اسلام هے اور نماز بهي اسلام هے - ٹهيك اسي طرح كفر اور نفاق كي بهي دو قسميں هيں - اعتقادي اور عملي - ايك كفر و نفاق اعتقاديات و افكار كا هے - ايك اعمال و افعال كا - شرك كفر اعتقـــادي هے ' اور ترك صلواة متعمداً كفر عملي - پس يه جو فرمايا كه " سباب المسلم فسوق و قتاله كفر " اور فجزاوه جهـــنم خالداً فيهـــا اور " لا ترجعوا بعدى كفارا " اور " فليس منا " تو ان ميں اور عموم احكام كفر و اسلام ميں كوئي تعارض نهيں - نه لفظ " كفر " كي يهاں كوئي تاويل كرني چاهيے ' اور نه نفي اسلام كو نفي كمال پر محمول كرنے كي ضرورت - شارع نے جس فعل كو كفر كها ' وه كفر كے سوا اور كچهه نهيں هوسكتا ' اور جب تـك دنيا باقي هے وه كفر هي هے اور كفر هي رهيگا - البته يه كفر بهي مثل ديگر اعمال كفريه كے عملي كفر هے ' نه كه كفر اعتقادي و مخرج عن الملة - اسكا كرنے والا ويسا هي فعل كفر كا مرتكب هوگا ' جيسا نماز چهوڑ دينے والا مسلمان جسكے كفر پر صحابهٔ كرام كو اتفاق تها " و كان اصحاب رسول الله صلعم لا يرون شيئاً من الاعمال تركه كفر غير الصلواه " (ترمذي) " من الاعمال " كي قيد اسي حقيقت كي طرف اشاره هے كه عمل كي باتوں ميں جو بات كفر هوسكتي هے ' وه بات ترك صلواة سمجهي جاتي تهي - ليكن بلاشبه يه وه كفر نهيں هے جو مخرج عن الملة هے - جبتـك ايك شخص اعتقاد كے اُس دروازه سے پلٹ نه جاے ' جس دروازه سے اسلام ميں داخل هوا تها ' اُسوقت تك اُس معنى ميں كافر نهيں هوسكتا - ان الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء اور حديث ابو سعيد خدري كه " اخرجوا من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من الايمان " (رواه البخاري)

[بقيه نوٹ صفحه ٧٥]

ماخوذ هے - جيسا كه امام احمد نے كتاب الايمان ميں عطاء بن أبي رباح وغيره كے طرق سے روايت كيا هے - اور امام ابو الحسن اشعري نے بهي مقالات طوائف اسلاميه ميں لكها هے كه يه قول متعدد صحابه سے منقول هے ' اور سلف ميں عام طور پر زبان زد تها - (كما نقل عنه شيخ الاسلام ابن تيميه في كتاب الايمان)

پس اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ مسلمانوں پر ہتیار اُٹھانا شریعت کے نزدیک اُن انتہائی معاصی میں سے ہے ' جو عملی کفریات کا حکم رکھتی ہیں - اس لیے اُس کفر کے بعد جو مسلمان کو قطعاً کافر و مرتد کردیتا ہے' اس کفر سے بڑھکر عند اللہ کوئی برائی نہیں ' اور قریب ہے کہ اِس کا مرتکب اُس کفر کے حدود میں بھی داخل ہوجائے - کتاب و سنت نے جن جن لفظوں اور وعید و امتناع کے جیسے جیسے پیرایوں میں اس فعل کا ذکر کیا ہے' وہ عام معاصی و فسوق کے لیے کبھی اختیار نہیں کیے گئے ' اور وہ ایسے سخت و شدید ہیں کہ جس دل میں رائی برابر بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو ' اس کو لرزا دینے اور خوف الہی سے بد حال کر دینے کے لیے بس کرتے ہیں - اگر ایک مسلمان کا ایمان بالکل مردہ نہیں ہوگیا ہے' تو وہ سارے گناہ جو زمین پر کیے جاسکتے ہیں' اس سے سرزد ہو جا سکتے ہیں ' مگر اس کفر کے ارتکاب کا کبھی دھیان بھی نہیں کر سکتا -

قرآن میں " لعنت " اور " غضب " کا لفظ کفار و منافقین کے لیے مخصوص ہے - " لعنت " کے معنی یہ ہیں کہ رحمت الہی سے مہجوری اور ہر طرح کی کامیابیوں اور فلاح سے محرومی - یہودی ملعون و مغضوب ہوے اور عزت و حکومت سے ہمیشہ کیلیے محروم ہوگئے - سورۂ احزاب میں " منافقین " پر لعنت وارد ہوئی : ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ - الخ - چنانچہ وہ سب نابود و مخذول ہوگئے - چونکہ ایمان و اسلام کے خصائص بالکل اس سے متضاد ہیں - وہ رحمت الہی کا مورد اور فلاح و مراد کا سرچشمہ ہے - اس لیے کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جہاں ایمان ہو ' وہاں لعنت الہی کا بھی ورود ہوسکے - احادیث میں جا بجا ایسے واقعات ملینگے کہ سخت سے سخت معاصی و فسوق کا جن لوگوں سے ارتکاب ہوگیا تھا ' ان پر بھی " لعنت " کرنے سے آنحضرۃ نے روکا -

امام بخاری نے باب باندھا ہے " ما یکرہ من لعن شارب الخمر " یعنی جو مسلمان شراب پینے کی معصیت میں مبتلا ہو جاے ' اسپر لعنت کی ممانعت - اسمیں عبد اللہ ملقب بہ " الحمار " کا واقعہ بروایت حضرۃ عمر لاے ہیں - یہ شخص بار بار شراب نوشی کے جرم میں ماخوذ ہوچکا تھا - سزائیں پاتا تھا ' توبہ کرتا تھا ' پھر مبتلا ہوجاتا تھا - ایک مرتبہ جب ماخوذ ہوا ' تو بعض مسلمان بول اُٹھے " اللھم العنہ - ما اکثر ما یوتی بہ " اسپر خدا کی لعنت ہو - لیکن آنحضرۃ نے نہایت سختی سے روکا " لا تلعنوہ

(و في لفظ لا تلعنه) فو الله ما علمت انه يحب الله و رسوله " (و في رواية - فانه يحب الله و رسوله) اسپر لعنت نه بهيجو - يه الله اور اسکے رسول کو دوست رکهتا هے ! حافظ عسقلاني نے حافظ ابن عبد البر کا قول نقل کيا هے " انه اتى به اكثر من خمسين مره " فتامل !

اسي طرح حضرة ابو هريره کي روايت مندرجهٔ کتاب الديات بخاري که ايک شخص اسي جرم ميں ماخوذ هوا اور اسکو پيٹنے کا حکم ديا گيا - کسي نے کہا " اخزاک الله " خدا تجهے رسوا کرے - فرمايا " لا تقولوا هكذا - لا تعينوا عليه الشيطان " اور سنن ابوداؤد ميں ابن وهب کے طريق سے هے " و لكن قولوا اللهم اغفر له - اللهم ارحمه" بد دعا نه دو - بلکه يوں کهو - خدايا اسپر رحم کر - خدايا اُسے بخشدے ! قلت و ما اصلح في هذ المقام قول الشاعر العـــارف :

فداے شيوهٔ رحمت ' که در لباس بهار
بعذر خواهي رندان باده نوش آمد !

ليکن صرف قتل مسلم هي ايک ايسي معصيت هے جسکے ليے قران نے " لعنت " اور " غضب " کے الفاظ استعمال کيے ' اور احاديث ميں بهي جا بجا لعنت و ملعون کا لفظ وارد هوا - صرف اسي ايک بات سے فيصله کرلو - خواه يه فعل کفر قطعي و مخرج عن الملة هو يا نهو ' ليکن الله کي شريعت کے نزديک اُسکا ارتکاب کس درجه مبغوض و ملعـــون هے ؟ اور جو مسلمان اسکا ارتکاب کرتا هے ' وه الله کے حضور کس طرح اپنے اسلام و ايمان کي ساري رحمتيں اور برکتيں کهو ديتا هے ؟

ثالثاً ' اس باب ميں فيصله کن حديث وه هے جسکو هم نے به اتباع تبويب بخاري ' اس فصل کا عنوان قرار ديا هے - اور جسکو امام موصوف اور امام مسلم نے مختلف طريقوں سے روايت کيا هے - يعنى " من حمل علينا السلاح فليس منا " (رواه ابن عمر ' و سلمه ' و ابو موسى الاشعري - و في رواية سلمه " من سل علينا السيف ") جس مسلمان نے مسلمانوں کے مقابلے ميں هتيار اُٹهايا - يعنى حمله کيا يا لڑائي کي ' وه مسلمانوں ميں سے نهيں هے - " و معني الحديث حمل السلاح على المسلمين لقتالهم به بغير حق" (فتح ۱۳ : ۲۰)

یہ حدیث نہایت اہم ہے' اور من جملہ قواعد و کلیات شریعت کے ہے - اسی لیے امام بخاری نے کتاب الفتن میں ایک خاص عنوان باب قرار دیا ' اور امام مسلم کتاب الایمان میں لائے تاکہ حقیقت ایمان و کفر کی تحقیق میں اس سے مدد لیں ' اور حافظ نواوی نے ایک مستقل عنوان قرار دیکر باب باندھا -

" لیس منـــا " کے معنی ہیں " ہم میں سے نہیں ہے " یعنی ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے - آنحضرۃ صلعم کے طرز تکلم و خطاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ " لیس منا " وعید کا ایک ایسا جملہ تھا جو اُن موقعوں پر آپ استعمال فرماتے (۱) جہاں صریح و قطعی کفر کی جگہ کفر سے کوئی بہت ہی قریب اور اسلامی زندگی سے بہت ہی بعید حالت کا بتلانا مقصود ہوتا تھا - عام معاصی و فسوق سے یہ حالت زیادہ سخت مگر کفر قطعی سے کم ہوتی تھی - جن جن احادیث میں یہ لفظ آیا ہے ' اُن سب پر غور کیا جاے ' اور ایمان و کفر کے عملی مراتب کی حقیقت بھی پیش نظر ہو جو اوپر گزر چکی ' تو یہ بات واضح ہو جائیگی - پس کچھہ ضروری نہیں ہے کہ " لیس منا " کے یہ معنی کیے جائیں کہ " لیس علی ھدینا " یا ظاہر منطوق کو چھوڑکر کوئی اور تاویل کی جاے - یا نفی کو نفی کمال پر محمول کیا جاے -

صاحب شریعت نے جن کاموں کیلیے جو احکام دیے اور جو الفاظ استعمال کیے' ہمیں حق نہیں ہے کہ تاویل و توجیہہ کرکے اُنکے لغوی مفہوم کا اصلی زور و اثر گھٹانے کی کوشش کریں - ایسی کوششیں جن لوگوں نے کیں ' اُنھوں نے مسلمانوں کو اسلام و ایمان کی عملی زندگی سے محروم کردیا -

---

(۱) احادیث میں بعض اعمال کی نسبت " لیس منا " آیا ہے اور بعض کی نسبت " لیس مني " - جیسے " النکاح من سنتي فمن رغب عنها فلیس مني " دونوں میں فرق ہے - " لیس منا " میں جمع کا صیغہ ہے جس سے مقصود امت ہے - اور " لیس مني " میں اپنی ذات خاص کا ذکر ہے ' جس سے مقصـــود ترک سنت ہے - پس جن احادیث میں " لیس منا " کی وعیـــد آئی ہے ' اُنسے مقصود وہی ہوگا جو متن میں لکھا ہے ' اور جن میں " لیس منی " ہے ان سے مقصود صرف ترک اتباع سنت و اسوۂ نبوت ہوگا -

یہ جو آج تمام عالم اسلامی میں تقریباً در تہائی مسلمان عملاً یکقلم مرجی ر جہمی زندگی بسر کررہے ہیں اگرچہ اعتقاداً اہل سنت ہونے کا دعوا کرتے ہوں ' ار ر اسلام کی تعریف میں " عمل بالارکان " کا لفظ صرف درسی کتب عقائد کے صفحات پر رہگیا ہے ' عمل میں اسکا کوئی وجود نظر نہیں آتا ' تو اسکے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہی بدعت تاویل ہے - اسی بدعت کی وجہ سے اعمال کی اہمیت ر مطلوبیت بالکل جاتی رہی ارر ادعاء اسلام کا سارا دارومدار صرف چند جزئیات عقائد کے تحفظ ر نزاع پر رہگیا - یہ کیا بات ہے کہ ایک شخص کتنا ہی فاسق ر فاجر ہو ' لیکن اگر چند نزاعی عقائد میں ہمارا ہم داستان ہوتا ہے تو ہم اسکو دنیا کی سب سے بہتر مخلوق یقین کرتے ہیں ؟ اور ایک شخص کتنا ہی صاحب عمل ر صلاح ہو ' لیکن اگر چند اختلافی جزئیات عقائد میں ہم سے متفق نہیں ' تو پھر اُس سے زیادہ شر البریہ ہماری نظروں میں اور کوئی نہیں ہوتا ؟ رہی عملی مرجیۃ ر جہمیۃ اگرچہ زبان سے اِدعاء اتباع سنت ر سلف !

یہی وجہ ہے کہ آئمۂ سلف نے ہمیشہ ایسی تاویلوں سے انکار کیا ' ارر اُن تمام راہوں سے بچتے رہے جو راے ار ر تعمق کی بدعتوں تک لیجانے والی تھیں - اسی حدیث کی نسبت امام نواوی ار ر حافظ عسقلانی رغیر ہما لکھتے ہیں " ر کان سفیان بن عیینہ یکرہ قول من یفسرہ بلیس منا بلیس علی ھدینا ' ر یقول بئس ھذا القول - یعنی بل یمسک عن تاویلہ " (شرح مسلم مطبوعہ احمدی : ۶۹ - ر فتح الباری ۱۳ : ۲۰) یعنی سفیان بن عیینہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ " لیس منا " کی تفسیریوں کی جاے کہ " لیس علی ھدینا " ارر اس تفسیر کی نسبت کہا کرتے کہ کیا ہی برا قول ہے - مقصود اُنکا یہ تھا کہ ان نصوص کی تاویل نہ کرنی چاہیے -

اسی طرح شیخ عبد الوہاب شعرانی نے میزان میں امام سفیان ثوری کا قول نقل کیا ہے " ر من الادب اجراء الاحادیث التی خرجت مخرج الزجر والتنفیر علی ظاھرھا من غیر تاویل ' فانہا اذا اولت ' خرجت من مراد الشارع ' کحدیث : من غشنا فلیس منا - ر لیس منا من لطم الخدود ر شق الجیوب ر دعی بدعوۃ الجاھلیہ : فان العالم اذا اولہا بان المراد لیس منا فی تلک الخصلۃ فقط ' ای ر ہو منا فی غیرھا ' ھان علی الفاسق الوقوع فیہا ' ر قال مثل المخالفۃ فی خصلۃ واحدۃ امر سہل "

" لیس منا " کے صاف معنی یہ ہیں کہ " وہ ہم میں سے نہیں " یعنی مسلمانوں میں سے نہیں - اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی کسی جماعت پر بطور جنگ و قتال کے ہتیار اُٹھانا ایک ایسا فعل ہے جسکے کرنے کے بعد انسان مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں رہتا -

فصل

(اقسام ثلاثۂ قتل مسلم و حمل سلاح)

البتہ واضح رہے کہ قتل مسلم و حمل سلاح کی متعدد صورتیں ہیں ' اور ہر صورت کا حکم شرعی دوسرے سے مختلف ہے :

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ مسلمان مسلمان کو قتل کرے ' لیکن اس فعل کو جائز نہ سمجھے - اُسکی حرمت کا معترف ہو ' اور اس کے ارتکاب پر شرمندۂ و متاسف ' تو اسکا حکم وہی ہے جو گذشتہ فصل میں گزر چکا - یعنی وہ عملی کفر ہے ' مگر اُسکا کرنے والا ملت سے خارج نہیں ہو جائیگا - دنیا میں اسلام کے قومی احکام و معاملات اُس پر جاری ہونگے - عاقبت کا معاملہ اللہ کے ہاتھہ میں ہے -

باقی رہی یہ بات کہ قاتل مسلم کی توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں ؟ تو اس بارے میں خود صحابۂ و سلف سے اختلاف منقول ہے - ایک جماعت اس طرف گئی کہ سورۂ فرقان میں ہے : و الذین لا یدعون مع اللہ الہا آخر و لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق الخ - پھر فرمایا : الا من تاب و امن و عمل عملاً صالحاً فاولئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات پس اس سے معلوم ہوا کہ تمام معاصی کی طرح قتل نفس کے مرتکب کی توبہ بھی مقبول ہوسکتی ہے - لیکن حضرۃ عبد اللہ ابن عباس سے بخاری و مسلم و غیرھما میں مروی ہے کہ جو مسلمان مسلمان کو قتل کرے ' اسکی توبہ مقبول نہیں - وہ فجزاۂ جہنم خالداً فیہا الخ کے یہی معنی کرتے ہیں کہ " لا توبۃ لہ " اور صحیح بخاری کتاب التفسیر میں سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ ابن عباس سے " الا من تاب " الخ کی نسبت پوچھا گیا تو کہا " ھذہ مکیۃ - نسختہا آیۃ مدنیۃ التی فی النساء "

یعنی اس آیت نے سورۂ نساء کي آیت " من یقتل مومناً " نے منسوخ کردیا - پس قبولیت توبہ پر اس سے استدلال نہیں ہوسکتا - مسلم کي روایت زیادہ مفصل ہے: " لما أنزلت التي في الفرقان قال مشرکوا مکہ قد قتلنا النفس ودعونا مع اللہ الہا آخر و اتینا الفواحش - فنزلت الا من تاب و امن الخ - قال فہذہ لاولائک ' و أما التي في النساء ' فہو الذي قد عرف الاسلام ثم قتل مؤمنا متعمداً ' فجزاؤہ جہنم لا توبۃ لہ " یعنی جب سورۂ فرقان کي آیت و الذین لا یدعون مع اللہ الہا آخر و لا یقتلون النفس اتري تو مشرکین مکہ نے کہا - ہم تو یہ سب کام کرچکے ہیں - اب مسلمان ہوے بھي تو نجات کب ملیگي ؟ اسپر یہ آیت اتري کہ " الا من تاب و امن " یعنی ہاں - لیکن جس شخص نے توبہ کي ' ایمان لایا ' اچھے کام کیے ' تو اللہ اُسکي برائیوں کو محو کردیگا - لیکن " من یقتل مومناً " والي آیت مشرکین کیلیے نہیں ہے - مسلمانوں کیلیے اُتري ہے - یعنی جو شخص مسلمان ہونے کے بعد مسلمان کو قتل کرے ' تو اسکي سزا جہنم ہے اور اسکے لیے توبہ نہیں - انتہی

اور امام احمد و طبراني نے سالم بن أبي الجعد سے بطریق یحیي الحابر' اور نسائي و ابن ماجہ نے بطریق عمار ذہبي روایت کی ہے - ایک شخص نے ابن عباس سے اس بارے میں سوال کیا تو جواب دیا " لقد نزلت في آخر ما نزل و ما نسخہا شيء حتی قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ما نزل وحي بعد رسول اللہ " اسپر سائل نے کہا " أفرأیت ان تاب و امن و عمل عملاً صالحا ثم اہتدی" ؟ کہا " و أني لہ التوبۃ و الہدی"؟ یہ لفظ یحیي الحابر کا ہے - نسائي و ابن ماجہ کے الفاظ بھي قریب قریب ایسے ہي ہیں - حاصل ان تمام روایات کا یہ ہوا کہ ابن عباس سورۂ فرقان کي آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں ' اور اس بارے میں آخر تنزیل سورۂ نساء کي آیت " فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا " ہے - اور اسلیے وہ کہتے ہیں کہ مسلمان قاتل مسلم کیلیے توبہ نہیں -

اسمیں شک نہیں کہ حضرۃ ابن عباس کا مذہب کئي پہلوؤں سے قوي نظر آتا ہے :

اول تو اس بنا پر کہ سورۂ نساء کي آیت کا منطوق عدم قبولیت کیلیے ظاہر و نص ہے - خالداً فیہا و غضب اللہ علیہ و لعنتہ کا مطلب اسکے

سوا کچھہ نہیں ہو سکتا - اور منطوق مفہوم پر مقدم ہے جب تک اسکے خلاف کوئي سبب قوي موجود نہ ہو - کما تقرر في الاصول -

ثانیاً ' یہ کہنا کہ سورۂ فرقان کي آیت نے اسکو منسوخ کردیا ' صحیح نہیں ہو سکتا - کیونکہ آیۂ فرقان مکي ہے اور آیۂ نساء مدني - خود ترجمان القرآن اور حبر الامۃ یعنی ابن عباس شہادت دے رہے ہیں کہ " نزلت في آخر ما نزل و ما نسخها شيء " اور معلوم ہے کہ ناسخ کیلیے تقدم زماني ہونا ضروری ہے -

ثالثاً ' دونوں آیتوں میں حکم مشترک نہیں ہے کہ متاخرین کا مصطلحہ نسخ مانا جاسکے - دونوں کا مورد الگ الگ ہے - پس اگر نسخ ہو سکتا ہے تو سلف کي اصطلاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ ابن عباس نے کہا - یعني عام و خاص کا نسخ - سورۂ فرقان کی آیت میں ذکر کفار کا ہے - اور حکم بھی جو دیا گیا ہے وہ انہي کفار کی نسبت ہے جو کفر سے توبہ کریں اور ایمان لے آئیں - اور چونکہ " الایمان یهدم ما قبله " ہے - یعني اسلام تمام پچھلي برائیوں کو نابود کردیتا ہے' اسلیے جب شرک سے توبہ ہوسکتی ہے تو قتل نفس سے کیوں نہو ؟ قریش میں جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لاے ' اُن میں کون تھا جس نے خود مسلمانوں سے قتال نہیں کیا تھا ؟ یہي وجہ ہے کہ " الا من تاب " کے بعد " و امن" کا لفظ بھی موجود ہے - یعنے " توبہ کي اور ایمان لایا " جس سے واضح ہوگیا کہ یہ توبہ اسلام لانے والے کافر کی توبہ ہے' نہ کہ ایک مومن کی توبۂ معصیت بعد از اسلام - سورۂ فرقان کا آخري رکوع " و عباد الرحمن " سے پڑھو تو تمام آیات کا ٹھیک ٹھیک محل و مورد واضح ہوجایگا - وہاں ذکر خدا کے نیک بندوں کے اسلامی و ایماني اوصاف کا ہے - انہي میں اِن اوصاف کو بھي داخل کیا ہے کہ " نہ تو شرک کرتے ہیں ' نہ کسي نفس کو قتل کرتے ہیں ' نہ زنا کا اُنسے ارتکاب ہوتا ہے " - پھر بتلایا ہے کہ مسلمان جن برائیوں سے بچتے ہیں ' یہ وہ برائیاں ہیں جنکا نتیجہ عذاب جہنم ہے - اسکے بعد فرمایا " الا من تاب و امن " ہاں ' لیکن جو لوگ مسلمان ہو جائیں' تو انہوں نے کفر کي حالت میں اسطرح کے جسقدر افعال کیے ہوں ' اُنکا مواخذہ نہ ہوگا - اسلام اُنکي برائیوں سے آلودہ زندگي کو نیکیوں اور خوبیوں سے بھر دیگا -

پس اس آیت میں توبۂ کفر کي قبولیت کا ویسا ھي ایک حکم ہے جیسا صدھا مقامات میں وارد ہے - اس پر مسلمان قاتل مسلم اور مرتکب

حمـــل سلاح علی المسلم کے معاملہ سے کیا تعلق ؟ اور اگر اُسکا ذکر کسی دوسری آیت میں آیا ہے تو کیوں ناسخ و منسوخ ہونے کی ضـــرورت پیش آے ؟ دونوں صورتیں بالکل مختلف ہیں -

لیکن سورۂ نساء میں قتل نفس کی ایک خاص حالت کا ذکر ہے- یعنی اگر ایک مسلمان باوجود مسلمان ہونے کے مسلمانوں کو قتل کرڈالے تو اسکا کیا حکم ؟ فرمایا جزاوہ جھنم خالدا فیھا چنانچہ اس آیت سے پہلے ہے - وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطا - الخ پس زیادہ سے زیادہ دونوں آیتوں میں عام و خاص کا تعلق ہے- یعنی اس آیت نے آیت فرقان کی تخصیص کردی - اسی لیے حضرۃ ابن عباس نے کہا " نسختھا آیۃ مدنیۃ فی النساء " کیونکہ سلف کی اصطلاح میں " نسخ " کا اطلاق ہر طرح کی تخصیص و تقیئد پر ہوتا تھا - وہ معنی نہ تھے جو بعد کو اصولیوں نے قرار دیے- اور اسی اختلاف حالت و حکم کو واضح کرنے کیلیے انہوں نے کہا " فھذہ اولئک "یعنی آیت فرقان میں حکم کفار کیلیے ہے - اور امام بخاری کی روایت ابن جبیر بطریق شعبہ مندرجۂ کتاب التفسیر میں کہا " کانت ھذہ فی الجاھلیۃ " یہ حکم مشرکین جاھلیۃ کیلیے تھا - نہ کہ مسلمانوں کیلیے -

اور یہ جو انہوں نے کہا کہ والذین لا یدعون مع اللہ الھا اخر و لا یقتلون النفس الخ کے نزول پر مشرکین مایوس ہوگئے تھے ' اسلیے - " الا من تاب" اتری ' تو اسکی تائید مفسرین کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ " نزلت فی قوم یئسوا من التوبۃ " یعنی اُن لوگوں کے حق میں اُتری جو زمانۂ کفر کی بد عملیوں کی بخشش سے مایوس ہوگئے تھے- ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت اور سورۂ نساء کی ان اللہ لا یغفـر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء اور سورہ زمر کی آیۂ رحمت : یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ الخ وحشی قاتل حمزہ کے بارے میں اُتریں - وہ کہتا تھا کہ شرک میں ساری عمر کٹی' پیغمبر کے چچا کو قتل کیا ' فواحش میں ہمیشہ مبتلا رہا - انہی تین برائیوں سے اجتناب کا خاص طور پر آیت فرقان میں ذکر ہے - اب اگر میں مسلمان بھی ہوگیا تو کیا فائدہ ؟ مجھے تو نجات مل ہی نہیں سکتی - اسپر " الا من تاب و امن " اتری ' اور پھر مزید بشارت امید کیلیے سورہ نساء اور سورۂ زمر کی آیات نازل ہوئیں- تعجب ہے کہ بعض شارحین حدیث کو مذھب ابن عباس کی شرح و تطبیق میں مشکلات کیوں پیش آئیں ؟ انکا بیان تو بالکل صاف اور واضح ہے -

رابعاً ' احادیث سے بھي اس مذهب کي تائید هوتي هے - مثلاً امام احمد و نسائي کی روایت معاویه بطریق ادریس خولاني مرفوعاً "کل ذنب عسی الله أن یغفره الا الرجل یموت کافراً ' او الرجل یقتل مؤمنا متعمداً " یعني تمام گناه الله بخشدیسکتا هے لیکن وه شخص جو حالت کفر میں مرے ' یا وه جس نے جان بوجهکر مومن کو قتل کرڈالا -

باقی رهیں وه احادیث جن میں وسعت رحمت ' و عموم غفرو بخشش ' و عدم جواز یاس و قنوط وغیره کا ذکر هے ' تو اس مـــذهب کي بنا پر کها جا سکتا هے که وه بهي مثل تمام عمومات قران کے هیں ' جنکي تخصیص آیۂ نساء اور اسکی موبدات في السنة نے کردي - دونوں میں کوئي تعـــارض نهیں - قبل از اسلام معاصي کي بخشش تو مسلم هي هے - بحمت بعد از اسلام ارتکاب قتل میں هے - اسی طرح اگر حدیث اسرائیلي " الذي قتل تسعة و تسعین نفساً ثم اتی تمام المـــائه ثم تاب " پیش کي جاے ' تو جواب یه هوگا که اس کا محل بهی توبۂ اسلام هے - نه که توبۂ مسلم ' اور وه بهی مثل عمومات بشارات رحمت و بخشش کے هے - مخصصات پر اسکا کوئي اثر نهیں پڑتا -

غرضکـــه اس مذهب کي قوت میں کوئي شبه نهیں ' لیکن عام طور پر علماء نے دوسرے مذهب کو اختیار کیا - یعني قبولیت توبه کو - اور خوارج و معتزله کے غلو کي وجه سے اهل سنت کا رجحان اسي کی طرف بڑهتا گیا - وه کهتے هیں که ایسے شخص کا معامله بڑا هی سخت هے لیکن توبه قبول هو سکتی هے - الله کے هاتهه میں هے - چاهے بخشدے چاهے نه بخشے - اس میں شک نهیں که احتیاط حکم امید هی میں هے نه که پیام یاس و قنوط میں - ان الله لا یغفر ان یشرک به و یغفر ما دون ذالك لمن یشاء کے حکم کا عموم بڑا هي امید افزا هے ' اور اگر اس پر نظر ڈالي جاے ' تو کچهه شک نهیں که دوسرا مذهب هی محتاط معلوم هوتا هے -

(۲) قتل مسلم کی دوسري صورت یه هے که اس فعل کو حلال سمجهے - اور اس پر نادم و متاسف نه هو - مثلاً کوئي مسلمان فوج هو - وه یه سمجهے که لڑائی لڑنا تو همارا کام هی هے - مسلمان سامنے هونگے تو اُنهی سے لڑینگے - یعنی مسلمانوں پر تلوار اُٹهانا کوئی گناه کی بات نهیں - یا یوں سمجهیں که همارے مالکوں کا یهی حکم هے - همنے اُنکا نمک کهایا هے ' اسلیے همیں ایسا هی کرنا چاهیے - یعني اگر کوئی اپنا نمک کهلاکر حکم دے که مسلمانوں کو قتل کردو ' تو قتل کرنے میں کوئی مضائقه نهیں - تو اس صورت میں تمام امت

کا اجماعی فیصلہ یہ ہے کہ وہ شخص قطعاً و حتماً کافر ہے - یعنی اُس کفر کا مرتکب ہوا ہے جو ملت سے خارج کردیتا ہے - اسکا حکم شرعاً وہی ہوگا جو تمام کفار و مشرکین کا ہے - دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی - کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس کو مسلمان سمجھے ' اور اس سلوک کا حقدار کہے جو مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھہ کرنا چاہیے - یہ حکم خاص اس مسئلہ ہی پر موقوف نہیں ہے - ہر معطل حرام غیر مآول کے لیے یہی حکم ہے -

(۳) تیسری صورت قتل مسلم کی یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کے ساتھہ ہوکر اُنکی فتح و نصرت کیلیے مسلمانوں سے لڑے ' یا لڑائی میں اُنکی اعانت کرے - اور جب مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ ہورہی ہو ' تو وہ غیر مسلموں کا ساتھہ دے - یہ صورت اس جرم کے کفر و عدوان کی انتہائی صورت ہے ' اور ایمان کی موت اور اسلام کے نابود ہوجانے کی ایک ایسی اشد حالت ' جس سے زیادہ کفر و کافری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا - دنیا کے وہ سارے گناہ' ساری معصیتیں' ساری نا پاکیاں' ہر طرح اور ہر قسم کی نا فرمانیاں' جو ایک مسلمان جسم دنیا میں کرسکتا ہے ' یا انکا وقوع دھیان میں آسکتا ہے' سب اسکے آگے ہیچ ہیں - جو مسلمان اسکا مرتکب ہو ' وہ قطعاً کافر ہے ' اور بدترین قسم کا کافر - اسکی حالت کو قتل مسلم کی پہلی صورت پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا - اس نے صرف قتل مسلم ہی کا ارتکاب نہیں کیا ہے ' بلکہ اسلام کے برخلاف دشمنان حق کی اعانت و نصرت کی ہے - اور یہ با الاتفاق و بالاجماع کفر صریح و قطعی مخرج عن الملۃ ہے - جب شریعت ایسی حالت میں غیر مسلموں کے ساتھہ کسی طرح کا علاقۂ محبت رکھنا بھی جائز نہیں رکھتی ' تو پھر صریح اعانت فی الحرب اور حمل سلاح علی المسلم کے بعد کیونکر ایمان و اسلام باقی رہسکتا ہے ؟

فصل

(واقعۂ امام حسین علیہ السلام)

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اگر سلطان اسلام کو خلیفہ مان لینا چاہیے گر نا اہل ہو ' تو پھر حضرۃ امام حسین علیہ السلام نے یزید بن

معاویہ کی حکومت کے خلاف کیوں خروج کیا ؟ اور کیوں اُنکو برسر حق اور شہید ظلم و جور تسلیم کیا جاتا ہے ؟

پس گو بحث کے اس حصے کا طول بقیہ مطالب کی تشریح میں مخل ہوگا ' لیکن چونکہ اس معاملـــہ میں عام طور پر ایک سخت غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے ' اسلیے صاف کردینا ضروری ہے - یہ بالکل غلط ہے کہ حضرۃ امام حسین اُس حالت میں لڑے ' جبکہ وہ یزید کی حکومت کے مقابلے میں خود مدعی امامت اور طالب خلافت تھے - جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں' اُنھوں نے واقعۂ کربلا کا دقت نظر کے ساتھہ مطالعہ نہیں کیا - حالات میں اچانک ایسی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اس غلط فہمی کا پیدا ہوجانا عجیب نہیں - حضرۃ امام جب مدینہ سے چلے ' تو اُنکی حیثیت دوسری تھی - جب کربلا میں حق پرستانہ لڑکر شہـــید ہوے ' تو اُنکی حیثیت دوسری تھی - دونوں حـــالتیں مختلف ہیں - اس لیے دونوں کا حکم بھی شرعاً مختلف -

جب وہ مدینہ سے چلے ہیں تو حالت یہ تھی کہ نہ تو ابھی یزید کی حکومت قائم ہوئی تھی ' نہ اہم مقامات و مراکز نے اسکو خلیفہ تسلیم کیا تھا ' نہ اہل حل و عقد کا اسپر اجماع ہوا تھا - ابتدا سے معاملۂ خلافت میں سب سے پہلی آواز اہل مدینہ کی رہی ہے ' پھر حضرۃ علی کے زمانے میں مدینہ کی جگہ کوفہ دارالخـــلافۃ بنا - اہل مدینہ اسوقت تـک متفق نہیں ہوے تھے - کوفـــہ کا یہ حال تھا کہ تمام آبادی یکقلم مخالف تھی اور حضرۃ امام حسین سے بیعت کرنے کیلیے پیہم اصرار و الحاح کر رہی تھی - انہوں نے خود خلافت کی حرص نہ کی ' بلکہ ایک ایسے زمانے میں جب تخت حکومت سابق حکمراں سے خالی ہوچکا تھا اور نئے حکمران کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی ' ایک بہت بڑی مرکزی و موثر آبادی (یعنی کوفۂ و عراق) کے طلب و سوال کو منظور کرلیا - البتـــہ اس منظوری میں یہ مصلحت ضرور پیش نظر تھی کہ یزید جیسے نا اہل کی حکومت سے اُمت کو بچایا جاے -

اگر کہا جاے کہ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزیـــد کو ولی عہد مقرر کردیا - تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرعاً اولاد کی ولی عہدی کوئی شے نہیں ہے - اصلی شرط خلافت کی انعقاد حکومت ہے - یزید کو ولی عہد

مقرر کردیا ہو ' لیکن جب تک اسکی خلافت بالفعل قائم نہ ہوجاتی صرف یہ بات کوئی حجۃ نہ تھی - یہی وجہ ہے کہ جب یزید کی ولی عہدی کے لیے حضرۃ عبد اللہ بن عمر سے بیعت طلب کی گئی تو اُنھوں نے صاف انکار کردیا اور کہا " لا أبایع لامیرین " میں دو امیروں سے بہ یک وقت بیعت نہ کرونگا - یعنی خلیفہ کا اپنی زندگی میں ولی عہدی کے لیے بیعت لینا ایک وقت میں دو امیروں کی بیعت ہے جسکی شرعاً کوئی اصل نہیں - (رواہ ابن حبان و نقلہ فی الفتح)

لیکن جب وہ کوفہ پہنچے ' تو یکایک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے - تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھہ پر یزید کیلیے بیعت کرچکے ہیں ' اور سر زمین عراق کی وہ بے وفائی و غداری جو حضرۃ امیر کے عہد میں بارہا ظاہر ہوچکی تھی ' بدستور کام کر رہی ہے - یہ حال دیکھکر وہ معاملۂ خلافت سے دست بردار ہوگئے ' اور فیصلہ کرلیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں - لیکن ابن سعد کی فوج نے ظالمانہ محاصرہ کرلیا اور مع اہل و عیال کے قید کرنا چاہا - وہ اس پر بھی آمادہ ہوگئے تھے کہ مدینہ کی جگہ دمشق چلے جائیں اور براہ راست یزید سے اپنے معاملے کا فیصلہ کرالیں ' مگر ظالموں نے یہ بھی منظور نہ کیا -

اب امام کے سامنے صرف دو راہیں تھیں - یا اپنے تئیں مع اہل و عیال قید کرادیں - یا مردانہ وار لڑکر شہید ہوں - شریعت نے کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ناحق ظالموں کے ہاتھہ اپنے تئیں قید کرادے - پس اُنھوں نے دوسری راہ کمال عزیمۃ دعوۃ کی اختیار کی ' اور خود فروشانہ لڑکر حالت مظلومی و مجبوری میں شہید ہوے -

پس جس وقت کربلا میں میدان کار زار گرم ہوا ہے ' اُسوقت حضرۃ امام حسین مدعی خلافت و امامت نہ تھے - نہ اس حیثیت سے لڑ رہے تھے - اُنکی حیثیت محض ایک مقدس اور پاک مظلوم کی تھی جسکو ظالموں کی فوج ناحق گرفتار کرنا چاہتی ہے - وہ اپنے آپکو زندہ گرفتار کرادینا پسند نہیں کرتا ' اور چاہتا ہے کہ طاقتور ظلم کے مقابلے میں بے سر و سامان حق کی استقامت کا ایک یادگار منظر دنیا کو دکھلادے - تعجب ہے کہ یہ غلط فہمی صدیوں سے پھیلی ہوئی ہے - جسکو مفصل اور محققانہ بحث دیکھنی ہو ' وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی منہاج السنہ جلد ۲ - کا مطالعہ کرے -

فصل

(شـــرط قـــرشيـــة)

مندرجۂ بالا فصول سے یہ بات واضح ہوگئي کہ انتخاب خلیفۂ و امام کیلیے متعدد شرطیں ہیں - از انجملہ ایک عرصہ تک علماء کي راے رہي کہ خلیفہ کو خاندان قریش میں سے ہونا چاہیے - لیکن اگر امت کے لیے انتخاب کا موقعہ باقي نہ رہا ہو تو خلیفہ تسلیم کر لینے کیلیے بجز اسلام اور انعقاد حکومت (یعني حکومت کے جماؤ اور جگہ پکڑ لینے) کے اور کوئي شرط نہیں ہے - خلفاء راشدین کے بعد جامع الشروط سلسلۂ خلافت کوئي بھي قائم نہ ہوا - بنو امیہ و عباسیہ میں اگر ایک شرط قرشیۃ کي پائي جاتي تھي ' تو اور بہت سي اہم شرطیں مفقود تھیں - بنیادي شرط یہ ہے کہ حکومت تلوار کے زور سے نہ منوائي جاے بلکہ امت کے انتخاب و اجماع سے ہو' سو یہ شرط کسي کي خلافت میں بھي نہ تھي - پھر خلیفہ کو عادل و منصف ہونا چاہیے - حکومت نظام شوریٰ کے ساتھہ کرني چاہیے - سنۃ رسول اور سنت خلفـــاء راشدین پر عامل ہونـا چـاہیے - بجز عمر بن عبدالعزیز (رح) کے کوئي بھي ان سب کا جامع نہ تھا - عباسیہ کے بعد حکومت عجمیوں کے ہاتھہ آئي - پھر مصر کے عباسي خلفا کے بعد ترکوں کا خاندان عثمانیہ خلافت پر قابض ہوا - آخري مصري خلیفہ نے خود سلطان سلیم کے ہاتھہ پر بیعت کي - یہ خلافت بلا نزاع آجتک قائم اور تمام عالم اسلامي کیلیے شرع و امت کا مرکزي اقتدار ہے - اگر بنو امیہ و عباسیہ میں پانچ شرطیں نہیں پائي جاتي تھیں تو ان میں سات نہ سہي - یعني یہ عرب بھي نہیں اور قرشي بھي نہیں - لیکن چونکہ سوال خلیفہ کے انتخاب کا نہیں ہے بلکہ ایک قائم و نافذ خلافت کے ماننے کا ' اسلیے شرائط کي بحث کا یہاں کوئي سوال ہي پیدا نہیں ہوسکتا -

منجملہ شروط خلافت کے ایک متفق علیہ شرط حریت کي ہے - یعني خلیفہ آزاد ہو - غلام نہو - مصلحت و ضرورت بھي اسکي ظاہر ہے ' مگر معلوم ہے کہ تمام دنیا کي تاریخ میں صرف مسلمانوں ہي کي تاریخ اسکي

نظیر پیش کرسکتي ھے کہ غلاموں نے امامت کي ھے ' پادشاھت کي ھے ' اور تمام سادات و قریش اور شرفاء عرب و عجم نے انکے آگے اطاعت کا سر جھکایا ھے- خود حدیث میں وارد ھے " اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشي کان راسه زبیبه " اور روایت ابوذر عند مسلم کہ " و ان کان عبدا مجدع الاطراف " اور روایت ابن حصین کہ " و لو استعمل علیکم عبد یقود کم بکتاب اللـــه ' اسمعوا له و اطیعوا " یعني اگر ایک ذلیل سے ذلیل حبشي غلام بھي تمھارا امیر ھوجاے تو اسکي سنو اور اطاعت کرو - حافظ نواوي اسکي شرح میں لکھتے ھیں " و المراد اخس العبید - ای اسمع واطیع و ان کان دني النسب ' حتی لو کان عبد اسود مقطوع الاطراف ' فطاعته واجبة ' و یتصور امارة العبد اذا ولاه بعض الائمه ' او یغلب علی البلاد بشوکته و اتباعه ' و لا یجوز ابتـــداء عقد الولایة له مع الاختیار ' بل شرطها الحریـة " (جلد ۲ : ۱۲۵) یعني یه جو فرمایا کہ اگرچہ حبشي غلام ھو ' تو مقصود اس سے یه ھے کہ اگرچہ امیر نہایت ذلیل نسب و خاندان کا ھو ' لیکن اگر خلیفه ھوگیا ھے تو اطاعت کرو ' اور اسي بنا پر غلام امیر ھو سکتا ھے اگر کسي امام نے مقرر کردیا ھو - یا خود وہ شہروں پر غالب آکر مسلط ھوگیا ھو - البتہ جائز نہیں کہ ابتدا میں کسي غلام کو امیر منتخب کیا جاے کیونکہ آزاد ھونا شرائط امامت میں سے ھے " اور فتح الباري میں ھے " لو تغلب حقیقة بطریق الشوکة ' فان طاعته تجب اخماداً للفتنه " (۱۳ : ۱۰۹)

جب غلبہ و تسلط کي صورت میں خود حافظ نواوي (جو شرط قرشیة کے سب سے بڑے حامیوں میں سے ھیں) نص حدیث کي بنا پر تسلیم کرتے ھیں کہ ایک دني النسب ' خسیس الحال ' حبشي غلام ' امیر ھوسکتا ھے اگرچہ آزاد ھونا شرط ابتدائي ھے ' تو پھر ظاھر ھے کہ ایک غالب و مسلط خلیفہ کي خلافت کیلیے شرط قرشیة کا موجود نہ ھونا کیوں مخل ھو اگرچہ قرشیة ایک شرط ابتدائي مان لي جاے ؟

پس یہ مان لینے کے بعد بھي کہ قرشي ھونا شرائط شرعیہ میں سے ھے ' ترکان عثمانلي کي خلافة مسلمة و منعقدہ پر کوئي اثر نہیں پڑتا ' اور شرائط کي پوري بحث موجودہ مسئلہ سے یکقلم غیر متعلق ھے ' تاھم تحقیق مقام کے خیال سے بہتر ھوگا کہ اس شرط کي حقیقت پر بھي ایک فیصلہ کن نظر نظر ڈال لي جاے -

باب

" الا ئمة من قريش "

فصل

(تحقیق امارة قریش و شرط قرشیة)

جہانتک قرآن و سنت' آثار صحابہ' اور تمام دلائل شرعیہ و عقلیہ کا تعلق ہے' کوئي نص قطعي موجود نہیں ' جس سے ثابت ہو کہ اسلام نے معاملۂ خلافت و امامت صرف خاندان قریش کیلیے شرعاً مخصوص کردیا ہے - احادیث اس بارے میں جس قدر موجود ہیں' سب صحیح ہیں - یہ بھي مروي ہے کہ حضرة ابوبکر نے مجمع صحابہ میں اسکو پیش کیا اور کسي نے انکار نہ کیا - یہ بھي درست ہے کہ صحابہ میں ہمیشہ اس بات کي شہرت رہي - اور یہ بھي غلط نہیں کہ جب تک خاندان عباسیہ باقي رہا ' لوگ اسکو بطور ایک شرط کے سمجھتے رہے - با ایں ہمہ ان ساري باتوں کي حقیقت وہ نہیں ہے جو اب سمجھي جاتي ہے - ان ساري باتوں کے سچ ہونے کے ساتھہ یہ بھي سچ ہے کہ اسلام نے خلافت کو نہ کسي قوم میں مخصوص کیا ہے ' نہ کسي خاندان میں - اسلام جو اس طرح کي تمام قومي و نسلي امتیازات مٹانے ' اور ہمیشہ کیلیے صرف انسانیت کي بے قید و عام عظمت کو قائم کردینے ' اور " عمل " کے قانون الہي کے آخري اعلان کیلیے آیا تھا ' اسکے نام سے ساري باتیں مان لي جا سکتي ہیں ' لیکن اسکا وہم و گمان بھي نہیں کیا جاسکتا کہ اسنے خاندان و نسل کا کوئي امتیاز تسلیم کیا ہو - یہ کیونکر ممکن ہے کہ امتیاز نسب کے جس بت کو خود اس نے توڑا ہو' اسي کے ٹکڑوں کو پھر جوڑ کر از سر نو ایک نیا بت خانہ قائم کر جاے ؟

تفصیل و دلائل کي ضرورت نہیں - یہ بات ہر اس شخص پر جو اسلام سے کچھہ بھي واقفیت رکھتا ہے' روشن ہے کہ ہر طرح کي نسلي و خاندانی

امتیازات کے مٹانے میں اسلامی احکام و اعمال کا کیا حال رہا ہے ؟ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا جنکے غرور قوم و نسب کا یہ حال تھا کہ وہاں کا ایک چرواہا اپنے نسبی و خاندانی شرف کے سامنے قیصر و کسریٰ کو بھی ذلیل و حقیر سمجھتا تھا - عرب کے علاوہ بقیہ دنیا بھی طرح طرح کے قومی و وطنی امتیازات کی پرستش کر رہی تھی - اسلام نے اپنی دعوۃ کی سب سے پہلی اور کاری ضرب اسی غرور نسل و قوم کے بت پر لگائی' اور اللہ کے اس قانون فطرۃ کی عام منادی بلند کی کہ : یا ایہا الناس ! انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ ' و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا - ان اکرمکم عند اللہ اتقا کم (۴۹ : ۱۴) یعنی بنیاد ہر طرح کی فضیلت و بزرگی کی صرف عمل ہے ' اور کوئی شے نہیں - قوموں اور خاندانوں کی تفریق صرف اسلیے ہے کہ باہمدگر پہچان اور تمئیز کا ذریعہ ہو - اسلیے نہیں ہے کہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلائے - سب سے بڑا انسان وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو - اور فرمایا : لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ ' و ان لیس للانسان الا ما سعیٰ ' و ان سعیہ سوف یریٰ - (۵۳ : ۴۶) ہر انسان اپنے کاموں کا خود ذمہ دار ہے ' اور انسان کی تمام کامیابیوں اور سعادتوں کی بنیاد صرف اسکی کوشش اور اسکا عمل ہے - آنحضرۃ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زندگی بھر قول و فعل یہ رہا کہ " لیس منا من دعیٰ الی عصبیۃ " اور " لیس منا من قاتل علیٰ عصبیۃ " اور " لیس منا من مات علیٰ عصبیۃ " یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کی خصوصیت کے تعصب کی طرف لوگوں کو بلائے - وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی حالت میں دنیا سے جائے - وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی بنا پر لوگوں سے جنگ کرے ! دنیا کو چھوڑنے سے پہلے حجۃ الوداع میں جو آخری پیام امت کو سنایا ' اُسمیں بھی سب سے پہلی چیز یہی تھی - یعنی نوع انسانی کی عام مساوات کا اعلان : " لا فضل لعربی علیٰ عجمی ' و لا لعجمی علیٰ عربی - کلکم ابناء آدم " (شیخان) اور فرمایا " لیس لاحد فضل علیٰ احد الا بدین و تقویٰ - الناس کلہم بنو آدم ' و آدم من تراب " (رواہ الجماعہ) یعنی اسلام کا ظہور و قیام نوع انسانی کی مساوات اور باہمدگر برابری کا اعلان ہے - اب نہ کسی عرب کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عرب پر ملک و قوم کی وجہ سے فضیلت ملسکتی ہے - سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں ' اور وہی سب سے بڑا ہے جو عمل میں بڑا ہو :

معمورۂ دلے اگرت هست ' باز گـــرے
کین جا سخن به ملک فریدون نمي رود

عملاً یه حال تها که آپنے اپنی زندگی میں سب سے آخری فوجی مہم جو بهیجی ' اسکی سرداری اُسامه کو دي جنکے والد زید آپکے غلام تے - بعض ظاهر بینوں پر یه بات گراں گزري تو فرمایا " لقد طعنتم فی امارة ابیه و قد کان لها اهلاً ' و ان اسامه لها اهل " تم لوگ پہلے زید کي سرداري پر بهی طعن کرچکے هو ' حالانکه وه اس کام کا اهل تها ' اور اب اُسامه سردار بنایا گیا هے اور وه اس کام کا اهل هے - " اهل " کے لفظ پر زور دیا - یعنی طعن بیکار هے - کیونکه بنیاد معاملۂ امارت و سرداري کی صرف اهلیت و قابلیت هے - اور کچهه نهیں - حضرة عائشه کا قول مشهور هے " لو کان زید حیاً ' ما استخلف رسول الله غیره " اگر آنحضرة کے غلام زید زنده رهتے تو آپ اُنکے سوا اور کسي کو اپنا جانشین نه بناتے - (۱) اُسامه کو جس لشکر کی سرداری دي گئی تهي ' جانتے هو اسمیں کیسے کیسے لوگ شریک تے ؟ بڑے بڑے مهاجرین و قریش اور سادات عرب - جن میں سب سے پہلے حضرة ابوبکر صدیق کا نام نظر آتا هے - وهی ابوبکر (رض) جو چند دنوں کے بعد رسول الله کے جانشین اور تمام امت کے امیر هونے والے هیں !

بنـدۂ عشق شـدي ' ترک نسب کن جامی
کین دریں راه فـلاں ابن فـلاں چیـزے نیست !

---

(۱) الله الله ! اس بارے میں اسلام و پیروان اسلام کے معاملات کیسے عجیب و غریب رهچکے هیں ؟ آج مسلمانوں کو جو طرح طرح کے خاندانی امتیازات و تفریقات کی بت پرستانه پرستش کر رهے هیں ' کیونکر یاد دلایا جاے که کسي زمانے میں الله اور اُسکے رسول کے رشته کے سوا نه کوئی رشته مقبول تها - نه عمل کی بزرگی کے سوا کوئی بزرگی تسلیم کي جاتی تهی - حضرة عمر کا ایک واقعه اِنهي اُسامه کي نسبت ناقابل فراموش هے - اُنکے لڑکے عبد الله نے ایک بار شکایت کی که تقسیم اموال میں اُسامه بن زید سے مجهے کم درجه پر کیوں رکها جاتا هے ؟ حضرة عمر نے کها " کان ابوه احب الی رسول الله من ابیک ' و کان احب الی رسول الله منـک " اسلیے که تیرے باپ سے زیاده اُسکا باپ الله کے رسول کو پیارا تها ' اور اسلیے که وه خود بهی تجهسے

بلال حبشي ' صہیب رومي ' سلمان فارسي (رض) کا جو حال تھا ' معلوم ھے - بلال کو عمر فاروق جیسے قرشي نے " ھمارا آقا و سردار " کہا - اور صہیب کو دیکھتے تو کہتے " نعم العبد صہیب ! لو لم یخف اللہ لم یعصہ" صہیب اللہ کا کیا نیک بندہ ھے ! اگر خوف عذاب نہ ھوتا جب بھي اُسکي فطرۃ بدي پرمائل نہ ھوتي ! مرنے کے وقت وصیۃ کي کہ نماز جنازہ وھي پڑھائیں - سلمان کا یہ حال تھا کہ حضرۃ علي علیہ السلام فرماتے "سلمان منا اھل البیت" سلمان تو ھم اھل بیت نبوۃ میں سے ھے ! اسي چیز کا نتیجہ تھا کہ ایک صدي کے اندر ھي اندر عرب کي نسلي عصبیۃ کا نام و نشان باقي نہ رھا ' اور وہ زمانہ آگیا جب بزرگي و فضیلت کے ھر میدان میں سرداری و ریاست عجمیوں اور غلام زادوں کے ھاتھہ میں تھي - عرب اُنکے علم و عمل کے آگے اسي طرح جھک گئے تھے ' جس طرح ایک قرشي و ھاشمي کے آگے جھک سکتے تھے - حتی کہ خلیفۂ ھشام بن عبد الملک کو امام زھری سے کہنا پڑا " و اللہ لیسودن الموالي العرب ' و یخطب لھم علی المنابر ' و العرب تحتھم ! " (عقد الفرید)

پھر کیا ایسي حالت میں ایک لمحہ کیلیے بھي بار رکیا جاسکتا ھے کہ اسلام کا داعي تمام دنیا کو تو قومي و نسلي امتیازات کي غلامی سے نجات دلانا چاھتا ھو اور مساوات عامہ کی طرف بلا رھا ھو ' لیکن (نعوذ باللہ) خود اس درجہ خود غرض ھو کہ قیامت تک کیلیے پادشاھي و خلافت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۳)

زیادہ رسول اللہ کے نزدیک محبوب تھا ! یعنی بناے استحقاق ھماری آپس کي رشتہ داریاں نہیں ھوسکتیں - اللہ اور اسکے رسول کے نزدیک جو محبوب ھو ' وھي سب سے زیادہ حقدار ھے ' اور اُسي کو ھر طرح کي بڑائي پہنچتي ھے - ایسے صدھا واقعات اُن عہدوں میں گزر چکے ھیں - اسلام نے یہ انقلاب اُس ملک میں پیدا کردیا تھا جہاں کا بچہ بچہ غرور نسل و خاندان کے نشہ میں بدمست رھتا تھا - جو مغرور قریش کل تک قبائل یثرب کے شرفاء کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں اُنسے مقابل ھوں ' وہ اب غلاموں اور غلام زادوں کی سرداري بھی مان لینے کیلیے بلا چون و چرا طیار ھیں - سلطان اسلام کے لڑکے کے استحقاق پر ایک غلام زادہ کو ترجیح دي جا رھي ھے - وہ گردن جھکا دیتا ھے اور تسلیم کرلیتا ھے !

صرف اپنے ہی خاندان کیلیے مخصوص کردے ؟ وہ تمام نوع انسانی سے کہے کہ تمہارے سارے بناے ہوے حق جھوٹے ہیں - سچا حق صرف عمل اور اہلیت کا ہے - لیکن خود اپنے لیے یہ کر جاے کہ نہ تو عمل اور نہ اہلیت ' بلکہ صرف ملک ' صرف قوم ' صرف نسل ' اور صرف خاندان ؟

کیا اس سے بھی بڑھکر کوئی عجیب بات ہوسکتی ہے ؟

خیر ' یہ بات کتنی ہی عجیب ہوتی ' لیکن ہم بلا تامل بار کرلیتے اگر فی الحقیقت قرآن و سنت سے ٹھیک ٹھیک ثابت ہوتی - ہمارے نزدیک کسی اسلامی اعتقاد کی صحت و عدم صحت کا معیار صرف یہ ہے کہ کتاب و سنت سے بطریق صحیح ثابت ہو - یہ کچھہ ضروری نہیں کہ ہماری نارسا سمجھہ اُسکا احاطہ و ادراک بھی کرسکے - لیکن استعجاب کی ساری بنیاد ہمارا عقلی و قیاسی استبعاد نہیں ہے - یہی ہے کہ کسی نص سے ایسا ثابت نہیں ' اور چونکہ ثابت نہیں ' اسلیے ہم کو یقین ہے کہ اسلام کیلیے کوئی ایسی بات ثابت بھی نہیں ہونی چاہیے -

شارع کے بیانات ' انسان کی عام بول چال کی طرح مختلف قسموں کے واقع ہوے ہیں - از انجملہ ایک صورت احکام و اوامر اور تشریع کی ہے - یعنی بہ حیثیت شرع و دین کے کوئی حکم دینا اور قانون ٹھہرا دینا - دوسری صورت اخبار و اطلاعات کی ہے - یہ دوسری صورت مجرد بیان واقعہ و حال ہے ' اور اگر آیندہ کی نسبت ہے تو پیشین گوئی ہے - حکم اور تشریع نہیں ہے - یعنی صرف ایک خبر ہے کہ ایسا ہوگا - یہ نہیں ہے کہ ایسا کرنا چاہیے -

قریش کی خلافت کی نسبت جسقدر روایات موجود ہیں ' سب دوسری قسم میں داخل ہیں - نہ کہ پہلی قسم میں - اور جب اس حدیث کے تمام طریقوں اور لفظوں کو جمع کرکے دیکھا جاے ' تو بلا کسی اضطراب کے یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے :

(۱) یہ حدیث حضرۃ ابو ہریرہ ' ابو برزہ ' کثیر بن مرہ ' جابر بن عبد اللہ ' جابر بن سمرہ ' معاویہ بن سفیان ' وغیرہم مختلف صحابہ سے مروی ہے ' اور عمدہ طریق وہ ہیں جو بخاری و مسلم نے اختیار کیے ہیں - لیکن کسی طریق و روایت میں بھی کوئی ایسا لفظ مروی نہیں جس سے ثابت ہو کہ مقصود پیشین گوئی نہ تھا - تشریع و امر تھا -

عن ابي هريرة " الناس تبع لقريش في هذا الشان - مسلمهم لمسلمهم و كافرهم لكافرهم" (مسلم) دوسرے طريق ميں زيادہ وضاحت ہے " مسلمهم تبع لمسلمهم ' و كافرهم تبع لكافرهم " (مسلم) جابر كي روايت ميں " الناس تبع لقريش في الخير و الشر " ہے - امام نواوي اسكي شرح ميں لكھتے هيں " معناه في الاسلام و الجاهلية - لانهم كانوا في الجاهلية رؤساء العرب و اصحاب حرم الله و اهل الحج ' و كانت العرب تنتظر اسلامهم ' فلما اسلموا وفتحت مكه ' تبعهم الناس ' وجاءت وفود العرب من كل جهة ' و دخل الناس في دين الله افواجا " (جلد ۲ : ۱۱۹) پس معلوم هوا كه اس حديث كو مسئلۂ خلافت كے اختصاص و شرائط سے كوئي تعلق نهيں - مقصود يه ہے كه عرب ميں خاندان قريش حج كے اهتمام اور بيت الله كي همسايگي كي وجه سے تمام قبائل كي سرداري ركھتا تھا ' اور هر كام ميں سب كي نظريں اُسي پر اُٹھتي تھيں - جب تك مكه فتح نهوا اور قريش مسلمان نه هوے ' تمام عرب كے قدم رُكے رهے - جونهي قريش مسلمان هوے ' سب نے اُنكي پيروي كي ' اور اپنے اپنے وفد بهيجنا شروع كرديے - حتى كه تمام عرب مسلمان هوگيا - پس فرمايا " الناس تبع لقريش " لوگ جاهلية اور اسلام ' دونوں حالتوں ميں قريش كے تابع هوے - وہ بگڑے رهے تو سارا عرب بگڑا رها ' وہ سنورے تو سب سنور گئے - اور يه بالكل حق و معلوم ہے - هميشه اور هر ملك ميں سردار جماعتوں اور بڑے لوگوں كا ايسا هي اثر ملك و قوم پر هوتا ہے - اچھي بري ' هر طرح كي باتوں ميں لوگ اُنهي كي پيروي كرتے هيں - حضرة ابو بكر كي روايت سے يهي حديث مسند امام احمد ميں يوں مروي ہے " بر الناس تبع لبرهم ' و فاجرهم تبع لفاجرهم " اور بيهقي نے حضرة علي سے روايت كيا " كان هذا الامر في حمير فنزعه الله منهم و جعله في قريش " ليكن اس سے يه بات كيونكر ثابت هوئي كه مسلمانوں كا خليفه بجز اُنكے كوئي دوسرا هو هي نهيں سكتا ؟ اسلام صرف عرب هي كا اسلام نه تها جس كے سردار قريش تھے - اسلام تمام عالم كيليے اسلام ہے جسكي سرداري و رياست صرف علم و عمل حق هي كو ملسكتي ہے اور يه سرداري اسلام هي نے دلائي ہے !

(۲) امام بخاري نے جابر بن سمرة سے بطريق شعبه ايك اور حديث روايت كي ہے " سمعت النبي صلعم يقول يكون اثنا عشر اميراً - فقال كلمة لم اسمعها - فقال ابي انه قال كلهم من قريش " يه حديث مختلف

طریقوں اور لفظوں سے تمام اصحاب سنن و مسانید نے روایت کی ہے - صحیح مسلم میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے " لایزال امر الناس ماضیا ما ولیهم اثنا عشر رجلا - ثم تکلم النبي بکلمة خفیت علی - فسئلت ابي ماذا قال ؟ فقال کلهم من قریش " اور حصین بن عمران کے طریق سے " ان هذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیهم اثنا عشرة خلیفة " اور سماک بن حرب سے " لا یزال الاسلام عزیزاً منیعاً الی اثنی عشر خلیفة " مروی ہے - شعبي کے طریق عند ابي داؤد میں ہے " فکبر الناس و ضجوا " اور اسماعیل بن ابي خالد عن ابیه سے اُسی میں ہے " لا یزال هذ الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلهم یجتمع الامة علیه" طبراني نے اسود بن سعید کے طریق سے اسپر زیادت کي " لا تضرهم عدارة من عاداهم " بعض طریق میں ہے " لا یزال هذا الامر صالحاً " اور " ماضیاً " (روا هما احمد) اور بزار و طبراني نے ابو جحیفه سے روایت کي ہے " لا یزال امر امتي قائما حتی یمضي اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش " یهي روایت ابو داؤد میں اس اضافه کے ساتهه ہے " فلما رجع الی منزله اتته قریش فقالوا ثم یکون ما ذا ؟ قال ثم یکون الهرج" حاصل تمام روایتوں کا یه ہے که آپ آیندہ کي نسبت خبر دے رہے هیں اور فرماتے هیں - ضرور ہے که بارہ خلیفه هوں - سب قریش سے هونگے - کسي دشمن کي دشمني اُنکو نقصان نهیں پهنچا سکیگي - جبتک یه بارہ خلیفه حکمراں رهینگے " اسلام با عزت رهیگا " اور لوگ خوشحال -

اس طرز بیان کي وضاحت نے ظاهر کردیا که اس بارے میں جو کچهه کها جا رها ہے ' اس سے صرف آئندہ کي نسبت اطلاع دینا مقصود ہے - حکم و تشریع نهیں ہے - هم نے تمام روایات و طریق نقل کردیے - کسي روایت اور طریق سے بهي ایسا لفظ ثابت نهیں جس سے حکم و تشریع نکل سکے -

(۳) ان سب کے بعد وہ حدیث آتي ہے جسکو امام بخاري نے باب " الامـــراء من قریش " کي بنیـــاد قرار دیا ہے - تمام روایات کے ساتهه یه حدیث سامنے رکهلي جاے ' تو پوري طرح اصلیت روشن هو جائیگي - امیر معاویه کي مجلس میں ایک مرتبه ذکر آیا که عبد الله بن عمرو کها کرتے هیں " سیکون ملك من قحطـــان " قحطان میں سے ایک پادشاہ هوگا - امیر معاویه یه سنکر غضبناک هوے اور خطبه دیا : " بلغني ان رجالاً منکم یحدثون احادیث لیست فی کتاب الله و لا تؤثر عن رسول الله " الخ - مجهه تـک

یہ بات پہنچي ھے کہ تم میں کچھہ لوگ ھیں جو ایسي باتیں کہتے ھیں کہ نہ تو قرآن میں ھیں نہ رسول سے ثابت ھیں : " انی سمعت رسول اللہ یقول : ان ھذا الامر في قریش ' لا یعادیھم احد ' الا کبہ اللہ علی وجہہ ' ما اقاموا الدین " میں نے رسول اللہ سے سنا ھے کہ یہ بات (یعني حکومت) قریش ھي میں رھیگي جب تک وہ دین قائم رکھینگے - جو اُنکي مخالفت کرے گا ' اُلٹا رسوا ھوگا - یعني کامیاب نہوگا -

اس روایت نے سارا معاملہ حل کردیا - معلوم ھوگیا کہ ایک خاص وقت تک کے لیے یہ پیشین گوئي تھي' اور حرف بہ حرف پوري ھوئي - یعني آپ نے بتلادیا تھا کہ قریش میں جب تک دین قائم رکھنے کي قابلیت رھیگي' حکومت اُنھي کے قبضے میں رھیگي - جو اُنکے خلاف اُٹھے گا ' نا کام رھیگا - چنانچہ ایسا ھي ھوا - جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رھي ' اسلامي خلافت کے وھي مالک رھے - جب اسکے اھل نہ رھے' عجم و ترک نے یہ بار اُٹھالیا - بعکم ان یشا یذھبکم و یات بخلق جدید' و ما ذلک علی اللہ بعزیز (۳۰ : ۱۶) اور یستبدل قوماً غیرکم الخ - باقي رھا امیر معاویہ کا ابن عمرو پر انکار' تو یہ بھي صحیح نہ تھا - وہ صرف یہ بات سنکر گھبرا اُٹھے کہ دوسري بادشاھت بننے والي ھے - اصلیت پر غور نہیں کیا - قحطانی والي حدیث بطریق رفع ثابت ھے' اور قریش والي حدیث میں " ما اقاموا الدین" کي قید موجود ھے - پس دونوں میں کوئي تعارض نہیں - اسي بنا پر ائمۂ حدیث نے حدیث قحطاني اور حدیث قریش میں تطبیق دیتے ھوے صاف صاف لکھدیا کہ امارۃ قریش والي روایت تشریع نہیں ھے - محض خبر ھے - اور وہ بھي " ما اقاموا الدین " کے ساتھہ مقید - شیخ الاسلام لکھتے ھیں " ھذا انکار من معاویہ بلا تامل ' و الا ' فقد جاء حدیث القحطاني مرفوعاً ' و ما ذکر في المعارضہ ' فھو حجۃ لما فیہ من التقئید بقولہ : ما اقاموا الدین " اور حافظ عسقلاني نے فتح میں ابن التین کا قول نقل کیا ھے " الذي انکرہ معاویہ في حدیث ما یقویہ لقولہ ما اقاموا الدین فربما کان فیھم من لا یقیمہ فیتسلط القحطاني علیہ و ھو کافر مستقیم" (۱۳ : ۱۰۲) یعني امیر معاویہ کا انکار کردینا انکي بے غوري کا نتیجہ تھا - ورنہ قحطاني والي بات ثابت ھے - امیر معاویہ نے جو حدیث معارضہ میں پیش کي ' اس کا آخري ٹکڑہ خود انھي پر حجت ھے اور ابن عمرو کي تصدیق کر رھا ھے - یعني اس میں " ما اقاموا الدین "

کي قيد موجود هے - اس سے ثابت هوا کہ جب قريش ميں ايسے لوگ نہ رهينگے جو دين قائم رکھہ سکيں تو پھر کوئي غير قرشي مسلط هو جائيگا -

(۴) صحيح بخاري کے ترجمۂ باب سے واضح هوتا هے کہ امام بخاري کا بھي مذهب يهي هے - انهوں نے باب باندها هے " الامراء من قريش " قريش ميں امارت اور امراء - اس مضمون کا باب نہيں باندها کہ امارت هميشہ قريش هي ميں هوني چاهيے -

(۵) امام بخاری نے ايک دوسري روايت ابن عمر کي درج کي هے جو مسلم وغيرہ ميں بھي هے : " لا يزال هذا الامر في قريش ما بقي منهم اثنان " يعني يہ چيز قريش هي ميں رهيگي جب تک دو آدمي بھي اُن ميں باقي رهينگے -

اس روايت سے همارے بيان کي اور مزيد تصديق هوگئي - حديث کا منطوق صريح پيشين گوئي کا هے - اگر اسکا يہ مطلب قرار ديا جاے کہ جب تک دو انسان بھي خاندان قريش ميں باقي رهينگے ' خلافت اُنهي کے قبضہ ميں رهيگي ' تو يہ واقعات کے بالکل خلاف هے - دو کي جگہ هزاروں قرشي انسان موجود رهے اور خلافت قريش سے نکل گئي - پس ضرور هے کہ " ما بقي منهم اثنان " کے منطوق پر مفهوم کو ترجيح دي جاے - اور وہ يهي هے کہ اگر قريش ميں دو آدمي بھي ايسے باقي رهينگے ' جو خلافت کے اهل هونگے ' تو کبھي خلافت کے شرف سے يہ خاندان محروم نہ هوگا - مگر جب انقلاب حال سے ايسا وقت آجائے کہ دو آدمي بھي اهل نہ رهيں ' تو مشيت الهي اپنے قانون انتخاب اصلح کے مطابق دوسروں کو اس کام پر مامور فرماديگي ' اور قريش خلافت سے محروم هوجائينگے - چنانچہ تاريخ شاهد هے کہ ايسا هي هوا - معتصم کے بعد سے عباسيہ کا زوال شروع هوگيا تها - آخر ميں يہانتک پہنچ گيا کہ حکومت دوسروں کي تهي ' عباسي خليفہ صرف اپنے عشرت کدوں کيليے رهگيا تها - تاهم اقتدار خلافت اُنهي کا رها - کسي کو جرأت نہ هوئي کہ خلافت کا دعوا کرسکے - کيسي کيسي طاقتور اور باجبروت عجمي و سلجوقي حکومتيں قائم هوئيں ؟ ليکن سب اپنا بڑا سے بڑا شرف يهي سمجهتے رهے کہ مقام خلافت سے اُنهيں خدمت و ياوري خلافت کا کوئي لقب ملجاے ' اور بس - اگر ايک قرشي ' فاطمي ' عباسي ' تن تنها کسي هنگامۂ و قتال سے بچکر

نکل جاتا ' تو جس گوشۂ عالم میں پہنچ جاتا ' ایک عالم اُسکے ساتھہ ہوجاتا اور اپنی حکومت قائم کرلیتا - گویا ہر قرشي کے وجود میں ایک خلافت پنہاں تھي - ایک اموي شہزادہ شام کے قتل عام سے بچکر نکـــلا اور افریقہ ہوکر یورپ جاپہنچا - وہاں پانچ صدیوں تـک کیلیے اسپین کي عظیم الشان اسلامي سلطنت قائم ہوگئي - لیکن جب عرب و قریش کے تنزل و ادبار کا وہ آخري وقت آگیا کہ ہر قرشي بھي دنیا میں حکمراني کے اہل و لائق باقي نہ رہے ' تو تاریخ خلافت نے معاً صفحـــہ اُلٹ دیا ' اور یکقلم غیر عربي و غیر قرشي خلافت کا دور شروع ہوگیا - و کان وعداً مفعولا !

(۶) اشتباہ و اضطراب کے تمام پردے اُٹھہ جاتے ہیں جب ترمذي کي وہ روایت سامنے آجاتي ہے جس میں امارت قریش کے ساتھہ دو اور باتوں کا بھي ذکر ایک ہي سلسلے اور ایک ہي اسلوب میں کیا گیا ہے ' اور گویا روایت امارت کے متن کا وہ ایک متمـــم و مکمل ٹکڑہ ہے جو بقیہ طرق میں رہگیا تھا ' اس طریق میں ملجاتا ہے تا کہ اسکو جوڑ کر مضمون حدیث کامل کر لیا جاے - قریش والي حدیث اگرچہ مختلف راویوں سے مروي ہے ' لیکن سب سے زیادہ اور مشہور طرق ابو ہریرہ ' جابر بن سمرہ ' اور ابن عمر پر جاکر ختم ہوتے ہیں - اور امام مسلم ' احمد ' ابو داؤد طیالسي ' بزار ' طبراني کے تمام طریق تو حضرت ابو ہریرہ ھي کي روایت سے نکلے ہیں - انھي ابو ہریرہ سے بطریق ابو مریم انصاري ترمذي نے روایت کیا ہے : " الملك في قریش ' والقضاء في الانصار ' والاذان في الحبشه " (اسنادہ صحیح) اور امام احمد کثیر بن مرہ سے یوں روایت کرتے ہیں " الخلافة في قریش ' والحکم في الانصار ' و الدعوة في الحبشه " (رجاله موثقون - و ایضاً رواہ الطبرانی و البزار من وجه آخر)

اس روایت میں ایک ساتھہ تین باتوں کا ذکر ہے - خلافت قریش میں - قضاء و حکم انصار میں - اذان و دعوۃ اہل حبش میں - پس جو معني ایک بات کے ہونگے ' وھي بقیہ دو کے ہونگے - اور جو مطلب دو باتوں کا ہوگا ' وھي پہلي بات کا بھي ہوگا - اگر پہلي بات (یعني قریش کي حکومت) بیان حال اور پیشین گوئي نہیں ہے - امر و تشریع ہے - تو بقیہ دو جملوں کو بھي امر و تشریع قرار دینا پڑیگا - یعني ماننا پڑے گا کہ قاضي ہمیشہ انصاري ھي ہونا چاہیے ' اور مـــؤذن بجز حبشي کے دوسرا ہو نہیں سکتا - لیـــکن

معلوم ھے کہ آج تک نہ کسي نے ایسا کہا ' نہ یہ مطلب سمجھا ' نہ قضاء و اذان کیلیے کوئی شرعی اشتراط ملک و نسل کا تسلیم کیا گیا ھے -

پس جو مطلب اُن دو باتوں کا ھے ' وھی خلافت قریش کا بھی ھے - یا تو یہ بیان حال ھے - یعنی آنحضرۃ صلی اللہ علیہ و سلم کے عہد میں ایسا ھوا کہ آپ خود قرشي تھے اور مسلمانوں کے امیر و رئیس کل - قضاء پر اکثر انصار مامور ھوے ' اور اذان حضرت بلال دیتے تھے - پس " الملك في قريش ' و القضاء في الانصار ' و الاذان في الحبشه " کي تقسیم ھوگئي تھي - یا آیندہ کي نسبت خبر ھے کہ حکومت قرشیوں کے ھاتھہ میں رھیگی ' قضاء پر انصاري مامور ھونگے ' اور اکثر ایسا ھوگا کہ موذن حبشي ھوں - کوئي خاص آنے والا عہد پیش نظر ھوگا - اسي کي نسبت یہ خبر آپ کي زبان مبارک پر طاري ھوگئي -

(۷) اس حدیث کے جو متون و اسناد صحیحین نے اختیار کیے ھیں' اُنکے بعد سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ھے جسکو ابو داؤد طیالسي ' امام احمد ' ابو یعلي ' طبراني ' وغیرھم نے حضرۃ ابو برزہ اور انس سے روایت کیا ھے " الائمة من قريش ما حكموا فعدلوا ' و عدوا ' فوفوا ' و استرحموا " اور طبراني نے حضرۃ علي سے مرفوعاً روایت کیا ھے " الا ان الامراء من قريش ما أقاموا ثلاثا " الخ - اسي متن کو امام بخاري نے تاریخ میں اور طیالسي و بزار نے مسند میں حضرۃ انس سے یوں بھي روایت کیا ھے" الائمة من قريش ما اذا حكموا فعدلوا " نسائي و حاکم نے بھي ایک دوسرے طریق سے یہ روایت لي ھے - حاصل ان سب کا یہ ھے کہ فرمایا - امرا اور ائمہ قریش میں سے ھیں - جب تک ان میں عدل گستري ' ایفاء عہد ' اور رحم و شفقت کے اوصاف باقي رھینگے -

اس حدیث سے بھي ثابت ھوگیا کہ قریش کي خلافت اھلیت و صلاحیت کے ساتھہ مشروط تھي - یعني پہلے ھي سے کہدیا گیا تھا کہ جبتک صفات حسنہ اُن میں باقي رھینگے ' خلافت اُنھي کے قبضہ میں رھیگي - یہ بات نہ تھي کہ تشریعاً ھر حال میں خلافت کو اُنھي کا حق بتلایا ھو -

(۸) اس سے بھي بڑھکر یہ کہ بعض روایات میں قریش کي نسبت بصورت ظلم و جور و عدم اتباع شریعت' سخت کلمات وعید بھي آئے ھیں - حتی کہ کلمۂ " لعن " بھي آیا ھے - یہ بھي صاف صاف موجود ھے کہ

الله تعالی اپني سنت عادله کے مطابق ایسے لوگوں کو اُنپر مسلط کردیگا جنکا تسلط اُنکے لیے سخت اذیت و عقوبت کا موجب ہوگا - چنانچہ طبراني کي سابق الذکر روایت " ما اقاموا ثلاثا " الخ میں یہ بھي ہے " فمن لم یفعل ذلک فعلیه لعنة الله " یعني تین وصف عدالت ' ایفاء عہد ' اور رحم و شفقت کے بیان کرکے فرمایا - اور جس نے ایسا نہ کیا تو اسپر الله کي پھٹکار - اور احمد و ابو یعلي نے حضرة ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا " یا معشر قریش ! انکم اهل هذا الامر ما لم تحدثوا ' فاذا غیرتم ' بعث الله علیکم من یلحاکم کما یلحي القضیب " (رجاله ثقات الا انه من روایة عبید الله بن عبد الله بن عتبه بن مسعود ' عن عم ابیه عبد الله ابن مسعود ' و لم یدرکه - و ایضاً اخرجه احمد عن ابي مسعود الانصاري من طریق عبید الله و في سماعه نظر ' و له شاهد من مرسل عطاء بن یسار - اخرجه الشافعي و البیهقي بسند صحیح) یعني اے جماعت قریش ! جب تک تم کوئي نئي روش اختیار نہ کرو ' تم هي اس بات کے اهل هو - لیکن اگر تم نے اپنی حالت بدل دي تو یاد رکھو - الله تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کردیگا جو تم کو چھڑي کي طرح موڑ دینگے -

پس ان روایات سے دونوں باتوں کي مزید تصدیق ہوگئي - اول یہ کہ خلافت قریش کے تمام بیانات محض خبر هیں - تشریع و امر نہیں - ثانیاً ' پہلے سے خبر دیدي گئي ہے کہ ہمیشہ خلافت اُنهي میں نہیں رهیگي - چنانچہ حرف بہ حرف یہ پیشین گوئي پوري ہوئي ' اور قریش پر یکے بعد دیگرے ایسے لوگ مسلط ہوے ' جنہوں نے انکا سارا زور توڑ دیا - حتی کہ حکومت قریش کا دنیا میں نام و نشان تک باقي نہ رہا - فصلی الله علی الصادق المصدوق الذي لا ینطق عن شيء ' الا و جاء مثل فلق الصبح !

(۹) چنانچہ یہي وجہ ہے کہ جن لوگوں نے خلافت کو قریش میں مخصوص ثابت کرنا چاہا ' انکو بھي تسلیم کرنا پڑا کہ ان تمام روایات کا منطوق خبر کا ہے نہ کہ امر کا - اور کوئي حدیث ایسی قوي ظاهر الدلالة موجود نہیں جس سے انکا مدعا ثابت ہوسکے - وہ مجبور ہوے هیں کہ انهي احادیث کو تاویل و توجیہ کرکے امر پر محمول کریں - حافظ ابن حجر نے قرطبي کي نسبت لکھا ہے " کانه جنح الی انه خبر بمعنی الامر " (۱۳ : ۱۰۵) اور ابن منیر نے کہا " و الحدیث و ان کان بلفظ الخبر فهو بمعنی الامر کانه قال ائتموا بقریش خاصه " (ایضاً) پس اسپر سب متفق

ھیں کہ الفاظ حدیث میں صورت خبرکي ھے - امرکي نہیں - اور جب کوئي دلیل قوی و ظاھر موجود نہیں - نہ قران میں ' نہ سنت میں ' نہ اقوال صحابہ میں ' تو پھر کیا مجبوری پیش آئي ھے کہ یہ تاویلات اختیارکي جائیں ' اور نص کو بلا وجہ ظاھر و منطوق سے مصروف کیا جاے ؟

(۱۰) اس حـــدیث کي تمام روایات و طرق پر ھم نے نظر ڈال لی - اب صرف دو روایتیں اور رھگئیں جو مناقب قریش میں آئي ھیں ' اور جن سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ھے - بیھقي و طبراني نے جبیر بن مطعم اور ابن سائب سے روایت کیا " قـــدموا قریشا و لا تقدموھـــا " یعنی قریش کو مقدم رکھو - یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ قریش کو ھر بات میں آگے رکھو - خود پیچھے رھو -

لیکن قطع نظر قوت و ضعف روایت کے ' اس سے بھي یہ بات نہیں نکلتي کہ قریش کے سوا دوسرے کي خلافت جائز نہیں - قریش کو عرب میں ھر طرح تقدیم و ریاست حاصل تھي - لوگ انکي ریاست سے متاثر تھے - پس فرمایا کہ اس بات کا لحاظ رکھا کرو - اس سے یہ کہاں ثابت ھوا کہ امامت و خلافت کے حقدار ھمیشہ قریش ھي ھیں ؟

دوسري روایت امام احمد نے عمرو بن العاص سے روایت کي ھے - آنحضرۃ نے فرمایا " قریش قادۃ الناس " قریش لوگوں کے سردار ھیں - لیکن اسکو بھي اختصاص خلافت کے سوال سے کوئي تعلق نہیں - یہ تو معلوم ھے کہ سردار قوم تھے - لیکن اسکا حکم کہاں ھے کہ مسلمانوں کا خلیفہ صرف انھي میں سے ھوسکتا ھے ؟ کیا ایک ایسے اھم مسئلہ کیلیے اس طرح کي باتیں " نص " کا کام دیسکتي ھیں ؟

(۱۱) باقي رھي حدیث " الا ئمۃ من قـــریش " اور یہ استدلال کہ حضرۃ ابوبکر نے سقیفۂ بني ساعدہ کے مجمع میں بر خلاف انصار پیش کي اور سب نے تسلیم کرلیا ' تو اس سے بھي شرعاً اختصاص قریش کے دعوے کو کوئي مدد نہیں ملسکتي -

اولاً ' یہ الفاظ اور حضرت ابوبکر والي روایت بطریق اتصال ثابت ھی نہیں - فتح الباري میں ھے " الائمۃ من قریش - رجالہ رجال الصحیح لکن في سندہ انقطاع " (۱۳ : ۱۰۱)

ثانیاً ' اس سے بھي یہ کہاں ثابت ھوتا ھے کہ خلافت کا شرعاً حق بجز قریش کے اور کسي مسلمان کو نہیں ؟ یہ بھي آیندہ کي نسبت خبر ھے '

اور اُنہی حدیثوں کا ایک ٹکڑہ ہے جو دوسرے طریقوں سے صریح پیشین گوئی کے لفظوں میں پڑہ چکے ہو - حضرۃ ابوبکر نے یہ بات اسلیے پیش کی تھی کہ پیشتر سے ہونے والے واقعات کی خبر دیدی گئی ہے - پس ایسا ہی ہونا ضروری ہے - اسکے خلاف بات نہ اُٹھاؤ - یہ سنکر انصار مایوس ہوگئے اور تسلیم کرلیا -

ثالثاً " الناس تبع لقریش " والی روایت سے مدد لی جاے تو بالکل کھل جاتا ہے کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کا استدلال صرف قریش کی بزرگی وعظمت اور عرب میں اُنکی ریاست و سرداری سے تھا - نہ کہ شرعاً شرائط امامت سے - وہ بتلانا چاھتے تھے کہ خود آنحضرت نے فرمادیا ہے - جاھلیۃ اور اسلام ' دونوں میں لوگ قدرتی طور پر قریش کی سرداری سے متاثر ہیں اور رہینگے ' اسلیے یہ معاملہ بھی اُنہی کے قبضہ میں رہیگا - چنانچہ حضرۃ ابوبکر کا یہ مشہور جملہ اس مطلب کو پوری طرح کھول دیتا ہے جو سقیفہ میں کہا تھا " ان العرب لا تعرف ھذا الامر لغیر ھذا الحی " یعنے اھل عرب قریش کے سوا اور کسی قبیلہ کی سرداری سے آشنا نہیں - پس یہاں سرے سے شرائط شرعیہ کا سوال ہی نہ تھا - صرف ملکی و وقتی مصالح کی بنا پر استدلال تھا کہ کس قبیلہ و خاندان سے امام ہونا چاھیے جسکی سرداری عرب کے تمام قبائل بلا چون و چرا تسلیم کرلیں ؟

رابعاً ' یہی روایت بعض دیگر طرق سے صاف صاف خبر کی صورت میں آئی ہے - امر و تشریع کی اسمیں گنجایش ہی نہیں - ابن اسحاق نے کتاب الکبیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ کے مجمع میں فرمایا " ان ھذا الامر فی قریش ما اطاعوا اللہ و استقاموا علی امرہ " (فتح ۱۳ : ۱۰۳) یعنے یہ بات قریش میں رہیگی جب تک وہ اللہ کی اطاعت کرینگے اور اسمیں مستقیم رہینگے - پس معلوم ہوا کہ امام احمد والی روایت میں راوی نے بقیہ ٹکڑہ چھوڑ دیا ہے - صرف " الائمۃ من قریش " لے لیا - ورنہ حضرت ابوبکر نے وہی بات فرمائی تھی جو دیگر احادیث مرفوعہ میں بطور خبر کے ثابت ہوچکی ہے - علی الخصوص بخاری کی روایت معاویہ میں -

فصل

(دعـــوئے اجمـــاع)

اب صرف ایک بات رهگئي - یعنی علماء اسلام کا شرط قرشیة پر زور دینا ' اور قاضي عیاض رغیرہ کا دعوئے اجماع ' تو اس بارے میں چند امور قابل غور و نظر هیں :

اولاً اس امر کا کوئي ثبوت موجود نہیں کہ صحابہ خلافت کا شرعاً مستحق صرف قریش هي کو یقین کرتے تھے ' بلکہ اسکے خلاف شواهد موجود هیں - امام احمد نے حضرت عمر کا قول نقل کیا هے - اگر معاذ بن جبل میري وفات تـک زندہ رهے تو اپنے بعد اُنهي کو خلیـــفہ بناؤنـگا - یہ ظاهر هے کہ معاذ قرشي نہ تھے - انصار مدینہ میں سے تھے - اگر خلافت کیلیے قرشیة شرط هوتي تو حضرة عمر جیسا محرم اسرار خلافت کیونکر اُنکی خلافت کا تصور بهي کرسکتا تھا ؟ مسند امام احمد میں حضرة عمر کا ایک اور قول بهي ابو رافع کي روایت سے موجود هے " لو أدرکني احد رجلین ثم جعلت هذا الامر الیه ' او ثقت به - سالم مولي حذیفه و ابو عبیدة الجراح " اگر سالم مولی حذیفه اور ابو عبیدة الجراح میں سے کوئي ایک میري وفات تـک زندہ رهتا اور خلافت اُسکے سپرد کردیتا ' تو مجھے اس بارے میں پورا اطمینان و اعتماد هوتا - اگر حضرة عمر صدها صحابۂ و مهاجرین قریش کي موجودگي میں سالم مولی حذیفه کو خلافت سپرد کردینے کا ارادہ کرسکتے هیں ' تو پهر کیسے باور کیا جاسکتا هے کہ شرعاً خلافت غیر قرشي کو نہیں ملسکتي اور صحابہ کا اس پر اجماع هوگیا تھا ؟

چنانچہ اس بات کا خود آئمـــۂ متاخرین کو اعتراف کرنا پڑا - حافـــظ ابن حجر قاضي عیاض کا قول نقل کرکے لکھتے هیں " قلت و یحتـــاج من نقل الاجماع الی تاویل ما جاء عن عمـــر من ذلك - فقد اخرج امام احمد عن عمر بسند رجاله ثقات ان ادرکني أجلي الخ " إلی ان قال " فیحتمـــل ان یقـــال لعل الاجمـــاع انعقـــد بعد عمر علی اشتراط ان یکون الخلیفـــة قرشیـــاً ' او تغیر اجتهاد عمر في ذلك - و الله اعلـــم " (۱۳ : ۱۰۶) یعني یہ جو قاضي عیاض نے کہا کہ خـــلافت کے مخصوص

به قریش هونے پر اجماع هوچکا هے ' تو اجماع ماننے کي صورت میں حضرة عمر کے قول کي تاویل کرني پڑیگي جو امام احمد نے بسند صحیح معاذ بن جبل کے استخلاف کي نسبت روایت کیا هے - پھر کہتے هیں که اس کي یوں تاویل کي جا سکتي هے که شاید یه اجماع حضرة عمر کے بعد هوا هو - یا یوں کہا جاے که حضرة عمر کا اجتہاد اس بارے میں بدل گیا -

لیکن یه تاویلیں جس قدر نا قابل التفات هیں ' اهل نظر سے مخفي نہیں - اول تو جب اختصاص قرشیة کیلیے کوئي نص شرعي موجود نہیں تو تاویل کي ضرورت هي کیا هے ؟ ثانیاً کہاں تو یه دعوی کیا جاتا تہا که حضرة ابو بکر کي بیعت کے وقت سقیفه کے مجمع هي میں اس مسئله کا فیصله هوگیا ' اور تمام صحابه نے اجماع کرلیا که خلافت کے حقدار صرف قریش هي هیں - اور کہاں اب یه تاویل کي جاتي هے که حضرت ابو بکر کا پورا زمانۂ خلافت گزرگیا اور اجماع نه هوا ' حضرة عمر کي زمانۂ خلافت کے دس برس گزرگئے اور صحابه اس حکم سے بے خبر رهے ' لیکن اسکے بعد یکایک اس پر اجماع هوگیا ؟ پھر اگر اجماع هوا تو کب ؟ اور کونسی دلیل اس بارے میں موجود هے ؟

اگر سقیفۂ بني ساعد میں اجماع نہیں هوا ' نه خلافت صدیقي کے ڈهائي سال میں یه مسئله چهڑا ' اور نه عهد فاروقي کے بہترین دس سالوں میں صاف هوا جو فقه و علوم کی تنظیم و تحقیق کا اصلي عهد تها ' تو پھر کیا یه اجماع اُس وقت منعقد هوا جب حضرت عثمان کي شہادت کا هنگامه هوا تها ' یا اُسوقت جب جمل و صفین کے میدان کارزار گرم هوے تهے ؟

اصل یه هے که واقعات کے تسلسل و تواتر سے خود بخود ایسے اسباب پیدا هوگئے که لوگوں کو اجماع کا خیال پیدا هوگیا - یعنی چونکه ابتدا سے خلافت پر قریش هی کا قبضه هوا ' اور یکے بعد دیگر تمام سلاسل حکومت قرشی هی هوے ' اس لیے لوگوں نے سمجهه لیا که شرعی فیصله بهي یهي هے ' اور اس پر اجماع هوگیا هے - ورنه اجماع صحابه کا کوئی ثبوت موجود نہیں - اور نه عرصه تک کسي خاص خاندان میں حکومت کا رهجانا دلیل تشریع و انعقاد اجماع هوسکتا هے - خود خلفاء عباسیه کے عهد میں متعدد غیر قرشي مدعي اُٹهے ' اور بعضوں کا ساتهه هزاروں مسلمانوں نے دیا - وه نه خوارج میں سے تهے - نه معتزله میں - مگر یقین کرتے تهے که غیر قرشي خلیفه هوسکتا هے - حجاج کے زمانه میں ابن الاشعث نے خروج کیا اور امیر المومنین کا لقب اختیار کیا - حالانکه قرشي نه تها -

اندلس اور افریقہ میں عبد المومن صاحب ابن تؤمرت نے خلافت کے دعوے کے ساتھہ حکومت قائم کي اور اُسکي نسل میں عرصہ تک قائم رهي - ابن تؤمرت کي نسبت کون کہہ سکتا ھے کہ معتزلي تھا ؟ وہ امام غزالي کا شاگرد اور پکا اشعری تھا - عقائد اشاعرہ میں اسکا ایک رسالہ موجود ھے - مراکشي نے تاریخ مراکش میں تصریح کي ھے کہ بلاد مغرب میں اشعریۃ اُسیکے ذریعہ پہنچي اور اسي لیے خاندان عبد المومن کا سرکاری مذھب ھمیشہ اشعري رھا - لیکن یہ لوگ بھي قرشي نہ تھے - علاوہ بریں خود ائمۂ اشاعرہ میں سے بعض نے اس شرط سے انکار کیا ھے - جیسا کہ امام ابوبکر باقلاني کي نسبت ابن خلدون نے تصریح کي ھے - پس غور کرنا چاھیے کہ جس اجماع کي نسبت دعوا کیا جا رھا ھے' اور جو کبھي حضرۃ ابوبکر کي بیعت سے پہلے مجلس سقیفہ میں رونما ھوتا ھے ' کبھي وھاں سے روپوش ھوکر ساڑھے گیارہ برس تک مفقود ھو جاتا ھے اور حضرۃ عمر غیر قرشي کے استخلاف کا ارادہ کرنے لگتے ھیں ' پھر انکے بعد یکایک نمایاں ھونا چاھتا ھے ' لیکن پھر بھي اُسکا کچھہ پتہ نہیں چلتا - حتی کہ غیر قرشیوں کو ھزاروں مسلمان خلیفہ مان لیتے ھیں ' اور ائمۂ عقائد و کلام مختلف فیہ نظر آتے ھیں' فی الحقیقت اُسکا کوئي وجود ھے بھي یا نہیں ؟

حقیقت یہ ھے کہ نہیں ھے -

ثانیاً ' یہ ظاھر ھے کہ قریش میں خلافت ھونے کي نسبت جو کچھہ فرمایا گیا ' وہ محض آیندہ کي پیشتر سے اطلاع تھي - یعنی پیشین گوئي تھي - اور پیشین گوئیوں کا یہ حال ھے کہ جب تک اُنکا ظہور کامل طور پر نہ ھو جاے ' اُنکے معاني و مطالب کي نسبت کسي قطعي بات کا اختیار کرنا مشکل ھوتا ھے - اجتہاد و قیاس کیلیے کسي چیز میں اتني وسعت نہیں جسقدر پیشین گوئیوں میں ھوتي ھے - علی الخصوص جبکہ عموماً پیشین گوئیوں کا ایک خاص مبہم انداز بیان ھوتا ھے ' اور نہایت اجمال و اختصار کے ساتھہ محض اشارات کیے جاتے ھیں - جب تک اُنکا ظہور نہ ھو جاے' اشارات کي تفصیل اور اوصاف کے انطباق میں طرح طرح کي لغزشیں پیش آجاسکتي ھیں -

ظہور دجال کي پیشینگوئي اس معاملہ کیلیے ایک واضح مثال ھے - آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے تمام غیر معمولي اوصاف بیان کردیے تھے - با ایں ھمہ خود صحابۂ کرام میں اختلاف ھوا ' اور اپنے عہد کے مختلف اشخاص کو

بعض اوصاف کے اشتراک کی وجہ سے دجال سمجھتے رہے - آنحضرۃ کے زمانے ہی میں ابن صیاد کی نسبت حضرۃ عمر کو خیال ہوا تھا - حتی کہ اسکو قتل کرنا چاہا جیسا کہ امام بخاری کی روایت ابن عمر مندرجہ کتاب الجنائز میں موجود ہے - اور ایک دوسری روایت مندرجہ کتاب الاعتصام بالسنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرۃ عمر کو اسپر اسدرجہ یقین تھا کہ قسم کھا کر کہتے تھے - یہی دجال ہے - اور اسی لیے ابن جابر کو بھی اسپر پورا یقین تھا " روایت جابر بن عبد اللہ یحلف باللہ ان ابن الصیاد الدجال " اسی طرح ابو داؤد کی روایت نافع میں حضرۃ عبد اللہ بن عمر کی نسبت مروی ہے کہ قسم کھا کر کہتے تھے " و اللہ ما أشک ان المسیح الدجال ہو ابن صیاد " لیکن دیگر صحابہ کو اس سے اختلاف تھا - ابو سعید خدری سے جب ابن صیاد کی صحبت ہوئی تو اُنکا شک دور ہوگیا حتی کہ معذرت کرنے کیلیے آمادہ ہوگئے (کما فی المسلم) اور مسلم میں قصہ تمیم داری موجود ہے جسکی بنا پر لوگوں کو ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار تھا -

پس چونکہ یہ پیشین گوئی تھی ' اسلیے مشکل تھا کہ جب تک تمام واقعات پوری پوری طرح ظاہر نہ ہو جائیں ' اُنکا ٹھیک ٹھیک مطلب متعین کیا جا سکے - خلافت کا یہ حال رہا کہ گو ابتدا سے بہت مدعی اُٹھے ' مگر فی الجملہ نوریں صدی ہجری تک قریش ہی میں رہی ' اور اسی بات کی احادیث میں خبر بھی دی گئی تھی - جن علماء کی راے پیش کی جاتی ہے ' وہ سب وہی ہیں جنکا ظہور ساتویں صدی اور اُس سے پیشتر یعنی عہد خلافت قریش میں ہوا - پس ضرور تھا کہ معاملۂ خلافت کو ابتدا سے قریش ہی میں محدود دیکھکر یہ خیال پیدا ہو جاتا کہ خلافت اسی خاندان سے شرعاً بھی مخصوص ہے ' اور یہی مطلب تمام احادیث کا ہے - اگر وہ بعد کا حال دیکھتے تو معلوم کرجاتے کہ مقصود تشریع و حکم نہ تھا - محض خبر دی گئی تھی - وہ ان حدیثوں کا مطلب صرف اپنے وقت تک کے حالات کی روشنی ہی میں دیکھہ رہے تھے ' اور اسکے لیے مجبور و معذور تھے -

حافظ نواوی شرح مسلم میں لکھتے ہیں " و قد ظہر ما قالہ صلعم - فمن زمنہ الی الان الخلافۃ فی قریش من غیر مزاحمۃ لہم فیہا ' و تبقی کذالک ما بقی منہم اثنان " (جلد ۲ : ۱۲۹) یعنی جیسا فرمایا تھا ' ویسا ہی

هوا - آنحضرت صلعم کے زمانے سے ابتک خلافت بغیر کسي رکاوٹ کے قریش هي میں رهي - اور آیندہ بهي همیشه اُنهي میں رهیگي جبتک دو قرشي بهي دنیا میں باقي رهینگے -

حافظ نواوي کا سال وفات سنه ۶۷۶ھ هے - اور سال پیدایش سنه ۶۳۱ - یا اس سے بهي پہلے - آخري خلیفۂ بغداد المستعصم کو هلاکو نے سنه ۶۵۶ میں قتل کیا - پس گو اُنکي وفات فتنۂ تاتار کے بعد هوئي ' لیکن تصنیف و تالیف کا زمانه مستعصم کي خلافت هي کا زمانه هے - اگر شرح مسلم وغیرہ بالکل آخري عمر کی تصنیف ثابت هوجاے تو پهر خلفاء عباسیۂ مصر کا زمانه هوگا که في الجمله قریش کي خلافت قائم تهي - پس وہ اپنے زمانے تک خلافۃ کو صرف قریش هي میں قائم دیکهکر احادیث باب کے اسي مطلب پر قانع اور جمے هوے هیں ' اور اسي لیے " ما بقي منهم اثنان " کا بهي یهي مطلب سمجهتے هیں که جب تک خاندان قریش کے دو انسان بهي دنیا میں باقي رهینگے ' خلافت اُنهي میں رهیگي -

لیکن اگر اُنکو اپنے بعد کا حال معلوم هوتا تو کیا ایسا دعوا کرسکتے تهے ؟ کیا اُس صورت میں اپني تمام راے پر نظر ثاني نه کرتے ؟ وہ کیا جانتے تهے که عنقریب صفحه اُلٹنے والا هے ' اور خلافۃ نه صرف قریش سے ' بلکه عرب هي سے رخصت هو جانے والي هے -

اس سے بهي زیادہ بهتر مثال حافظ سیوطی کي هے - حافظ موصوف عباسیۂ مصر کے آخري عهد میں تاریخ الخلفاء اور حسن المحاضرہ لکهه رهے هیں - یعني هزارویں صدي کے اوائل میں - چونکه اسوقت تک مصر میں عباسي خاندان منصب خلافت پر ممتاز تها ' اور گو عالم اسلامي بهت سی نئي عجمي حکومتوں میں بٹ چکا تها ' تاهم لقب خلافۃ بجز عباسیۂ مصر کے اور کسي کے قبضه میں نه تها ' اسلیے انهوں نے تاریخ الخلفاء کے ابتدا میں ایک باب باندها هے " احادیث المبشرۃ بخلافۃ بني العبـــاس " اسمیں وہ تمام روایتیں جمع کي هیں جنمیں عباسیه کو خلافت پانے کي بشارت دي هے ' اور کها هے که تمهاري خلافت حضرۃ عیسیٰ کے نزول تک رهیگي - چنانچه ابو نعیم کي روایت میں هے - جب حضرۃ عبد الله بن عباس پیدا هوے تو آنحضرۃ نے فرمایا "هو ابو الخلفاء' حتیٰ یکون منهم السفاح' حتیٰ یکون منهم المهدي ' حتیٰ یکون منهم من یصلي بعیسیٰ بن مریم "

یعنی آپنے فرمایا عبد اللہ بن عباس خلفاء کا باپ ہے یہانتک کہ انہی خلفاء میں سے سفاح ہوگا ' اور انہی میں سے مہدی ہوگا ' اور اُنہی میں وہ ہوگا جو حضرت عیسیٰ کے ساتھہ نماز پڑھیگا -

اگرچہ یہ تمام روایتیں قطعاً جھوٹی ہیں - ابو مسلم خراسانی وغیرہ عباسی داعیوں کی بنائی ہوئی ہیں ' اور تمام ائمۂ حدیث و نظر نے اِنکے خرافات و وضعی ہونے پر اتفاق کیا ہے - لیکن چونکہ اُسوقت تک عباسیوں میں خلافت کا انتساب باقی تھا ' اور واقعات کی بنا پر اس پیشین گوئی کی تکذیب نہیں ہو سکتی تھی - نیز عباسی خلافت کا حاکمانہ اثر ان روایات کی مقبولیت کا باعث ہو رہا تھا ' اسلیے حافظ سیوطی انکےلیے ایک خاص باب قائم کرتے ہیں' اور اگر کسی روایت کو سنبھالنے کا ذرا سا بھی موقعہ ملجاتا ہے تو نہیں چوکتے- چنانچہ ابو نعیم اور دیلمی کی روایات سے کچھہ تعرض نہیں کیا ہے ' حالانکہ حافظ مزی ' ابن دقیق العید ' ابن کثیر ' وغیرہم نے سخت انکار کیا ہے ' اور ابن جوزی کتاب الموضوعات میں لائے ہیں- اس سےبھی بڑھکر یہ کہ دیباچہ میں بنوعبید کی خلافت پر بحث کرتے ہوے ان احادیث سے یقین کے لہجہ میں استدلال کرتے ہیں " ان الحدیث ورد بان ھذ الامر اذا وصل الی بني العباس لا یخرج عنھم حتی یسلمون الی عیسي بن مریم او المھدي " (تاریخ الخلفا ۸۰) یعنی یہ بات حدیث میں آچکی ہے کہ جب خلافت آل عباس تک پہنچیگی تو پھر اُنہی کے قبضہ میں رہیگی - یہانتک کہ وہ حضرت عیسیٰ یا امام مہدی کے سپرد کردیں -

لیکن اگر حافظ سیوطی پچیس برس اور زندہ رہتے اور دیکھہ لیتے کہ خلافت و حکومت کا نام و نشان تک عباسیہ میں باقی نہ رہا ' تو پھر اُنکو پورا پورا یقین ہوجاتا کہ عباسیہ کو آخر عہد تک خلافت و پادشاہت کی کوئی بشارت نہیں دی گئی ہے ' اور یقیناً یہ تمام حدیثیں وضعی ہیں جیسا کہ ائمۂ اثر فیصلہ کر چکے ہیں -

چنانچہ یہ بات صاف صاف تتبع و نظر سے واضح ہوجاتی ہے کہ خلافت عباسیۂ بغداد کے تنزل اور عجمی حکومت کے ظہور و عروج کے ساتھہ ہی علماء کی آراء میں بھی تدریجی تغیر شروع ہوگیا تھا ' اور اشتراط قرشیۃ میں وہ زور باقی نہ رہا تھا ' جو قاضی عیاض وغیرہ کی مصنفات میں پایا جاتا ہے - اکثر

علماء نے جب دیکھا کہ " ما اقاموا الدین "کی شرط کا ظہور شروع ہوگیا ہے اور حکومت قریش کے قبضہ سے نکل گئی ہے ' تو اُنکی راے بدل گئی ' اور قاضی عیاض والے اجماع کے دعوے میں تامل کرنے لگے - علامۂ ابن خلدون (المتولد سنہ ۷۳۲) مقدمۂ تاریخ میں شرط قرشیۃ پر بحث کرتے ہوے لکھتے ہیں : " لما ضعف امر قریش ' و تلاشت عصبیتهم بما نالهم من الترف و النعم و بما انفقتهم الدولة في سائر اقطار الارض ' عجزوا عن حمل الخلافة ' و تغلبت علیهم الاعاجم و صار الحل و العقد لهم ' فاشتبه ذلک علی کثیر من المحققین ' حتی ذهبوا الی نفي اشتراط القرشیة و عولوا علی ظواهر في ذلک مثل قوله صلعم : اسمعوا و اطیعوا و ان امر علیکم عبد حبشي ما اقام فیکم کتاب الله " یعنی جب قریش کی قوت کمزور ہوگئی - عیش پرستیوں میں پڑکر اپنی عصبیۃ مٹا دی - خلافت کا بوجھ اُٹھانے سے عاجز ہوگئے ' تو عجمیوں نے اُنپر غلبہ حاصل کرلیا ' اور خلافت کا فیصلہ اُنہی کے ہاتھوں میں چلا گیا - یہ انقلاب دیکھکر بہت سے محققین کے نزدیک قرشیۃ کی شرط مشتبہ ہوگئی - یہانتک کہ انہوں نے اس شرط سے انکار کردیا - انتہی -

اشاعرہ کے امام الائمہ قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی یہی مذہب اختیار کیا تھا کہ قرشیۃ کی شرط ضروری نہیں - یہی ابن خلدون لکھتے ہیں " و من القائلین بنفي اشتراط القرشیة ' القاضي ابوبکر الباقلاني "

عباسیہ بغداد کے انقراض کے بعد مصر میں عباسی خلافت کا دوسرا دور شروع ہوا ' اسلیے اس عہد کے علماء مصر نے (مثلاً حافظ ابن حجر ' قاضی عینی ' جلال الدین سیوطی و غیرہم) قرشی خلافت کو فی الجملہ قائم پایا - لیکن جب یہ نقش بھی مٹ گیا ' اور وہ زمانہ آیا جسکی خبر دیدی گئی تھی کہ " بعث الله علیکم من یلحاکم کما یلحی القضیب " تو جو اہل نظر اس انقلاب کے بعد پیدا ہوے ' انہوں نے صاف صاف لکھدیا کہ اشتراط قرشیۃ کا کوئی ثبوت نہیں ' اور نہ خلافت قریش کا وہ مطلب ہے جو ابتک سمجھا جاتا تھا - چنانچہ تیرھویں صدی کے مشہور مجدد فقہ و حدیث امام شوکانی یمنی وبل الغمام میں شرط قرشیۃ کے دلائل نقل کرکے لکھتے ہیں " لاریب ان في بعض هذه الالفاظ ما یدل علی الحصر ' و لکن قد خصص مفهوم الحصر احادیث وجوب الطاعة لغیر القرشي " الی ان قال " و الاخبار منه صلعم بان الائمة

من قریش ' هو کالاخبار منه بان الاذان فی الحبشه و القضاء فی الازد ' و ما هو الجواب عن هذا ' فهو الجواب عن ذلک - و تخصیص کون الائمة من قریش ببعض بطونهم ' لا یتم الا بدلیل ' و الاخذ بما وقع علیه الاجماع لا شک انه احوط ' و اما انه یتحتم المصیر الیه ' فلیس بواضح ' و لو صح ذلک ' لزم بطلان اکثر ما دونوه من المسائل و المقام و المراکز ' و ما احقه بان لا یکون کذلک " یعني اگرچه امامة قریش کي روایات میں ایسے الفاظ هیں جنسے قریش کي خصوصیت معلوم هوتي هے ' لیکن وجوب طاعت امام کے عام احکام کتاب و سنة میں موجود هیں - وه دلالت کرتے هیں که غیر قرشي کي بهي اطاعت امت پر قرشي هي کي طرح واجب هے - باقي رهي یه بات که آنحضرة نے قریش میں امامت کي خبر دي ' تو اس سے یه لازم نهیں آتا که اُنکے سوا کوئي دوسرا امام هوهي نهیں سکتا - یه ویسي هي خبر هے جیسي اس بارے میں خبر دي که اذان کا کام اهل حبش میں هے اور قضاء ازدیون میں - جس طرح ان روایتوں سے یه بات نهیں نکلتي که مؤذن اور قاضي صرف حبشي اور ازدي هي هونے چاهئیں ' اُسي طرح یه بات بهي ثابت نهیں هوتي که امام صرف قرشي هي هوسکتا هے - جو جواب اُنکا دیا جائیگا ' وهي اسکا هوگا -

یه واضح رهے که جن جن علماء حدیث و کلام کے اقوال سے یه اجماع ثابت کیا جاتا هے ' وه سب کے سب اُسي عهد کے هیں جبکه خلافت عباسي قائم تهي - بعد والوں نے جو کچهه لیا هے ' اُنهي سے لیا هے - سب سے زیاده اعتماد اس بارے میں قاضي عیاض کے بیان پر کیا جاتا هے جنکا قول نواوي نے شرح مسلم اور منهاج میں نقل کیا هے - انکا سال وفات سنه ۵۴۴ هجري هے -

پهر یه بهي واضح رهے که اجماع کے دعوے نے عام طور پر جو وسعت اختیار کرلي هے ' اور جس طرح بتدریج اس لفظ کا استعمال اپنے لغوی و اصولي معنی سے هٹ کر مختلف مصطلحه معنوں میں هونے لگا هے ' اسکو فراموش نهیں کرنا چاهیے - علی الخصوص فقهاء مذاهب کے استعمالات متکلمین اور ارباب اصول کے مصطلحه اجماع سے بالکل مختلف هیں - هر مذهب کے فقها بلا تامل اپنے مسلک کو " جمهور " اور " اجماع " کے لفظ سے تعبیر کر دیتے هیں - اسمیں کسی کا مطلب کچهه هوتا هے کسي کا کچهه - صاحب هدایه وغیره کے نزدیک عدم وجوب قرأة فاتحه خلف امام اور

افضلیت اسفار جمہور کا قول ہے - بعضوں نے اجماع تک کہدیا - لیکن شوافع و محدثین کہتے ہیں کہ قرأۃ فاتحہ ہی جمہور کا مذہب ہے اور اسی پر جماہیر علماء کا اتفاق ہے - اِنہی حافظ نواوی کی (جو اشتراط قرشیۃ کو جمہور کا مذہب بتلاتے ہیں) شرح مسلم دیکھہ لی جاے - کس طرح شافعیہ کا ہر مذہب اُنکے نزدیک " جمہور " کا مذہب ہے ' اور مخالف کا ہر قول شاذ - شافعیہ اور حنفیہ کی خلافیات میں تقریباً دو تہائی مسائل تو ضرور ایسے ہونگے جنکی نسبت ہر جگہہ شرح مسلم میں پاؤگے : " ھذا مذھب الشافعی و الجماھیر ' و خالف فیہ ابو حنیفہ " یعنی امام شافعی اور جمہور کا مذہب یہی ہے مگر امام ابو حنیفہ نے اس سے خلاف کیا - اگر ہمارے علماء احناف حافظ نواوی کی ان تمام جمہوریات و اجماعیات کو تسلیم کرلینے کیلیے طیار ہیں ' تو خیر ' اشتراط قرشیۃ کا ایک اجماع اور سہی - لیکن یاد رہے کہ یہ وہی بات ہوگی :

گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد !

ثانیا ' ہمارا خیال ہے کہ یہ بات بھی اور بے شمار باتوں کی طرح وقت کے سیاسی اثرات کا نتیجہ تھی - یہ ظاہر ہے کہ معاملۂ خلافت ابتدا سے سخت کشمکش و تزاحم میں رہا - جو خاندان قابض ہوا ' اُسکو رقیبوں اور دعویداروں کی طرف سے ہمیشہ کھٹکا لگا رہا - پس جبکہ خلافت اہل عرب کے ہاتھہ میں تھی ' تو وہ کیسے گوارا کرسکتے تھے کہ عجمیوں کے ولولوں کی اس بارے میں جرأت افزائی کی جاے ؟ اور عرب میں سے بھی جب خاص خاندان قریش میں تھی جو ہر طرح سیادۃ و بزرگی رکھتا تھا ' تو وہ کیونکر پسند کرسکتے تھے کہ غیر قرشی خلافت کا وجود تسلیم کرکے غیر قرشیوں کو ہمتیں دلائی جائیں اور مادی طاقت کے ساتھہ شریعت کی حمایت کا سہارا بھی اُنہیں حاصل ہوجاے ؟ بخاری کی روایت میں پڑھچکے ہو کہ امیر معاویہ نے قحطانی پادشاہ کے ظہور کی روایت سنی تو کس درجہ مضطرب اور غضب ناک ہوے ؟ اور کسطرح فوراً قریش والی روایت کا اعلان کردیا تاکہ پہلے ہی سے سد باب ہوجاے ؟ جن علمـــاء کے اقوال پر متاخرین فقہاء و متکلمین کا اعتماد ہے ' وہ سب کے سب وہی ہیں جنکا ظہور آخر عہد عباسیہ میں ہوا ہے جب قرشی خلافت قائم تھی - مثلاً قاضی عیاض و امام نواوی و غیرہم - پس وقت کی حکومت کا جو پولیٹکل اثر سب پر پڑ رہا تھا ' وہ بھی یہی تھا کہ خلافت کو حکمران خاندان کی قوم اور

خاندان سے مخصوص سمجھا جاے اور تمام ایسي باتوں میں جس میں اجتہاد راے کو دخل ہو ' فکر و قیاس کا میلان قدرتي طور پر اُسي جانب ہو جاے - علی الخصوص جبکہ اسکے لیے کسي غلط بیاني یا تحریف احکام کي ضرورت نہ تھي - واقعي احادیث موجود تھیں - صرف مفہوم کي تعیین میں اجتہاد کو کام کرنا تھا - اس مسئلہ پر موقوف نہیں' وقت کے پولیٹکل اثرات بے شمار چیزوں میں اندر ھي اندر کام کرچکے ھیں' اور آج اُنکا پتہ لگانا بہت دشوار ھوگیا ھے - ساتویں صدي ھجری میں جب خلافت بغداد کا خاتمہ ھوگیا ' تو آھستہ آھستہ اس اثر سے افکار خالي ھونے لگے ' اور بتدریج بحث و نظر کي صورت دوسری ھوگئي - حافظ عسقلاني اور قاضي عیني جو آٹھویں صدي میں یا نویں کے اوائل میں بخاری کي شرح لکھہ رھے ھیں' اُنکے مباحث پڑھو تو قاضي عیاض اور نواوي سے اُنکا رنگ مختلف نظر آئیگا -

قاضي عیني بخاري کي حدیث معاویہ " ما اقاموا الدین " کي شرح میں لکھتے ھیں " اي مدة اقامتھم امور الدین - قیل یحتمل ان یکون مفھومہ فاذا لم یقیموہ لا یسمع لھم " یعني یہ جو حدیث میں ھے کہ " جب تک دین قائم رکھینگے " تو اسکا یہ مطلب بھي ھوسکتا ھے کہ جب وہ وقت آجاے کہ قریش اقامت دین نہ کریں تو اُنکي بات نہیں سني جائیگي - حافظ عسقلاني گو اشتراط قرشیۃ سے صاف صاف انکار نہیں کرتے - لیکن طرز بحث و نظر کے اضطراب و ضعف نے خود بخود مسئلہ کا مخالف پہلو قوي کردیا ھے اور یہ ایک نظر واضح ھوجاتا ھے کہ وہ اس بارے میں کوئي مضبوط راے نہیں رکھتے اور اگر مائل ھیں تو انکار کي طرف - اشتراط قرشیۃ کے موٴیدین کے جس قدر دلائل ھیں ' اُن میں سے کوئي دلیل ایسي نہیں جس پر اُنھوں نے سنگین اعتراضات نہ کیے ھوں اور وہ مجروح ھوکر نہ رھگئي ھو - جو صاحب مزید بصیرت حاصل کرني چاھیں' فتح الباري جلد ۳ - کتاب الاحکام کے ابواب " الامراء من قریش " اور " السمع و الطاعۃ للامام " ملاحظہ فرمائیں -

غرضکہ جہاں تک تمام احادیث و دلائل پر نظر ڈالي جاتي ھے ' اشتراط قرشیۃ کیلیے کوئي نص موجود نہیں ' اگرچہ بصورت اشتراط بھي موجودہ مسئلۂ خلافت پر کوئي اثر نہیں پڑ سکتا - موجودہ مسئلہ انتخاب امام کا نہیں ھے - امام قائم و نافذ کي امامت و اطاعت کا ھے -

باب

خلافة آل عثمان

فصل

(چند لمحات تاریخیه)

اب بہتر ہوگا کہ تھوڑي دیر کیلیے ہم آگے بڑھنے سے رک جائیں ' اور گذشتہ تیرہ صدیوں کي طرف مڑ کے دیکھیں کہ خلافت اسلامیہ کے مختلف دوروں کا کیا حال رہا ہے ؟

" الخلافة بعدي ثلاثون سنة " (میرے بعد خلافة خاصہ ۳۰ برس تک رہیگي) کي خبر کے مطابق خلفاء راشدین کا دور ۳۰ - برس تک رہا - سنہ ۱۱ - ہجري سے شروع ہوا اور ٹھیک سنة ۴۱ تک باقي رہا - اسي سنہ سے بنو امیہ کي خلافت کا دور شروع ہوتا ہے اور سنہ ۴۱ - ھ سے سنہ ۱۳۲ - ھ تک قائم رہتا ہے - اسکے بعد خلافت نے ایک نیا ورق اُلٹا ' اور خاندان عباسیہ کا سلسلہ شروع ہوا - خلافت کا سب سے بڑا سلسلہ یہي ہے جو سنہ ۱۳۲ - سے ۶۵۲ - ھ تک قائم رہا - چونکہ کامل پانچ صدیوں تک حکمراني ایک ہي گھرانے میں رہي ' اسلیے وہ تمام ذہني و جسماني اور اجتماعي و مدني فسادات کمال درجہ تک پیدا ہوگئے ' جو ہمیشہ استداد سلطنت اور عروج تمدن کے لازمي نتائج رہے ہیں - قریش کي نسبت فرمایا تھا " ما اقاموا الدین " جب تک وہ دین قائم رکھینگے ' حکومت اُنہي میں رہیگي - سو اب ٹھیک ٹھیک وہ وقت آگیا تھا - قریش و عرب میں دین قائم رکھنے کي صلاحیت مفقود ہوگئي تھي - قیام دین کا کام دوسري قومیں اور طاقتیں انجام دے رہي تھیں - پس وہي ہوا جو تاریخ عالم کے ہر ایسے دور میں ہوتا آیا ہے - سنہ ۶۵۶ - میں ہلاکو خان تاتاري نے بغداد پر حملہ کیا اور آخري خلیفۂ عباسي المستعصم

باللہ کے خون نے بہکر ہمیشہ کیلیے عربي و قرشي حکومت کے خاتمہ کا اعلان کردیا - مستعصم کا قتل فی الحقیقت عربي خلافت کا قتل تھا : (۱)

و ما کان قیس ھلکہ ھلك واحد
و لکنہ بنیان قوم تھدما !

یہ سب کچھہ ہوچکا ' مگر ابھي پیشیں گوئي کي ایک آخري سطر باقي تھي - یعني " ما بقی منھم اثنان " قریش سے حکومت نکل جائیگي - پر نکل جانے پر بھي اُنکي عظمت رفتہ کا یہ اثر باقي رھیگا کہ اگر دو قرشي بھي کسي گوشہ میں نکل آئینگے تو لوگ خلافت کا اُنھي کو مستحق مانینگے - بغداد میں قرشي خلافت مٹي ' لیکن مٹتے مٹتے بھي ایک آخري نقش چھوڑ گئي - وہ بغداد کي خون آلود خاک سے اُٹھا اور تین سو برس تک کیلیے مصر میں جاکر جم گیا - البتہ یہ جماؤ قرشي حکومت کا جماؤ نہ تھا - محض اس کے نقش قدم کا تھا :

گرچہ ھم صفحۂ ھستي پہ تھے اک حرف غلط
لیکن اُٹھے بھي تو اک نقش بٹھا کے اُٹھے !

---

(۱) فتنۂ تاتار کا ظہور مسلمانوں کیلیے وھي معاملہ تھا جو بني اسرائیل کے لیے بخت نصر کے ظہور میں تھا - ثم بعثنا علیکم عباداً لنا اولي باس شدید - فجاسوا خلال الدیار - و کان وعداً مفعولا (۱۷ : ۶) بحکم " یأتي علی امتي ما اتي علی بني اسرائیل حذو النعل بالنعل " (صحیحین) اس اُمت پر بھي وہ سب کچھہ گذرنے والا ھے جو بني اسرائیل پر گزر چکا - بني اسرائیل پر غفلت و ضلالت کے دو سب سے بڑے دور آئے - اس لیے دو ھي مرتبہ عام بربادي بھي چھائي اور اُنکي تعذیب کیلیے دو جابر و قاھر قومیں مسلط ھوئیں : و قضینا الی بني اسرائیل في الکتاب لتفسدن في الارض مرتین و لتعلن علواً کبیرا (۱۷ : ۵) پہلي بربادي بخت نصر کے ھاتھوں ھوئي : عباداً لنا اولي باس شدید - اور دوسري تیتس قیصر روم کے ھاتھوں - معلوم ھوتا ھے کہ اسي طرح اس امت پر بھي طغیان و عصیان کے دو بڑے وقت آنے والے تھے ' اور اُنکے نتائج دو معذب قوموں کي شکل میں ظاھر ھوے - قوم تاتار اور اقوام یورپ - بني اسرائیل کی پہلي بربادي خود ایشیاء ھي کي ایک قوم کے ھاتھوں ھوئي - یعني اھل بابل کے ھاتھوں - اور دوسري کا ظہور یورپ سے ھوا - یعني روم سے - ٹھیک اسي طرح اُس امت کیلیے بھي پہلا فتنہ ایشیاء کا تھا ' دوسرا یورپ کا - پہلا ھوچکا - دوسرا ھو رھا ھے -

عباسي خاندان کے دو چار آدمي بغداد کے قتل عام سے بچکر نکل گئے تھے - اُنھي میں مستعصم کا چچا احمد بن ظاھر عباسي بھي تھا - وہ سنہ ۶۶۰ میں مصر پہنچا - وھاں ایوبي خاندان کے ممالیک کي حکومت قائم تھي اور ملک ظاھر بیبرس حکمراں تھا - اُسکو احمد کے خاندان کا حال معلوم ھوا تو منصب خلافت کا حقدار تسلیم کر لیا اور اُس کے ھاتھہ پر بیعت کرلی -

احمد بن ظاھر نے المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا اور بیبرس کي معیت و اعانت حاصل کرکے کوشش کي کہ دار الخلافۃ بغداد کو تاتاریوں کے تسلط سے نجات دلائے - لیکن کامیابي نہوئي اور لڑائی میں شہید ھوا -

اب پھر وہ وقت آگیا تھا کہ قریش سے خلافت کا انتساب بالکل معدوم ھو جاے ' لیکن " ما بقی منھم اثنان " کي پیشین گوئي آخر تک اپنے عجائب دکھلانے والي تھي - قتل عام بغداد سے ایک اور عباسي شہزادہ ابو العباس احمد بن علي بچکر نکل گیا تھا اور حلب میں مخفي تھا - اُس کا حال بیبرس کو معلوم ھوا تو بڑے اعزاز و اکرام سے مصر لایا اور اس کے ھاتھہ پر بیعت کرلي - حاکم بامر اللہ کے لقب سے وہ مشہور ھوا - اسی کی نسل میں مصر کي عباسی خلافت ۲۹۱ برس تک قائم رھي - یعني سنہ ۶۶۰ ھ سے سنہ ۹۲۳ ھجري تک -

اس عرصہ میں عالم اسلامي دو صدیوں تک طرح طرح کے انقلابات وحوادث سے تھہ و بالا ھوکر بالاخر ایک نئے دور میں منتقل ھوچکا تھا - عثماني ترکوں کي حکومت قسطنطنیہ میں قائم ھوکر یورپ و ایشیا کے اندر ھر طرف پھیل رھي تھي - سنہ ۹۲۳ - ھ (۱۵۱۷ - مسیحي) میں سلطان سلیم خاں اول نے مصر و شام پر قبضہ کیا ' اور آخري عباسي خلیفہ المتوکل نے اُسکے ھاتھہ پر بیعت کرکے تمام حقوق و امتیازات خلافت سپرد کردیے - حقوق خلافت کے علاوہ جو چیزیں اس سلسلہ میں سلطان سلیم کو دي گئیں ' اُن میں سب سے بڑي چیز مقامات مقدسہ و حرمین کي کنجیاں تھیں ' اور بعض آثار نبویہ - مثلاً آنحضرۃ صلي اللہ علیہ و سلم کي تلوار - جھنڈا - ایک چادر - یہ آثار اسوقت تک قسطنطنیہ میں بطور سند خلافت کے موجود ھیں - اسي تاریخ سے عثماني سلاطین نمایاں طور پر " خلیفہ " کے لقب سے دنیا میں مشہور ھوے ' اور حجاز اور مصر و شام کے منبروں پر اُنکا ذکر بہ حیثیت امیر المومنین کے ھونے لگا - حج کي امارت بھي اُنھي کے قبضہ میں آگئي جو شرعاً خلافت کے اھم ترین فرائض میں سے ھے -

سلسلۂ خلافت کي یہ ایک مجمل تاریخ ھے - بالفرض خلیفۂ متوکل عباسي نے سلطان سلیم کے ھاتھہ پر بیعت نہ کي ھوتي ' جب بھي آیندہ پیش آنے والے واقعات کا قدرتي نتیجہ یہي تھا کہ تمام عالم اسلامي کي خلافت کا منصب عثماني سلاطین ھي کے قبضہ میں آجاے - وقت کي جو اسلامي سلطنت سب سے بڑي اور سب سے زیادہ شرع و ملت کي حفاظت کي طاقت رکھتي ھو ' وھي شرعاً خلافت کا منصب رکھہ سکتي ھے - گذشتہ چار صدیوں کے اندر اسلامي حکومتوں کے انقلابات کا جو حال رھا ھے ' اُنکو دیکھتے ھوے کون کہہ سکتا ھے کہ یہ حق بجز اس سلطنت کے اور کسي سلطنت کو ملسکتا تھا ؟ خود ھندوستان میں سلاطین مغلیہ کي حکومت قائم تھي - وہ ھندوستان کے اندر اپنے ھي کو امام سمجھتے تھے ' لیکن عالم اسلامي کي خلافت عظمیٰ کا دعویٰ کبھي اُنکے وھم و خیال میں بھي نہیں گزرا ' اور اگر گزرتا تو دنیا ماننے کیلیے طیار نہ تھي - ابتدا سے لیکر آخر تک مقام خلافت کي جو اھم و مشترک خصوصیات رھي ھیں اور جنکو تمام دنیا کے مسلمانوں نے عملاً بطور اسناد خلافت کے تسلیم کرلیا ھے ' وہ خلفاء عباسیہ کے بعد صرف عثماني سلاطین ھي کو حاصل ھوئیں - کوئي دوسري اسلامي حکومت اس عام اقتدار و اختیارات کے ساتھہ قائم نہ ھوسکي -

فصل

(خلافت و امامت سلاطین عثمانیہ)

اس عارضي وقفہ کے بعد اب ھم پھر آگے بڑھتے ھیں - سلطان سلیم خان اول کے عہد سے لیکر آجتک بلا نزاع سلاطین عثمانیۂ ترک تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام ھیں - ان چار صدیوں کے اندر ایک مدعي خلافت بھي اُنکے مقابلہ میں نہیں اُٹھا - بنو امیہ اور عباسیہ کے عہدوں میں بے شمار رقیبوں اور دعویداروں کي کشمکش نظر آتي ھے ' لیکن سلاطین عثمانیہ کي خلافت کي پوري تاریخ میں کسي ایک مدعي خلافت کا نام بھي ڈھونڈھکر نہیں نکالا جا سکتا - حکومت کے دعویدار سیکڑوں اُٹھے ھوں ' مگر اسلام کي مرکزي خلافت کا دعویٰ کوئي نہ کرسکا -

صدیوں سے اسلام و بلاد اسلام کي حفاظت کي تلوار صرف اُنہي کے ہاتھوں میں ہے - صدیوں سے صرف اُنہي کا سینہ اسلام کي راہ میں زخمي ہے ' صرف اُنہي کي لاشیں اسلام کیلیے خاک و خون میں تڑپتي ہیں ' اور صرف اُنہي کي ذمہ داري پر تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں نے اسلام کي مرکزي حفاظت کا کارو بار چھوڑ رکھا ہے - دنیا کے خواہ کسي گوشے میں کوئي مسلمان ہو ' اگر وہ بہ حیثیت ایک مسلمان کے اسلام کا چوتھا رکن حج ادا کرنے کیلیے نکلتا ہے ' تو عرفات کے میدان میں کھڑے ہوکر اسکو عثماني امامت کي دیني ریاست قبول کرني پڑتي ہے اور حج کا فریضہ عثماني خلیفہ ہي کے بھیجے ہوے نائب کے ماتحت انجام دیتا ہے - شریف حسین نے غیر مسلم محاربین کا ساتھہ دیکر اگر بغاوت کي اور حجاز کو قسطنطنیہ کے اقتدار حکومت سے الگ کرلیا ' تو یہ فساد و عدوان کي ایک عارضي حالت ہے جو شرعاً معتبر نہیں - حجاز حکماً اب بھي خلیفۂ قسطنطنیہ کي حکومت ہي کا ایک جزء ہے - اور تمام مسلمانان عالم کا شرعاً فرض ہے کہ حرمین کو باغیوں کے تصرف سے نکالنے کي کوشش کریں ' اور اسوقت تک کرتے رہیں جب تک بغاوت اور باغیوں کا بالکل استیصال نہو جاے - اگر ایسا نہ کرینگے تو ہر مسلمان اسکے لیے عند اللہ جوابدہ ہوگا -

تمام کرۂ ارضي کے مسلمان آرام و عیش کے دن بسر کرنے اور فارغ البالي کے بستر پر سونے کیلیے ہیں ' لیکن صرف وہي ایک ہیں جو سارے مسلمانوں کي عزت و زندگي کے بچاؤ کیلیے صدیوں سے تلواروں کے سایے تلے زندگي کے دن کاٹ رہے ہیں ' اور چاروں طرف سے دشمنوں کي زد میں ہیں - کامل پانچ صدیوں سے یورپ اور ایشیا کا سب سے بڑا رقبہ انکے خون سے رنگین ہورہا ہے - ایک چوتھائي صدي بھي آجتک ایسي نہیں گزري کہ دشمنوں کي تلواروں نے اُنہیں مہلت دي ہو - اُنکا جرم اسکے سوا کچھہ نہیں کہ جب اسلام کا محافظ دنیا میں کوئي نہ رہا - ساري تلواریں ٹوٹ گئیں - سارے بازو شل ہوگئے - تو پانچ صدیوں سے وہ کیوں اسلام کے بچاؤ کیلیے باقي ہیں ؟ اور کیوں وہ وقت آنے نہیں دیتے جب اسلام کي پرلیٹکل طاقت کا بالکل خاتمہ ہو جاے ؟

بدوستي تو خصمند عالمے بامن
ہزار دشمن و یک دوست مشکل اُفتاد است !

پس تیرہ سو برس کے متفقہ عقیدۂ و عمل کے مطابق رہی آج تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام اور " اولو الامر" ہیں - اُنکی اطاعت و حمایت اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت و حمایت ہے - اُنسے پھرنا اور انکو اپنے جان و مال سے مدد نہ دینا ' اللہ اور اُسکے رسول سے پھرنا ہے اور اللہ اور اسکے رسول کو اپنی جان و مال کی طرف سے صاف جواب دیدینا ہے - جو اُنکی اطاعت سے باہر ہوا ' اگرچہ صرف بالشت بھر باہر ہوا ہو ' اور اسی حالت میں مرگیا ' اُسکی موت اسلامی زندگی کی موت نہوگی - جاہلیۃ کی موت ہوگی - اگرچہ نماز پڑھتا ہو ' اگرچہ روزہ رکھتا ہو ' اگرچہ اپنے زعم باطل میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو - جس نے اُنکے مقابلہ میں تلوار اُٹھائی ' وہ مسلمانوں میں سے نہیں اگرچہ دنیا اُسکو مسلمانوں میں سے سمجھتی ہو - اللہ اور اللہ کے رسول کی شہادت ' اُسکی شریعت کی اَن گنت اور بے شمار دلیلیں ' ایک ہزار تین سو برس سے مانا ہوا اسلام کا حکم و عقیدہ ' اسلام کی سیکڑوں نسلوں اور لا تعداد گھرانوں کا تعامل و اجماع ' اور سورج کی کرنوں کی طرح یقینی اور قطعی حقیقت ' یہی بتلا رہی ہے اور ہر مسلمان کے دل پر نقش ہے - ایک مسلمان کیلیے (بشرطیکہ وہ ساری باتوں سے مقدم اپنے اسلامی تعلق کو سمجھتا ہو ' اور دنیا سے ایک مومن اعتقاد و عمل ساتھہ لے جانا چاہتا ہو) اس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجایش نہیں - جاہل سے لیکر عالم تک ' مزدور سے لیکر نظام دکن تک ' کوئی نہیں جس کا دل اس اعتقاد سے خالی ہو - زندگی کا عشق اور نفس کی پرستش جس انسان سے چوری کرالیتی ہے ' ڈاکے ڈلواتی ہے ' قتل کراتی ہے ' اُس انسان سے کیا بعید ہے کہ آج کسی طمع یا خوف سے عثمانی خلافت کا انکار کردے ' یا عثمانی خلیفہ کی اطاعت و حمایت کے نام سے کانوں پر ہاتھہ دھرنے لگے ؟ دنیا کی پوری تاریخ انسانی کمزوریوں کی درد انگیز مثالوں سے لبریز ہے - پس یہ کوئی عجیب واقعہ نہ ہوگا اگر آج چند نئی مثالوں کا مزید اضافہ ہوجاے - لیکن حقیقت ہر حال میں حقیقت ہے - اُس سے انکار کیا جا سکتا ہے لیکن اُس کو چھپایا نہیں جاسکتا - اُس سے اغماض کیا جاسکتا ہے ' لیکن اُس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا - اُس سے آنکھیں بند کرلی جاسکتی ہیں لیکن اُس کی زبان بند نہیں کی جا سکتی !

هم یہاں قصداً ترکوں کي سیاسي و تمدني کارگزاریوں کي بحث نہیں چھیڑینگے - هم کو معلوم هے که مسلمانوں کي تمام حکمراں جماعتوں میں ترکوں هي کی جماعت وہ بد قسمت جماعت هے' جسکے لیے کوئي یورپین دماغ منصف نہیں هوسکتا - یورپ کا پچھلا مورخ هو' خواہ موجودہ عہد کا مدبر' وہ گذشتہ عہد کے بدتر سے بدتر مسلمانوں کي مدح و توصیف کرسکتا هے جو اب موجود نہیں هیں' لیکن اُن ترکوں کي نہیں کرسکتا' جنکي تلواریں پانچ صدیوں سے یورپ کے دل و جگر میں پیوست هونے کیلیے چمکتي رهي هیں - وہ خلافت بنو امیہ کي ایک بہتر تاریخ لکھہ سکتا هے - عباسیہ کے دور علم و تمدن کي مدحت سرائي کرسکتا هے - صلاح الدین ایوبي تک کو ایک بت کي طرح پوج لے سکتا هے - لیکن وہ اُن ترکوں کیلیے کیونکر انصاف کرسکتا هے جو نہ تو عرب پر قانع هوے' نہ ایران و عراق پر - نہ شام و فلسطین کي حکومت اُنکو خوش کرسکي' نہ وسط ایشیا کي' بلکہ تمام مشرق سے بے پروا هوکر یورپ کي طرف بڑھے' اسکے عین قلب (قسطنطنیہ) کو مسخر کرلیا' اور اُسکي اندروني آبادیوں تک میں سمندر کي موجوں کي طرح در آے - حتی که دار الحکومت استریا کي دیواریں اُنکے جولاں قدم کي ترکتازیوں سے بارها گرتے گرتے بچ گئیں !

ترکوں کا یہ وہ جرم هے جو یورپ کبھي معاف نہیں کرسکتا - مسلمانوں کا کوئي موجودہ حکمران خاندان اس جرم (فتح یورپ) میں انکا شریک نہیں هے - اسلیے هر حکمران مسلمان اچھا تھا جو یورپ کي طرف متوجہ نہوسکا' مگر هر ترک وحشي و خونخوار هے - اسلیے که یورپ کا طلسم سطوت اُسکي شمشیر بے پناہ سے ٹوٹ گیا -

ترکوں نے پانچ صدیوں تک جس آزادي و فیاضي کے ساتھہ حکومت کي هے' اُسکا ثبوت اس سے بڑھکر کیا هوسکتا هے که چار صدیوں کي متصل حکمرانی کے بعد بھی محکوم عیسائیوں کی مذهبی و قومی عصبیت ویسی هي زندہ و توانا رهی' جیسي کسي متعصب سے متعصب مسیحی حکومت کے ماتحت رهسکتی تھی - حتی که وہ ترکوں کی کمزوری کے ساتھہ هی آزاد و خود مختار هوگئے' اور آج ایک حریف و مقابل کي طرح لڑ رہے هیں-

هندوستان میں برٹش گورنمنٹ کے پورے تسلط کو ابھی پورے سو سال بھی نہیں هوے - اتنے هي عرصہ کی حکومت نے قومي عظمت

و عصبیۃ کے جذبات ان لوگوں کے دلوں سے بھی کھینچ لیے ھیں جنکے آباؤ اجداد ساتھہ ستر برس پہلے اسی سر زمین میں حکمراں تھے - صرف یہی ایک چیز یورپ کے طرز حکومت ' اور ترکوں کے طرز حکومت کا فرق واضح کر دینے کیلیے کافی ھے !

ترکوں کے وھم و خیال میں بھی ظلم و خونخواری کی وہ ھیبت ناک صورتیں اور قومی تعصب و نفرت کی وہ وحشت ناک ھلاکیاں نہیں آسکتیں' جو یورپ کے تمدن و تہذیب کا مغرور بت عین اُنیسویں اور بیسویں صدی کے سورج کی روشنی میں ایشیاؤ افریقہ کے اندر کر چکا ھے - ان دو صدیوں کے اندر جنگل کے درندے آرام کی نیند سوے ' اور سانپوں کو اُنکی غاروں سے باھر نہیں نکالا گیا ' لیکن ایشیاؤ افریقہ میں یورپ کے ھاتھوں زمین کا ایک ٹکڑہ بھی ایسا نہ بچ سکا جسکو وھانکی بد بخت مخلوق اپنی زمین کہہ سکے ' اور جہاں ایک مالک و مختار کی طرح امن و عزت کی زندگی بسر کرسکے !

خود اسی آخری جنگ میں یورپ کے ھر درندے نے دوسرے درندے کو جس طرح پھاڑا ' اور ھر سفید بھیڑیے نے دوسرے سفید بھیڑیے پر جس طرح پنجہ مارا' نہ صرف ترکوں کی تاریخ میں بلکہ تمام ایشیا کی خونریزیوں کی مجموعی تاریخ میں اُسکی کوئی مثال نہیں ملسکتی -

با ایں ھمہ ترک خونخوار اور وحشی ھیں ' اور یورپ تہذیب و تمدن اور امن و رحم کا پیغمبر ھے ! علی الخصوص برطانیہ کے مقدس جزیرہ میں تو جس قدر فرشتے بستے ھیں ' وہ صرف انسانی آزادی کی حفـــاظت اور چھوٹی قوموں کی حمایت ھی کیلیے آسمان سے اُتارے گئے ھیں !

یہ کرۂ ارضی کی تاریخ میں حق و باطل کا سب سے بڑا مقابلـــہ ھے - آج اسکی فتح و شکست کا اصلی فیصلہ نہیں ھوسکتا - زمین فوجوں کے بوجھہ سے دبی ھوئی ھے - فضاء ھوائی جہازوں کی قطـــاروں سے بھری ھوئی - اسکا فیصلہ کل ھوگا جب خدا کا دائمی قانون نتائج و عواقب کی زبان میں حقیقت کا اعلان کریگا' اور مورخ کا قلم لکھے گا کہ یہ طاقت اور گھمنڈ کا سب سے بڑا چیلنج تھا جو سچائی کو دیا جاسکتا ھے - تا ھم سچائی ھی سب سے بڑی طاقت ھے - اور بالاخر فیصلہ اُسی کا فیصلہ ھے - سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ' و لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (۳۳ : ۲۲)

بہر حال ہماري صحبت سے یہ موضوع باہر ہے - ترکوں کی حکمراني جیسی کچھہ بھي رہي ہو- ہر ترک سلطان حجاج بن یوسف اور خالد قسري جیسے اشرار بنو اُمیہ سے بھي بد تر کیوں نہ رہا ہو (۱) لیکن مسلمانوں کو اپنے مسلمان حاکموں کي اطاعت کا ہر حال میں حکم دیا گیا ہے - اور اُنکا از روے شرع یہی عقیدہ ہے کہ وہ خلیفۂ اسلام ہیں - اسمیں کسي دوسرے کو دخل دینے کا حق نہیں :

---

(۱) آج ترکوں کي وحشت و تمدن کا فیصلہ علم و تحقیق کے ہاتھہ میں نہیں ہے - حریف حکومتوں کے اُن مغرور وزراء کے قبضہ میں ہے جو میدان جنگ سے واپس آکر اپنے ایک جنگي دشمن کي قسمت کا فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں - پس امید نہیں کہ ڈریپر (Draper) جیسے زمانہ حال کے مورخوں کي شہادت اس بارے میں سني جاے - یہ امریکن مصنف اپنی مشہور کتاب History of The Couflict Between Religiuon And Seince میں لکھتا ہے کہ انصاف و عدالت اور مذہبي بے تعصبي میں اپنے عہد کی تمام عیسائی دنیا پر ترکوں کو وہی فوقیت رہی ہے جو چھٹي صدي عیسوي میں عربوں کو تنزل یافتہ بیزنطائن پر حاصل تھی - ایڈورڈ کریسي نے تاریخ روم میں ترکوں کو تہذیب و تمدن اور علمی ایجادات و اختراعات کے لحاظ سے پندرھویں اور سولھویں صدي کے تمام یورپ میں سب سے برتر قوم تسلیم کیا ہے - وہ کہتا ہے کہ انسائیکلو پیڈیا کے قسم کي کتابیں لکھنے کا ترکوں ھی کی تقلید سے یورپ میں رواج ہوا - یورپ کی زبانوں میں سب سے پہلی انسائیکلو پیڈیا دالائمبرٹ (Dalambert) نے لکھی - لیکن اُسکو ایک ترک مصنف کاتبی بے کی قاموس العلوم ھی کے مطالعہ سے رہنمائی ملی تھي - کمسریٹ ' رسد رسانی' اور فوجی شفا خانوں کا با قاعدہ انتظام ' ترکوں ھي سے یورپ نے سیکھا - قلعہ کی تعمیرات میں تمام یورپ ترکوں کا شاگرد ہے - فوجی باجا تمام یورپ نے ترکوں سے حاصل کیا - چیچک کے ٹیکہ کا اصلی موجد ایک ترک تھا - یہ ڈریپر ' کریسی ' گبگدم ' کلفرڈ ' وغیرہ مورخوں کی تحقیق ہے جنھوں نے اپنے کتب خانوں میں بیٹھکر ترکوں کے اعمال پر نظر ڈالي تھي - قدرتي طور پر مسٹر ایسکوینتھہ اور مسٹر لائڈ جارج کي راے اس سے مختلف ہونی چاھیے جو ابھي ابھي گیلي پولي اور عمارہ میں ترکوں کي تلوار کا کاري زخم کھا کر نکلے ہیں ' اور کتب خانوں کي جگھہ نظارت خانوں کے اندر فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں !

نمي دانم ز منع گريه مطلب چيست ناصـــح را ؟
دل از من ' ديده از من ' آستين از من ' کنار از من !

فصل

(مسلمانان هند اور خلافت سلاطين عثمانيه)

جب تک بغداد کي خلافت باقي رهي ' هندوستان کے تمام حکمران خاندان اُسي کے زير اثر اور فرمانبردار رهے - عباسيۂ بغداد کي خلافت جب مٹ گئي ' اور سنه ۶۶۰ ھ ميں مصر کي عباسي خلافت کا سلسله شروع هوا ' تو اگرچه يه عباسيه کے کاروان رفته کا محض ايک نمود غبار تها ' تاهم تمام سلاطين هند اسکی حلقه بگوشي و غلامي کو اپنے ليے موجب فخر و امتياز سمجهتے رهے ' اور مرکزي خلافت کي عظمت ديني نے مجبور کيا که اپني حکومت کو شرعي طور پر منوادينے کيليے مقام خلافت سے پروانۂ نيابت حاصل کرتے رهيں - سلطان محمد بن تغلق شاه کے غرور حکومت کا يه حال تها که مشهور مورخ ضياء الدين برني اسکو " همت فرعوني و نمرودي " سے تعبير کرنا چاهتا هے - تاهم اس معامله ميں زياده سے زياده غرور جو وہ کرسکا ' يهي تها که اپنے تئيں خليفۂ مصر کا سب سے بڑا فرمانبردار غلام اور چاکر ظاهر کرے ' اور رعايا کو يقين دلاے که بلا اسکے حکم کے ميں تم پر حکومت نهيں کرتا - تاريخ برني ميں هے :

" امير المومنين خليفه را بنده ترين همه بندگان بود ' و بے امر و بے فرمان او دست در امور اولو الامري نه زد " (مطبوعه ايشياٹک سوسيٹي - صفحه - ۴۶۰)

برني نے سلطان فيروز شاه کے فضائل و سوانح کيليے گيارہ مقدمے ترتيب دیے هيں - اُن ميں نوواں مقدمه يه هے :

" مقدمه نهم در آنکه در کرت از حضرت امير المؤمنين خلعت اولو الامري و منشور اذن و لواء شاهي بر سلطان عصر فيروز شاه رسيده ' و بادشاهي و اولو الامري خدارند عالم بدان استحکام گرفته "

پهر اسي مقدمه ميں لکهتا هے :

" در مدت شش سال دوکرت از امیر المومنین منشور ارلو الامري و خلعت شاهي و لواء سلطنت بدورسید ' و حق جل و علی پادشاه دین پرور ما را درعزت داشت منشور و خلعت و فرستادگان توفیق بخشید ' و شرائط حرمت مراحم امیر المؤمنین بالغاً ما بلغ بجا آورد ' و هم چنین دانست که منشور و خلعت امیر المؤمنین از آسمان منزل شده ' و از درگاه مصطفی صلعم رسیده - عرضداشتے با تحفه و هدایاء در نهایت تواضع بندگي امیر المؤمنین روان کرد " الخ (صفحه - ۵۹۸)

یعني سلطان فیروز شاه کے فضائل و مفاخر میں سے ایک بڑي بات یه سمجھي گئي که خلیفۂ مصر نے اجازت حکومت کا پروانه اور لواء و خلعت بھیجا ' اور پادشاه کو اسکي اطاعت و حرمت کي توفیق ملي - فیروز شاه نے اس بات کي اس درجه قدر کي - گویا آسمان سے یه عزت نازل هوئي هے ' اور خود بارگاه حضرت محمد الرسول الله صلعم سے اُسکو قبولیت کی سند ملگئي هے !

شمس الدین سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاهي میں یه واقعه زیاده تفصیل سے لکھا هے - جب خلیفه کے سفراء شهر کے قریب پهنچے تو فیروز شاه خود استقبال کیلیے پیدل نکلا - فرمان خلافت کو دونوں هاتھوں میں لےلیا - پھر بوسه دیکر سر پر رکھا ' اور اسی طرح سر پر دھرے هوے دربار حکومت تک واپس آیا -

غورکرو ! مقام خلافت کي عظمت و جبروت کا اثر کس درجه عالمگیر رها هے ؟ خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھي خلافت کی صرف براے نام نسبت اسدرجه هیبت و جبروت رکھتي تھی که هندوستان جیسے بعید گوشه میں ایک عظیم الشان فرمان روا ے اقلیم ' اذن و اجازت حاصل هوجانے پر فخر کرتا هے - اور مٹنے پر بھی اس مقام کی عظمت تمام عالم اسلامی پر اسطرح چھائی هوئی هے که وهاں کا فرمان آسمانی فرمان ' اور وهاں کا حکم بارگاه نبوت کا حکم سمجھا جاتا هے !

مغلیه سلطنت خلفاء مصر کے آخري عهد میں قائم هوئی - هندوستان میں بابر شاه کي قسمت آزمائیوں کا زمانه تھا جب سلطان سلیم خاں کے هاتھه پر خلیفۂ متوکل عباسی نے بیعت کی اور حجاز و شام میں سلاطین عثمانیه کی خلافت کا اعلان هوا - شاهان مغلیه اگرچه هندوستان میں خود اپنے هی کو

امام سمجھتے تھے ' اور باعتبار حکومت کے یہ حق اُنہیں حاصل بھی تھا - تا ہم عام اسلامی خلافت کا انہوں نے کبھی دعوا نہ کیا - ہمیشہ عرب و شام کے مسلمہ خلفاء ہی کو خلیفہ تسلیم کرتے رہے - شہنشاہ اکبر اور شاہجہاں بھی اگر حج کیلیے جاتے ' تو اُنکو قسطنطنیہ کے خلیفہ ہی کی امارت میں حج ادا کرنا پڑتا - میدان عرفات میں وہ خود خطیب نہ ہوتے - قسطنطنیہ کا نائب السلطان خطبہ دیتا - وہ کھڑے ہوکر اُسی طرح سنتے' جس طرح ایک عام مسلمان اُنکے بغل میں کھڑا سن رہا ہوتا - شرعاً و عقلاً تسلیم خلافت کیلیے اس سے زیادہ اور کونسی بات ہوسکتی ہے ؟

بعض یورپین اخبارات کے مشرقی نامہ نگاروں نے بار بار یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ترکی حکومت سے باہر ترکی خلافت کا اعتقاد زیادہ تر سلطان عبد الحمید خاں مرحوم کی سعی سے پیدا ہوا ' اور اُنکا مقصود اس سے یہ تھا کہ نام نہاد " پان اسلامزم " تحریک کو تمام مسلمانان عالم میں پھیلایا جاے - یہاں ہم یورپ کے متخیلۂ و متوہمہ " پان اسلامزم " کی حقیقت سے بحث کرنا نہیں چاہتے - " پان اسلامزم " سے اگر مقصود مسلمانوں کی بلا امتیاز وطن و قومیت باہمی برادری ہے ' تو اسکی تاریخ سلطان عبد الحمید کے زمانے سے نہیں بلکہ نزول قران و ظہور اسلام سے شروع ہوتی ہے - لیکن عثمانی خلافت کے عالمگیر اسلامی اعتقاد کو سلطان عبد الحمید سے منسوب کرنا ایک ایسی بات ہے جو یا تو حد درجہ جہل کا نتیجہ ہے یا حد درجہ دروغ گوئی کا - اور ہم نہیں جانتے کہ دونوں میں سے کس چیز کو محققین یورپ کیلیے پسند کریں ؟ سنہ ۹۲۳ھ میں جب بعہد سلطان سلیم خاں سلاطین عثمانیہ خلیفۃ المسلمین تسلیم کیے گئے ' تو اسوقت عالم اسلامی کا یہ حال تھا کہ ایران میں سلاطین صفویہ کی حکومت تھی ' ہندوستان میں مغلیہ کی ' اندرون یمن میں ائمۂ زیدیہ کی ' اور اندرون عرب میں خود مختار قبائل اور بعض شیوخ کی - پس جہاں جہاں اسلامی حکومتیں موجود تھیں ' وہاں کے مسلمانوں کی اطاعت و انقیاد کا محل و مرکز خود مقامی اسلامی حکومت ہوگئی تھی' اور احکام شرعیہ کے نفاذ و اجراء کیلیے بھی وہ کسی بیرونی حکومت کے محتاج نہ تھے - اس بنا پر ظاہر ہے کہ ان ممالک میں مرکزی خلافت کا تعلق کسی نمایاں شکل میں یکایک ظاہر نہیں ہوسکتا تھا - سلطنت کے رقیبانہ جذبات بھی اپنی ابتدائی حالت میں سب پر چھاے ہوے تھے -

صدیوں پہلے سے تفرقۂ و انتشار کی عالمگیر مصیبت تمام عالم اسلامی کو ٹکڑے ٹکڑے کرچکی تھی - لیکن ان ممالک کے علاوہ جہاں کہیں بھی مسلمان آباد تھے اور اپنی مقامی اسلامی حکومت نہیں رکھتے تھے ' وہ اگرچہ ترکی حکومت سے کتنے ہی دور دراز گوشوں میں واقع ہوں' لیکن عثمانی سلاطین ہی کو اسلام کی مرکزی خلافت عظمیٰ پر قابض و متصرف تسلیم کرتے تھے ' اور اسی لیے جمعۂ و عیدین کے خطبوں میں انکے لیے خاص طور پر دعا مانگنا اپنا فرض سمجھتے تھے - خود ہندوستان کے قرب و جوار اور بحر چین کے جزائر میں مسلمانوں کا ایک ایک فرد خلیفۂ قسطنطنیہ کی اس حیثیت دینی کا پورا پورا اعتقاد رکھتا تھا -

جزائر سیلون ہندوستان ہی کا ایک بحری گوشہ ہیں - سنہ ۱۱۷۵ھ (سنہ ۱۷۶۱ع) میں دکن کے ایک مشہور عالم سید قمرالدین اورنگ آبادی حج سے واپسی میں کولمبو پہنچے اور وہاں کی سیر کی - میر غلام علی آزاد بلگرامی اُنکے معاصر ہیں - اپنی کتاب سبحۃ المرجان میں اُنکی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ساحلی مقامات میں قچوں کی حکومت ہے - اندرونی جزائر میں ہندو راجہ ہے - کولمبو میں مسلمانوں کے دو محلے ہیں - جمعہ کی نماز تین مرتبہ سید موصوف نے وہاں پڑھی - خطبہ میں امام نے پادشاہ ہند اور سلطان روم کیلیے دعا مانگی تھی " لکونہ خادما للحرمین الشریفین " یعنی اسلیے کہ وہ خادم حرمین ہیں - (سبحۃ المرجان مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۳)

یہ اب سے ڈیڑھ سو برس پیشتر کا واقعہ ہے - سیلون کے جزیروں میں اگر مسلمان ایک غیر مسلم حاکم کے ماتحت رہکر شاہ ہند کا ذکر کرتے تھے ' تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی - ہندوستان بالکل انسے متصل تھا - لیکن قسطنطنیہ کے سلطان کیلیے دعا مانگنا جو بحر ہند سے اسقدر بعید فاصلہ پر واقع ہے ' کیا معنی رکھتا ہے ؟ کیا اسکے سوا کوئی معنی ہوسکتے ہیں کہ تمام عالم اسلامی میں وہی خلیفۃ المسلمین ہے ' اور اسلیے گو اور بھی بہت سی اسلامی حکومتیں موجود ہوں ' مگر ہر گوشۂ عالم کے مسلمانوں کے دلی تعلق و اطاعت کا اصلی مرکز صرف وہی ہوسکتا ہے ؟

صاحب تحفۃ العالم چین کوچک کے ایک سیاح سے اپنی ملاقات کا حال لکھتے ہیں جس نے عجیب عجیب جزیروں اور وہاں کے رسم و رواج کا مشاہدہ کیا تھا - " چین کوچک " سے مقصود بحر چین کے جزائر سماٹرا '

ملایا ' جاوا ' وغیرہ ھیں - سیاح مذکور کہتا ھے کہ اکثر جزائر میں مسلمان آباد ھیں اور مسجدیں معمور ھیں - جمعہ کے خطبوں میں سلطان روم کیلیے دعا مانگتے ھیں اور وھاں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ھیں - یہ واقعہ بھی بارھویں صدی ھجری کے اوائل کا ھے -

باقی رھا یہ خیال کہ ھندوستان کے مسلمانوں میں سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا اعتقاد حال کی پیداوار ھے ' تو یہ بھی صحیح نہیں - یہ ظاھر ھے کہ جب تک خود ھندوستان میں اسلامی حکومت قائم تھی ' کسی بیرونی اسلامی حکومت سے مسلمانوں کو بلا واسطہ تعلق رکھنے کی ضرورت ھی پیش نہ آئی - البتہ سلطنت مغلیہ کے انقراض کے بعد وہ مجبور ھوگئے کہ بلا واسطہ خلافت قسطنطنیہ سے اپنا رشتۂ انقیاد و عقیدت قائم کرلیں - تا ھم اسلام‌کی مرکزی خلافت پر سلاطین عثمانیہ کا قابض ھونا ایک ایسی مسلم و معروف بات ھے جو ھمیشہ علماء ھند کے علم و اعتقاد میں رھی ھے - حضرۃ شاہ ولی اللہ کا سال وفات سنہ ۱۱۷۴ - ھجری ھے - اُنکا زمانہ احمد شاہ ابدالی کی آمد و رفت کا زمانہ تھا اور ھندوستان میں اسلامی حکومت ابھی قائم تھی - انھوں نے تفہیمات الاھیہ میں دو جگہ سلاطین روم کا ذکر کیا ھے - ایک جگہ لکھتے ھیں :

" از زمان سلطان سلیم خان کہ در اوائل سنہ الف بود ' اکثر بلاد عرب و مصر و شام تحت تصرف سلاطین روم اند ' و خدمت حرمین الشریفین زاد ھما اللہ شرفاً و کرامۃ ' و امارت موسم ' و ریاست حجاج ' و اھتمام محامل و قوافل بر ایشان استقرار یافت ' و بہ ھمین جہت بر منابر عرب و شام خصوصاً حرمین شریفین ھر یکے از ایشان بہ لقب امیر المومنین مذکور ست "

یمن میں اگرچہ آئمۂ زیدیہ سلاطین عثمانیہ کے رقیب و حریف تھے ' اور انھوں نے اندرون ملک میں کبھی اُنکی حکومت جمنے نہ دی - با این ھمہ گیارھویں سے تیرھویں صدی تک کے علماء یمن کی مصنفات کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ھے ' اُن سے پوشیدہ نہیں کہ اکثروں نے سلاطین عثمانیہ کی مرکزی حیثیت تسلیم کی ھے جس کے معنی بجز خلافت اسلامیہ کے اور کچھ نہیں ھوسکتے - علامۂ صالح مقبلی صاحب العلم الشامخ المتولد سنہ ۱۰۴۷ ' علامۂ فلانی صاحب ایقاظ الھمم ' شیخ عبد الخالق زبیدی صاحب صفوۃ الاخبار وغیرھم اپنی کتابوں میں جا بجا ترکی گورنروں کے جبر و ستم کی شکایتیں

کرتے ہیں ' مگر ساتھہ ہی سلاطین عثمانیہ کا ذکر ایسے پیرایہ میں کرتے ہیں جس سے اُنکی اسلامی خلافت و امامت کا مسلمہ ہونا ثابت ہوتا ہے - مثلاً سلطان کو مخاطب کرکے یہ کہنا کہ جو شخص آج روے زمین پر تمام مسلمانوں کا خلیفۂ و امام کہلاے ' اس کے گورنر اس طرح رعایا کے ساتھہ سلوک کریں ؟ جسکے صاف معنی یہی ہیں کہ سلاطین عثمانیہ تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام تسلیم کیے جاتے تھے -

یہ موقعہ مزید اطناب و تفصیل کا نہیں ہے - سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا زمانہ ہزار صدی کے بعد شروع ہوتا ہے - پس اگر اسکا ذکر ملسکتا ہے تو پچھلی تین صدیوں کی مصنفات میں - چونکہ ان عہدوں کی تصنیفات عام طور پر علماء ہند کے مطالعہ میں نہیں آئی ہیں' اسلیے مسئلہ کے تاریخی شواہد سے عموماً لوگ بے خبر ہیں - تلاش کیا جاے تو ایک بڑا ذخیرہ فراہم ہوجا سکتا ہے -

خود یورپین حکومتیں علی الخصوص برٹش گورنمنٹ سلطان عثمانی کی اس دینی حیثیت کا ہمیشہ اقرار کرتی آئی ہے ' اور جب کبھی ضرورت ہوئی ہے' قسطنطنیہ کی طاقت سے بہ حیثیت خلیفۂ اسلام کے کام لیا گیا ہے - غدر سنہ ۵۷ کے موقعہ پر سلطان عبد المجید سے جو فرمان مسلمانان ہند کے نام حاصل کیا گیا تھا اور جسمیں انکو انگریزی حکومت کے ساتھہ بہتر سلوک کرنے کی ہدایت کی تھی ' اُسکی بنا بھی یہی تھی کہ سلطان قسطنطنیہ کو بہ حیثیت خلیفۂ اسلام مسلمانان ہند کی ارشاد و ہدایت کا حق حاصل ہے - کوئین وکٹوریا کے عہد میں بارہا حج اور حاجیوں کی مشکلات کا سوال گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے اُٹھایا گیا ' اور پھر امپیریل گورنمنٹ نے باب عالی کو اس احتجاج کے ساتھہ توجہ دلائی کہ بہ حیثیت خلیفۂ اسلام ہونے کے حجاج کی تکالیف دور کرنا اُنکا مذہبی فرض ہے - فرانس اور روس کی جانب سے بھی سلطان عبد الحمید خان کے زمانے میں معتدد مرتبہ ایسے اظہارات و اعترافات ہو چکے ہیں -

فصل

(قرون متوسطہ و اخیرہ میں مرکزی حکمرانی)

ہم نے جا بجا " اسلام کی مرکزی حکمرانی " اور " خلافت عظمی " کا لفظ استعمال کیا ہے - تشریح اس اجمال کی یہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام کا محور و اساس مسئلۂ " توحید " ہے - " توحید " کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہونا - صرف اللہ کی ذات و صفات ہی میں یہ حقیقت محدود نہ تھی جیسا کہ بد قسمتی سے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے ' بلکہ عقائد و اعمال کی ہر شاخ اور ہر شکل میں اسلام کا اصل الاصول توحید ہی ہے - وہ مسلمانوں کی تمام اُن باتوں میں جو فرد و اجتماع سے تعلق رکھتی ہیں ' ایک کامل توحیدی حالت پیدا کردینی چاہتا ہے - جس طرح خدا کی ذات کی طرح اُس کی خلقت اور قوانین خلقت میں بھی ہر چیز پر اور ہر جگہ یگانگی و یک عملی اور وحدت و واحدیۃ کار فرما ہے - ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت - فارجع البصر ' هل تری من فطور؟ (ملک)

اس بنا پر اسلام نے جس طرح مسلمانوں کی ساری باتیں ایک قرار دی تھیں - اُنکی شریعت ' اُنکا قانون ' اُنکی کتاب ' اُنکا نام ' اُنکی زبان ' اُنکی قومیت ' اُنکا قبلہ ' اُنکا کعبہ ' اُنکا مرکز اجتماع ' مرکز ارض ' اُسی طرح اُنکی حکومت بھی ایک ہی قرار دی تھی - یعنی تمام روے زمین پر مسلمانوں کا صرف ایک ہی فرمانروا و خلیفہ ہو - لیکن جہاں ساری باتوں میں انحراف اور تفرقہ و انتشار ہوا ' وہاں یہ بات بھی جاتی رہی - خلفاء راشدین کے بعد صرف بنو امیہ کے ابتدائی عہد تک وحدۃ حکومت نظر آتی ہے - اُسکے بعد کوئی زمانہ ایسا نہ آیا جب تمام عالم اسلامی کی حکومت کسی ایک طاقت میں جمع رہی ہو - مختلف گوشوں میں مختلف دعویدار اُٹھے ' اور جسکا قدم جہاں جم گیا ' خود مختارانہ فرمانروائی کرنے لگا -

با ایں ہمہ ایک خاص مرکزی اقتدار ہر زمانے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور مورخ کی بصیرۃ محسوس کرلیتی ہے کہ اس تفرقہ و انتشار کی عام سطح میں ایک مرکزی قوت اُبھری ہوئی ہے - اسلامی حکومتیں ہر

گوشۂ عالم میں قائم ہوگئی تھیں ' مگر ہمیشہ ایک خاص مقام ایسا ضرور رہا جہاں کی حکمرانی دنیا کی تمام اسلامی حکمرانیوں میں ایک مرکزی اقتدار کی حیثیت رکھتی تھی - دوسرے مقامات کے فرمانروا اپنے دائرۂ حکومت سے باہر کوئی اثر نہیں رکھتے تھے' لیکن وہاں کا حکمراں تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک خاص کشش و دعوۃ اپنے اندر رکھتا تھا - یہ بلاد شام و عراق اور عرب و حجاز کی حکومت تھی - عرب اسلام کا اصلی سرچشمہ و مبدء ہے - حجاز اسلامی قومیت کا دائمی مرکز اور اسلام کے رکن حج کا کارگاہ ہے - شریعت نے عرب ہی کو یہ شرعی خصوصیت دی ہے کہ ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے اثر سے محفوظ رکھی جاے - شریعت کے اس حکم کی تعمیل بغیر حکومت کے ممکن نہیں - جو حکومت اس پر قابض ہوگی ' وہی اس شرعی حکم کی تعمیل و نفاذ کی ذمہ دار اور اقامۂ حج کی بھی کفیل ہوگی - پس قدرتی طور پر یہ بات ہوئی کہ یہاں کی حکومت کو تمام اسلامی حکومتوں میں مرکزی اقتدار اور تمام مسلمانان عالم کے قلوب کیلیے ایک انجذابی اثر حاصل ہوجاے - اسلام کے ازمنۂ متوسطۂ واخیرہ میں یہی مرکزی اقتدار خلافت عظمیٰ کا قائم مقام تھا - خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھی ان مقامات کی حکومت خلفاء مصر ہی کے قبضہ میں رہی -

" مرکزی حکومت " سے مقصود یہی مرکزی اقتدار ہے - خلفاء مصر کے بعد جب سلاطین عثمانیہ تمام بلاد عرب و حجاز اور مصر و شام پر قابض ہوگئے تو اسلامی خلافت عظمیٰ کا مرکزی اقتدار بلا نزاع اُنہی کو حاصل ہوگیا - یہی وجہ ہے کہ ہزار صدی کے بعد سے تیرھویں صدی کے اوائل تک اگرچہ بڑی بڑی اسلامی حکومتیں دنیا میں قائم رہیں ' لیکن خلافت عظمیٰ کے اعتقاد کے ساتھ جب کبھی کسی مسلمان کی نظر اُٹھتی تو وہ صرف قسطنطنیہ ہی کی طرف دیکھ سکتا تھا -

فصل

(ترکان عثمانی اور عالم اسلامی)

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس پوری تاریخ سے قطع نظر کرلیں - صرف اس اعتبار سے مسئلہ پر ایک آخری نظر ڈالیں کہ احکام شرعیہ کی بنا پر سلاطین

عثمانیہ کے اعمال خلافت کا کیا حال رہا ہے ؟ بحث کا یہ سب سے زیادہ قطعی اور سب سے زیادہ سہل فیصلہ ہوگا -

اسلام نے خلیفہ کے نصب و تقرر کے خاص مقاصد قرار دیے ہیں - پچھلی پانچ صدیوں کے اندر متعدد اسلامی حکومتیں دنیا میں موجود تھیں اور بعض ابتک موجود ہیں - قوم و جماعت کے اعتبار سے متعدد مسلمان قوموں میں حکومت رہی اور بعض حکمراں قومیں اب بھی باقی ہیں - سوال یہ ہے کہ ان تمام حکمراں جماعتوں میں کونسی حکومت ایسی ہے جسنے شریعت کے ٹھہرائے ہوئے مقاصد خلافت انجام دیے ؟ اور جو غرض شرعی خلیفہ کے قیام اور بحکم " الذین ان مکنا ھم فی الارض " الخ تمکین فی الارض سے تھی' وہ اُنکے ہاتھوں پوری ہوئی ؟ جس حکومت اور جس حکمراں قوم نے ایسا کیا ہو ' صرف وہی حکومت اور قوم تمام مسلمانان عالم کی خلافت و امامت کا دعوا کر سکتی ہے -

اس اہم سوال کا فیصلہ چند سطروں میں ہو جا سکتا ہے - " خلافت اسلامیہ " کا مقصد شرعی پچھلی صحبتوں میں صاف ہوچکا ہے - سب سے پہلا مقصد اس کا یہ ہے کہ ایک ایسی طاقتور حکومت قائم ہو جو دشمنوں کے حملوں سے اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی حفاظت کرسکے - اسلام و ملت کے دشمنوں کا استیصال و انسداد ہو - کلمۂ حق دنیا میں بلند اور دور دور تک جاری و نافذ ہو جاے - کلمۂ کفر و فساد کو خسران و ناکامی نصیب ہو - یہی مقصد پہلا مقصد ہے - باقی سب فروع و توابع ہیں -

یہی وجہ ہے کہ تمام کتب عقائد و اصول میں خلافت کی تعریف کرتے ہوے " اقامۃ الدین باقامۃ ارکان الاسلام ' و القیام بالجہاد ' و حفظ حدود الاسلام ' و ما یتعلق بہ من ترتیب الجیوش و الفرض للمقاتلہ " کے جملے سب سے پہلے ملتے ہیں - یعنی وہ مسلمانوں کی ایسی حکومت ہے جو ارکان اسلام کو قائم رکھے ' جہاد کا سلسلہ و نظام درست کرے ' اسلامی ملکوں کو دشمنوں کے حملوں سے بچاے ' اور ان کاموں کیلیے فوجی قوت کی ترتیب اور لڑائی کا سامان وغیرہ جو کچھہ مطلوب ہو ' اُسکا انتظام کرے - مختصر یہ کہ اسلام کا خلیفہ وہ حکمراں ہوسکتا ہے جو اسلام و ملت کیلیے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دیسکے - ساری باتیں ان دو لفظوں میں آ گئیں -

اب فیصلہ کرلو کہ گذشتہ چار صدیوں کے اندر کس حکومت اور کس قوم نے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دی ہے ؟

اسلام کا جب ظہور ہوا ' تو دشمنوں کی پہلی جماعت قریش مکہ کی جماعت تھی - اُنکے مٹ جانے کے بعد اس پوری تیرہ صدیوں میں صرف عیسائی قومیں ہی مسلمانوں کی دائمی حریف رہی ہیں - دوسری غیر مسلم قوموں میں سے کوئی قوم ایسی نہ تھی جس میں اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا داعیہ ہو - ایران کی مجوسی قوت کا ابتدا ہی میں خاتمہ ہوگیا تھا - یہودیوں کی کوئی پولیٹکل قوت نہ تھی - ہندوستان کے ہندوؤں اور بدھ مذہب کے پیروؤں نے ہندوستان سے نکل کر کبھی مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا اور نہ ان میں کوئی داعیانہ قوت تھی - چین کے تاتاری اُٹھے اور بلا شبہ سب سے بڑی ہلاکت کا باعث ہوے لیکن بالاخر خود اسلام کے محکوم ہوگئے - یعنے ایک صدی کے اندر ہی اندر مسلمان ہوگئے -

پس تمام روے زمین پر بجز مسیحی اقوام کے اور کوئی حملہ اور حریف اسلام کا نہ تھا - نہ ہے - مشرقی عیسائیوں کی قوت ابتدا ہی میں شکست ہوگئی تھی - صرف یورپ کی حکومتیں اور قومیں تھیں جنکو خواہ مسیحیت کے نام سے موسوم کرو خواہ یورپ کے نام سے - یہی آخری چار صدیاں ہیں جن میں بتدریج یورپ کی طاقت ترقی کرتی گئی ' اور اُسکی ترقی کا دوسرا رخ یہ تھا کہ اسلام کی پولیٹکل طاقت کو روز افزوں تنزل ہوا -

تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں میں سے کونسی قوم ہے جس نے اِن چار صدیوں کے اندر یورپ کا مقابلہ کیا ہے ' اور دفاع و جہاد جاری رکھکر اسلام اور مسلمانوں کی اُس کے سب سے بڑے حریف کے مقابلے میں حفاظت کی ہے ؟ سولھویں صدی عیسوی ہی میں یورپ کی اُن تمام طاقتوں نے جو مشرقی ممالک کے دروازوں سے قریب تھیں ' بتدریج قدم بڑھانا شروع کردیا تھا - اگر کوئی طاقتور اور مقاوم روک موجود نہ ہوتی تو ابسے دو صدی پیشتر ہی تمام وسط ایشیا ' شام ' عرب ' اور اسلامی افریقہ یورپ کے استیلاء سے پامال ہوچکا تھا -

پھر وہ کونسی نا قابل تسخیر فوجی قوت تھی جس نے پہلے تو اپنے پے درپے حملوں سے تمام یورپ کو اس طرح پامال کردیا کہ پوری دو صدیوں تک سنبھلنے اور قدم اُٹھانے کی مہلت ہی نہ دی ' اور پھر تمام ایشیا ؤ

بلاد اسلامی کے عین دروازہ پر مغربی مدافعت کی ایک آھنی دیوار قائم کردي ' اور اس طرح حکم جہاد کے دونوں فرض بہ یک وقت تن تنہا انجام دیے - ہجوم بھي - اور دفاع بھي ؟

کیا ہندوستان کی سلطنت مغلیہ نے جس نے اپني پوري تاریخ میں ایک بار بھی ہندوستان سے قدم باہر نہ نکالا ؟ اور جسکی تلوار پانچ صدیوں کے اندر ایک مرتبہ بھی کسی حریف ملت کے خون سے رنگین نہ ہوئی ؟ عین اکبر اعظم کے زمانے میں ہندوستان کے حاجیوں کو پرتگالیوں اور ڈچوں کے جرگے ساحل ہند کے سامنے لوٹ رہے تھے اور وہ اُنکے انسداد سے عاجز تھا !

کیا ایران کے سلاطین نے ' جنکے عقبی حملوں نے ہمیشہ سلاطین عثمانیہ کو مجبور کیا کہ یورپ کا فتح مندانہ اقدام ترک کرکے ایشیاء کي طرف متوجہ ہوجائیں - جسکی وجہ سے یکایک یورپ کو ترکی تلواروں سے مہلت ملگئی اور تمام وسط یورپ فتح ہوتے ہوتے رہگیا ؟

کیا یمن کے خود مختار قبائل اور عرب آئمہ نے ' جنکو اسلام کے اس سب سے بڑے حریف کا شاید حال بھي معلوم نہ تھا ؟

ہر انسان جو دور اور دور کو صرف چار ہي کہنا چاھتا ہو ' اسکا اقرار کریگا کہ بجز سلاطین عثمانیہ اور ترکوں کے مسلمانوں کي کوئي حکومت اور قوم نہیں ہے جس نے قرون اخیرہ میں حفظ اسلام و ملت کي یہ خدمت انجام دي ہو - اور جو فرض تمام مسلمانان عالم کے ذمے عائد ہوتا تھا ' اُسکو سب کي طرف سے تن تنہا اُٹھا لیا ہو ؟

حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کا یہ وہ عظیـــم الشان کارنامہ ہے جسکي نظیر قرون اولیٰ کے بعد مسلمانوں کي کسي حکمراں قوم کي تاریخ پیش نہیں کرسکتي - صرف صلاح الدین ایوبي کي دعوۃ اس سے مستثنیٰ ہے جس نے تمام یورپ کے متحدہ مسیحي جہاد کو شکست دي - تاہم وہ بھي ایک محدود زمانے کا دفاع تھا - مسلسل تین چار صدیوں تـک صرف ترکوں ہي کي اسلامي مدافعت قائم رہي ہے - ان پوري چار صدیوں میں تمام روے زمین کے مسلمان اپنے سب سے بڑے قومي فرض سے غافل رہے - کسي قوم نے ایک زخم بھي اس مقدس راہ میں نہیں کھایا - کسي پادشاہ نے ایک قدم بھي اسکے لیے نہیں اُٹھایا - صرف تن تنہا ترک ہي دنیا بھر کے

مسلمانوں کی جانب سے یہ پورا کام انجام دیتے رہے - انہوں نے تمام مسلمانان عالم کو عیش و راحت کے بستروں پر چھوڑ دیا - خود اپنے لیے خاک و خون کی دائمی زندگی پسند کی - ان قرون اخیرہ میں اگر ترکوں کی جانفروش و سر باز جماعت تن تنہا اس فرض کو نہ سنبھال لیتی ' تو نہیں معلوم آج جغرافیۂ عالم میں مسلمانوں کی آبادیوں کا کیا حال ہوتا ؟ اور جو مصیبت اسوقت درپیش ہے ' وہ کب کی آچکی اور مسلمانوں پر سے گزر چکی ہوتی ؟ تمام دنیا کے مسلمانوں پر ترکوں کا یہ وہ احسان عظیم ہے کہ اگر اسکے معاوضہ میں مسلمانان عالم اپنا سب کچھ اُن پر سے قربان کردیں ' جب بھی اُنکے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتے - اگر گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے پادشاہتیں کی ہیں تو صرف اُنہی کی بدولت ' اور اگر آج پادشاہتیں کھوکر بھی کچھ نہ کچھ عزت کی پونجی اپنے ساتھہ رکھتے ہیں تو صرف اُنہی کی بدولت - مسلمان خواہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو ' چین میں ہو یا افریقہ کے بعید گوشوں میں ' لیکن صدیوں سے اُسکی قومی زندگی ' قومی عزت ' قومی عیش و آرام ' اور وہ سب کچھہ جو ایک قوم کیلیے ہے اور ہوسکتا ہے ' صرف ترکوں ہی کے طفیل ہے اور اُنہی کا بخشا ہوا -

یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا فرض ہوا کہ ترکوں کی مدد کریں - لیکن ترکوں کیلیے یہ کچھہ ضروری نہیں کہ وہ ہندوستان یا افریقہ میں بانٹنے کیلیے روپیہ بھیجتے رہیں - وہ چار صدیوں سے وہ کام انجام دے رہے ہیں جسکے تصور سے بھی ہم مسلمانان ہند کے دل کانپ اُٹھتے اور جسکے وہم ہی سے ہم پر موت طاری ہوجاتی ہے - یعنے اپنی جانیں اسلام کی حفاظت کی راہ میں قربان کررہے ہیں - اس سے بڑھکر اور کونسا کام ہے جو اسلام اور مسلمانوں کیلیے کیا جاسکتا ہے ؟ اور اسکے بعد کیا رہگیا جسکی طلب اور سوال ہو ؟ بہت ممکن ہے کہ کسی دوسرے حصے کے مسلمانوں نے ترکوں سے زیادہ نمازیں پڑھی ہوں ' لیکن نماز کے قیام کی راہ میں اُنسے زیادہ اپنا خون کسی نے نہیں بہایا - بہت ممکن ہے کہ عرب اور ہندوستان کے مسلمانوں کی زبانوں نے انسے زیادہ قرآن کی تلاوت کی ہو ' لیکن قرآن کی حفاظت کی راہ میں چار سو برس سے زخم صرف اُنہی کے سینے کھا رہے ہیں - اگر اللہ کی شریعت حق ہے ' اگر قرآن و سنت کا فیصلہ باطل نہیں ' تو ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ دوسرے ملکوں کے ہزاروں عابد و زاہد

مسلمانوں سے جنکے دلوں میں کبھی جہاد في سبیل اللہ کا خطرہ بھي نہیں گذرتا ' ترکوں کا ایک گناھگار و معصیت آلود فرد بھي اللہ کے آگے کہیں زیادہ فضلیت و محبوبیت رکھتا ھے - ھماري مدة العمر کي عبادتیں بھي اُنکے سینے کے ایک خونچکان زخم اور اس سے بہنے والے ایک قطرۂ خون کي عظمت نہیں پاسکتیں - حدیث ھے کہ " حرس لیلة في سبیل اللہ افضل من الف لیلة یقـــام لیلها و یصام نهارها " (۱) جہاد في سبیل اللہ کي ایک رات ھزار دنوں کے روزوں اور ھزار راتوں کي عبادت سے بھي افضل ھے ! حضرت عبد اللہ بن مبارک نے حضرة فضیل بن عیـــاض کو ایک مرتبہ یہ اشعار لکھکر بھیجے تھے :

یا عـابد الحـــرمین لو ابصرتنـــا * لعلمت انک في العبادة تلعب !
من کان یخضب خده بـدموعـه * فنحـــورنا بدمـائنـــا تتخضب !
ریح العبیر لکـــم ' و نحن عبیـــرنا * رهج السنابک والغبار الا طیب (۲)

جو مسلمان یورپ کے مسیحي و سیاسي اثر سے مختل ھوکر ترکوں پر اعتراض کیا کرتے ھیں ' اُنکو چاھیے کہ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں کہ صدیوں سے اُنکي منافقانہ غفلت و اعراض کا کیا حال رھا ھے ؟ علی الخصوص ھندوستان کے مسلمانوں کو (جو تعداد میں ھر جگہ کے مسلمانوں سے زیادہ ھیں) غور کرنا چاھیے کہ جس اولین فرض دیني کیلیے ترک چار سو برس

---

(۱) اخرجه الامام احمد عن مصعب بن زبیر -

(۲) حافظ ابن عساکر نے امام موصوف کے ترجمہ میں یہ اشعار نقل کیے ھیں - امام موصوف ایک سال درس حدیث دیتے ' ایک سال تجارت کرتے ' ایک سال جہاد میں شرکت فرماتے - حضرة فضیل اُس عہد کے مشہـــور عباد و زھاد میں سے ھیں - حاصل ان اشعار کا یہ ھے " اے حرمین کے گوشہ نشین عابد ! اگر تو نے ھمارا حال دیکھا ھوتا تو معلوم کر لیتا کہ جس زھد و عبادت میں مشغول رھتا ھے وہ تو ایک طرح کا کھیل ھے - جو شخص اپنے رخسار آنسوؤں سے (عبادت میں) تر کرتا ھے ' اُسے معلوم ھونا چاھیے کہ ھماري عبادت وہ ھے جسمیں رخسار آنسوؤں سے نہیں بلکہ گردنیں خون سے رنگین ھوا کرتي ھیں " ! حضرة فضیل نے جب یہ اشعار پڑھے تو اُنکي آنکھیں اشکبـــار ھوگئیں اور فرمایا " صدق ابو عبد الرحمن " عبد اللہ بن مبارک نے سچ کہا !

سے اپنا خون بہا رہے ہیں ' انہوں نے اسکے لیے کیا کیا ؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ کبھی کبھار چند لاکھ سکے ترک زخمیوں کی مرہم پٹی کیلیے بھیجدیے جو ایک ترک بیوہ کی مصیبت اور ایک ترک یتیم کے آنسوؤں کی قیمت بھی نہیں ہوسکتے ؟ کیا ایسے لوگوں کو جو اپنی راتیں فارغ البالی کے بستروں پر اور دن آرام و بےفکری کی چھتوں کے نیچے بسر کرتے ہوں' یہ حق پہنچتا ہے کہ اُن لوگوں پر زبان طعن کھولیں جو چار سو برس سے اپنی لاشیں خاک و خون میں تڑپا رہے ہیں ؟

بہر حال منصب خلافت کا پہلا مقصد قیام دفاع و جہاد ہے - وہ پچھلی چار صدیوں میں بجز ترکوں کے اور کسی اسلامی حکومت نے انجام نہیں دیا - پس اگر اور دلائل و شواہد نہ ہوتے ' جب بھی صرف یہی ایک بات سلاطین عثمانیہ کی خلافت و امامت کیلیے کفایت کرتی تھی -

اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تمام مبحث اس سوال سے تعلق رکھتا تھا کہ گذشتہ صدیوں میں متعدد اسلامی حکومتوں کے رہتے ہوے سلاطین عثمانیہ ہی کیوں خلافت عظمیٰ کے حقدار تسلیم کیے گیے ؟ لیکن موجودہ زمانے میں جبکہ تمام اسلامی حکومتیں مٹ چکی ہیں ' مسلمانان عالم کیلیے بجز سلطان عثمانی کے کسی دوسری خلافت کا وجود ہی نہیں رہا -

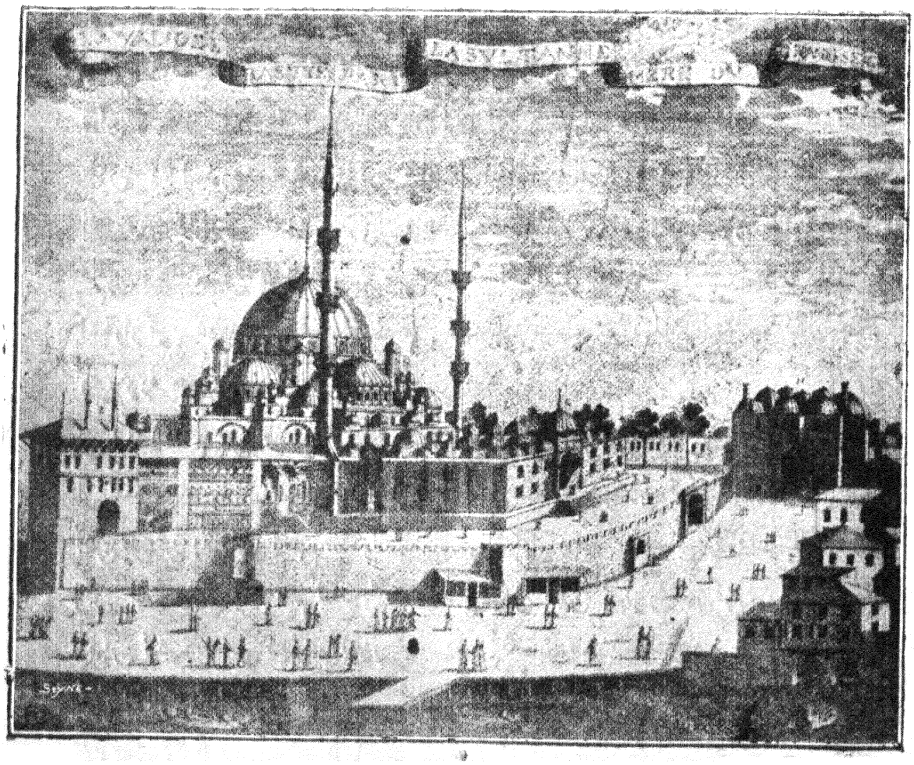

ایڈریا نوپل کی جامع سلیم کا بیرونی منظر!

باب

(فریضۂ عظیمۂ دفاع)

فصل

(حقیقت حکم دفاع)

اسلام کے شرعي واجبات و فرائض میں ایک نہایت اہم اور اکثر حالتوں میں ایمان و کفر تک کا فیصلہ کردینے والا فرض " دفاع " ہے -

تشریح اسکي یہ ہے کہ جب کبھي کسي مسلمان حکومت یا کسي مسلمان آبادي پر کوئي غیر مسلم گروہ حملہ کرے ' تو یکے بعد دیگرے تمام دنیا کے مسلمانوں پر شرعاً فرض ہوجاتا ہے کہ دفاع (ڈیفنس - Difence) کیلیے اُٹھہ کھڑے ہوں' اس حکومت اور آبادي کو غیر مسلم قبضہ سے لڑکر بچائیں ' اگر فوري قبضہ ہوگیا ہے تو اس سے نجات دلائیں ' اور اس کام کیلیے اپني ساري قوتیں اور ہر طرح کي ممکن کوششیں وقف کردیں - اس بارے میں قرآن و حدیث کے احکام اس کثرت سے موجود ہیں ' اور اسلامي فرائض میں یہ اسدرجہ مشہور فرض ہے ' کہ شاید ہي دنیا میں کوئي مسلمان اس سے ناواقف نکلے - یہي باہمي مددگاري و یاوري اور دفاع اعداء کا قانون ہے جس پر اسلام نے شریعت و امت کي حفاظت کي ساری بنیادیں استوار کي ہیں - لڑائي لڑنے کي نسبت سب سے پہلي آیۃ جو نازل ہوئی وہ سورۂ حج میں ہے :

ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا ' ان اللہ لا یحب کل خوان کفور ' أذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا ' و ان اللہ علی نصرہم لقدیر ' الذین اخرجوا من دیارہم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ - (۲۲ : ۳۲)

اللہ تعالی مومنوں پر سے اُنکے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے - وہ اُن لوگوں کا ساتھي نہیں جو اُسکي بخشي ہوئي طاقت کے امانت دار نہیں ہیں ' اور شکر گزاری کي جگہہ کفران نعمت میں سرشار ہیں - جن مسلمانوں سے کافر لڑ رہے ہیں ' اب اُن مسلمانوں کو بھي کافروں سے لڑنے کی اجازت دي جاتي

ھے کیونکہ اُن پر ظلم ھورھا ھے ' اور اللہ مظلوموں کی مدد پر قادر ھے - یہ وہ لوگ ھیں کہ بلا کسی حق کے اپنی آبادیوں سے نکال دیے گئے - انکا کوئی قصور نہ تھا - صرف یہ کہ اپنے پروردگار کے ماننے والے ھیں - (۱)

لیکن بعض مفسرین نے سورۂ بقرہ کی حسب ذیل آیت کو اذن قتال کا پہلا حکم قرار دیا ھے :

و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ' و لا تعتدوا - ان اللہ لا یحب المعتدین - و اقتلوھم حیث ثقفتموھم ' و أخرجوھم من حیث أخرجوکم - والفتنۃ اشد من القتل - (۲ : ۱۸۷)	اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو مسلمانوں سے لڑائی لڑ رھے ھیں - مگر زیادتی نہ کرو - اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا - اور ایسا کرو کہ جہاں کہیں بھی وہ جمے ھوے ملیں ' قتل کردو - اور جہاں کہیں سے انہوں نے مسلمانوں کو نکالا ھے ' تم بھی نکال باھر کرو - ایسا کرنا اگرچہ خونریزی ھے ' مگر خونریزی کی برائی سے بھی بڑھکر ظلم و فساد کی برائی ھے -

امام ابن جریر نے ابو العالیہ کا قول نقل کیا ھے کہ جنگ کی نسبت یہی پہلی آیت ھے جو نازل ھوئی " أنہا اول آیت نزلت فی القتال بالمدینہ فلما نزلت کان رسول اللہ صلعم یقاتل من قاتلہ و یکف عمن کف عنہ ' حتی نزلت سورۃ براۃ " پس اذن قتال کی پہلی آیت یا سورۂ حج کی ھے یا بقرہ کی -

ان دونوں آیتوں اور انکی ھم مطلب آیات میں قران حکیم نے حکم قتال کے اُس حصہ کو صاف صاف مسلمانوں پر فرض کردیا ھے جسکا مقصد دفاع (ڈیفنس) ھے (۲) - یعنی جب کبھی غیر مسلموں کی کوئی جماعت

---

(۱) روی الحاکم من حدیث الاعمش عن ابن عباس - قال : لما خرج رسول اللہ صلعم من مکہ قال ابو بکر " اخرجوا نبیھم - انا للہ و انا الیہ راجعون - لیھلکن" فانزل اللہ اذن للذین یقاتلون الخ و ھی اول آیۃ نزلت فی القتال - اسنادہ علی شرط الصحیحین -

(۲) یعنی حکم جہاد کی مختلف قسموں اور صورتوں میں سے ایک قسم قتال ھے - پھر قتال کی بھی دو قسمیں ھیں - دفاع اور ھجوم - ان آیات میں دفاع کا حکم ھے - ھجوم کا حکم دوسری آیتوں میں ھے اور اسکے مواقع و براعث اور شرائط دوسرے ھیں -

مسلمانوں کي کسي حکومت يا آبادي پر حملہ کرے ' يا اُس پر خود قابض ہو جانا چاہے ' تو مسلمانوں کو چاہيے کہ وہ اپنے بھائيوں کي مدد کيليے اُٹھہ کھڑے ہوں - جس طرح حملہ آوروں نے حملہ کيا ہے ' يہ بھي کريں - قتل و جنگ کي جو جو چال وہ چلے ہيں ' يہ بھي چليں - البتہ يہ جائز نہيں کہ اس بارے ميں رحم و عدل کے جو حدود شريعت نے باندھديے ہيں (مثلاً ضعيفوں ' بوڑھوں ' بچوں ' عورتوں ' راہبوں ' مذہبي عبادتگاہوں وغيرہ سے تعرض نہ کرنا) اُنسے قدم باہر نکاليں - پھر اُس حکم کي علت بھي بتلادي کہ الفتنة اشد من القتل - بلاشبہ يہ جنگ قتل ہے اور انساني قتل بہت بڑی برائي ہے ' ليکن اس برائي سے بھي بڑھکر برائي يہ ہے کہ لوگ اپني آبادیوں اور حکومتوں پر قانع نہيں رہتے - دوسروں کے حقوق آزادي و حکومت چھيننا چاہتے ہيں - توحيد کي جگہ کفر و شرک کے ماتحت مسلمانوں کو لانا چاہتے ہيں ' قوموں کا قدرتي حق حريت پامال کر رہے ہيں - اگر اسکے دفع کا انتظام نہ کيا جاے ' تو پھر دنيا ميں کوئي قوم زندہ و باقی نہيں رہسکتی - پس بڑی برائي کے دور کرنے کيليے چھوٹي برائي اختيار کر لينی چاہيے - يہ خود نيچر کا عالمگير قانون اور کارخانۂ حيات کا دائمي عمل ہے - اگر ايسا نہ ہوتا تو خدا کبھي جنگ کا حکم نہ ديتا -

سورۂ محمد (ص) ميں قرآن نے حکم قتال اور جواز جنگ کي اصلی علت بھي بتلادي ہے :

حتی تضع الحرب — لڑتے رہو ' يہانتک کہ لڑائي موقوف اوزارھا - (۴۷ : ۶) — ہو جاے -

يعنی اسلام کا اصلي مقصد يہ ہے کہ دنيا ميں عالمگير صلح و امن قائم ہو جاے - ساری دنيا ايک قوم' اور تمام نوع انساني ايک گھرانے کي طرح زندگي بسر کريں - ليکن جب تک جنگ کرنے والی ظالم و حريص قوتيں باقي ہيں ' يہ مقصد حاصل نہيں ہوسکتا - پس پہلے مفسد و جابر قوتوں کا مقابلہ کرنا اور اُنکو فنا کرديںا ضروری ہوا - مضبوط اور مستقل امن اُسي وقت قائم ہوگا ' جب پہلے امن کي خاطر اچھی طرح جنگ کرلی جاے :

حتی اذا اثخنتموھم — يہانتک لڑو کہ جنگ آزما دشمن چور چور ہو جائيں - (۴۷ : ۵)

قاتلوں کا جب تک خون نہ بہايا جائيگا ' مقتولوں کا خون بہنا بند نہ ہوگا :

و لکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب - (۲ : ۱۷۹)

تمہارے لیے قصاص کي موت میں امن کي زندگي پوشیدہ ھے !

لہذا حکم دیا کہ جب تک دنیا جنگ اور براءت جنگ سے باز نہ آجاے ' جنگ کرتے رھو - کبھي اس سے نہ تھکو - یہانتک کہ دنیا میں جنگ کا نام و نشان ھي باقي نہ رھے " تضع الحرب اوزارھا " جنگ اپنے ھتیار ڈالدے - یعنی جنگ بالکل موقوف ھوجاے - فساد و بطلان کي وہ قوتیں ھي باقي نہ رھیں جو خدا کي زمین کو ھمیشہ انساني خون سے رنگتي رھتي ھیں - قرآن کا دعوا ھے کہ عالمگیر امن کا یہ وقت دنیا پر ضرور آئیگا - مگر اُسي وقت آئیگا جب تمام دنیا اسلام کي دعوت امن و اخوت کے آگے جھک جائیگي : ھو الذي ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق ' لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (۹ : ۶۱)

فصل

(فضائل دفاع)

اسلامي احکام میں یہ حکم " دفاع " جو اھمیت رکھتا ھے ' وہ عقائد ضروریہ کے بعد کسي حکم ' کسي فرض ' کسي رکن ' کسي عبادت کو حاصل نہیں - قرآن و حدیث میں باربار یہ بات بتلائي گئی ھے کہ قومي زندگي اسي عمل کے بقاء پر موقوف ھے - جب تک مسلمانوں میں یہ جذبہ باقي رھیگا اور اس کام کي راہ میں ھر فرد اپني زندگي اور اپنا مال قربان کردینے کیلیے طیار رھیگا ' اُسوقت تک دنیا کي کوئي قوم اُنپر غالب نہ آسکیگي - جسدن یہ جذبہ مردہ ھوجائیگا - اُسي دن سے مسلمانوں کي قومي موت بھي شروع ھوجائیگی - چنانچہ قرآن نے مثال میں یہودیوں کي تاریخ پیش کي ھے - جب تک یہودیوں میں اعتقاداً و عملاً یہ جذبہ باقي رھا ' حکومت و عزت اُنھي کیلیے تھي - جب چند گھڑیوں کے عیش و راحت کا عشق قومي زندگي و عزت کے دائمي عیش کي طلب پر غالب آگیا ' اور اس چیز کو چھوڑ بیٹھے ' توذلت و محکومي کا داغ ھر یہودي کي پیشاني پر لگ گیا ' اور ھمیشہ کیلیے خوار و ذلیل ھوکر رھگئے : ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ و باؤا بغضب من اللہ !

الم تر الى الملاء من بني اسرائيل من بعد موسى ؟ اذ قالوا لنبي لهم " ابعث لنا ملكا نقاتل في سبيل الله " قال " هل عسيتم ان كتب عليكم القتال ان لا تقاتلوا " قالوا " وما لنا ان لا نقاتل في سبيل الله وقد أخرجنا من ديارنا وابنائنا ؟ " فلما كتب عليهم القتال ' تولوا الا قليلاً منهم ' والله عليم بالظالمين - (۲ : ۱۲۲)

کیا بني اسرائیل کا حال نہیں دیکھتے کہ موسیٰ کے بعد کیا ہوا ؟ پہلے تو خود ہي اپنے عہد کے نبی سے درخواست کی " کسی کو ہم پر پادشاہ بنادو کہ اُسکے ماتحت اللہ کی راہ میں لڑیں " نبي نے کہا " اگرچہ تم ایسا کہتے ہو لیکن امید نہیں کہ وقت پر پورے اُتروٴ - اگر تم کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو بزدلي دکھلا کے نافرمانی کرجاوٴگے " ان لوگوں نے جواب دیا " نہیں ایسا نہیں ہوسکتا - ہمکو کیا ہوگیا ہے کہ حق کي راہ میں ظالموں سے جنگ نہ کریں ؟ حالانکہ انہوں نے ہم کو اور ہماري اولاد کو ہمارے شہروں سے نکال دیا ہے " لیکن دیکھو ' جب لڑائي کا حکم دیا گیا تو بجز چند حق پرستوں کے سب اپنے قول و قرار سے پھر گئے - وقت پر اُنکا دعوا سچا ثابت نہ ہوا -

سنن ابو داؤد میں ہے " اذا ضن الناس بالدينار والدرهم و تبايعوا بالعين واتبعوا اذناب بقر ' و تركوا الجهاد في سبيل الله ' انزل الله بهم بلاء ' فلم يرفعه حتى يراجعوا " یعنی جب کوئي جماعت جہاد في سبيل الله ترک کردیتي ہے تو اسپر بلائیں نازل ہوتي ہیں جو کبھي دور نہیں ہوسکتیں - الا یہ کہ وہ اس معصیت سے باز آئیں -

چونکہ شریعت و ملت کے قیام کي اصلي بنیاد یہي چیز تھي ' اسلیے ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے اس پر زور دیا گیا ' اور سارے عملوں اور نیکیوں سے جو ایک مسلمان دنیا میں کرسکتا ہے ' اس عمل کا مرتبہ و اجر افضل و اعلیٰ ٹھہرایا - جس عمل میں جسقدر زیادہ ایثار و قرباني ہوگي ' اُتنا ہي زیادہ اُسکا اجر و ثواب بھي ہوگا - ظاہر ہے کہ اس عمل سے بڑھکر اور کس عمل میں مال و جان کا ایثار ہوسکتا ہے ؟

کوئي خاص وقت اور عہد اسکے لیے مخصوص نہیں - ہر حال اور ہر زمانے میں ایک مسلم و مومن زندگي کے ایمان و صداقت کي بنیاد یہي چیز اور اسي کا سچا عشق و ولولہ ہے - یہي سنام دین ہے - یہي عماد ملت

ھے - یہي اساس شرع ھے - یہي ملاک اسلام ھے - یہي ایمان و نفاق کي اصلی کسوٹی ھے - یہی مومن کو منافق سے الگ کردینے کیلیے اصلی پہچان ھے - نماز اسی سے ھے - روزہ اسی ھے - حج اسی سے ھے - زکواۃ کا سب سے پہلا اور افضل مصرف یہی ھے - سب اسکے لیے ملتوي ھو جاسکتے ھیں - اسکو کسی کی خاطر نہیں چھوڑا جا سکتا - نماز دین کا ستون ھے اور روزہ برائیوں سے بچنے کی ڈھال ' لیکن یہ دین کی بنیاد ھے اور برائیوں کو معدوم کردینے والی تلوار - پس اسکی فضیلت کو نہ نماز پہنچ سکتی ھے نہ روزہ - نہ اس سے بڑھکر کوئی دوسرا عمل ھے جو اللہ کی نظروں میں محبوب ھو اور کرنے والے کو اسکی دائمي محبوبیت سے سرفـــراز کردے - ھزاروں نمازیں اور ھزاروں روزے بھي اُس ایک قطرۂ خون کي فضیلت و تقدیس نہیں پا سکتے جو اس راہ میں بہایا گیا ' اور عمر بھر کي صدقات و خیرات بھی اُس ایک درھم کے اجر کا مقابلہ نہیں کرسکتیں جو اس راہ میں خرچ کیا گیا - حتی کہ یہي عمل اسلام و ایمان کي اصلی پہچان قرار پایا - جس مسلمان کا دل اس کے ولولۂ و طلب سے خالي ھوا ' وہ ایمان و اسلام کي روشني سے محروم ھوگیا - نفاق کي ظلمت اُسپر چھاگئی - صحیح مسلم میں ھے :

مـــن مـــات و لـــم یغـــز و لم یحـــدث نفسه به ' مات علی شعبـة مـــن النفاق - (عن ابي هریرہ)

جو مسلمان اس حالت میں دنیا سے گیا کہ نہ تو کبھي اللہ کي راہ میں لڑائي لڑی ' اور نہ اُسکے دل میں اس بات کي طلب رھي ' اُسکي موت ایسی حالت میں ھوئی جو نفاق کي شاخوں میں سے ایک شاخ ھے -

قرطبي نے اسکی شرح میں کہا " فیه دلیل علی وجوب العزم " اس حدیث سے ثابت ھوا کہ جہاد کا عزم اور ارادہ ھر مسلمان پر واجب ھے - اسکے عزم اور طلب سے بھي اگر دل خالی ھو گیا تو وہ مومن نہیں ھے ' منافق ھے - اگر ھندوستان کے مسلمان چاھیں تو اس فرمان رسول کو سامنے رکھکر اپنے ایمان و نفاق کا فیصلہ کر لے سکتے ھیں !

ترمذي میں ھے - ایک مرتبہ صحابہ کي ایک جماعت میں اس بات کا چرچا ھوا " ای الاعمال احب الي الله " ؟ ساري نیکیوں اور عبادتوں میں

سب سے زیادہ کونسا عمل اللہ کے نزدیک محبوب و مقبول ہے ؟ اسپر سورۂ صف نازل ہوئی (۱)

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص ! اللہ تعالیٰ تو اُن لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اُسکی راہ میں صف باندھکر اس استقامت اور جماؤ سے لڑتے ہیں، گویا ایک دیوار ہے جو تلواروں کے سامنے کھڑی کردی گئی ہے، اور دیوار بھی کیسی ؟ ایسی جسکی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سیسہ ڈالکر جوڑ دی گئی ہو !

پھر اسی سورۃ میں آگے چلکر فرمایا - یہی وہ عمل ہے جسکے کرنے کے بعد تمام گناہ بخشدیے جاتے ہیں - کوئی خطا، کوئی معصیت، کوئی برائی باقی نہیں رہتی - ابدی نجات کا دروازہ ہمیشہ کیلیے کھل جاتا ہے :

یا ایہا الذین آمنوا ! ہل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ؟ تؤمنون باللہ و رسولہ ، و تجاہدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم ، ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون - یغفر لکم ذنوبکم ، و یدخلکم جنات تجری من تحتہا الانہار، و مساکن طیبۃ فی جنات عدن - ذلک الفوز العظیم !

بخاری و مسلم میں حضرۃ ابو ہریرہ سے مروی ہے - آنحضرۃ سے سوال کیا گیا - " ای العمل افضل" ؟ کونسا عمل سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے ؟ فرمایا " ایمان باللہ و رسولہ " اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانا - پوچھا " ثم ماذا " ؟ اس کے بعد ؟ - فرمایا " الجہاد فی سبیل اللہ " - اللہ کی راہ میں جہاد !

بخاری میں ابوسعید خدری سے ہے " قیل ای الناس افضل ؟ فقال مومن یجاہد فی سبیل اللہ بنفسہ و مالہ " آپ سے پوچھا گیا - سب سے زیادہ افضل آدمی کون ہے ؟ فرمایا وہ مومن جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتا ہے -

اور فرمایا " لغدوۃ فی سبیل اللہ أو روحۃ خیر من الدنیا و ما فیہا " اور " خیر مما تطلع علیہ الشمس و تغرب " (بخاری) جہاد فی سبیل اللہ

---

(۱) و اخرجہ ایضا امام احمد عن عبد اللہ بن سلام ، و ابن ابی حاتم و ابن حبان ، و الحاکم و قال صحیح علی شرط الصحیحین ، و البیہقی فی شعب الایمان و السنن ، و الطبری فی التفسیر -

کي ایک صبح یا شام تمام دنیا اور اُسکي نعمتوں سے بہتر ھے اور اُن ساري چیزوں سے افضل ھے جن پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ھے !

بخاري میں دو حدیثیں ھیں " ما من عبد یموت له عند الله خیر یسره أن یرجع الي الدنیا و أن له الدنیا و ما فیها ' الا الشهید - لما یری من فضل الشهـــادة فانه یسره أن یرجع الي الدنیا فیقتل مرة أخری " اور روایت انس " ما احد یدخل الجنة یحب أن یرجع الي الدنیا و له ما علي الارض من شئ ' الا الشهید ' یتمني أن یرجع الي الدنیا فیقتل عشر مرات لما یري من الکرامة " حاصل دونوں کا یه ھے که مرنے کے بعد دوباره دنیا میں آنے کي کسي کو آرزو نہیں ھوسکتي مگر اُس کو جو الله کي راه میں شہید ھوا - جب وہ شہادت کا اجر و ثواب دیکھتا ھے تو تمنا کرتا ھے - کاش پھر دنیا میں جاسکوں اور دس مرتبه اِسي طرح الله کي راه میں مارا جاؤں - اور ھر مرتبه شہادت کي عزت و کرامت حاصل کروں !

حد ھوگئي که جن لوگوں نے جنگ بدر میں جاں نثاریاں کي تھیں ' اگر کبھي انسے کوئي لغزش ھوئي اور معصیت میں مبتلا ھوگئے ' تو آپ نے سزا دینے سے انکار کردیا اور فرمایا " لعل الله اطلع علی اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم " یه وہ جاں نثار حق ھیں جنھوں نے جنگ بدر میں شرکت کي ھے - عجب نہیں که اس ایک عمل کے صله میں الله نے انکی ساري پچھلی اور آئنده خطائیں بخشدي ھوں اور کھدیا ھو که جو جی میں آے کرو !

طبراني نے عمـــران بن حصین سے روایت کي ھے که جب شام کے رومیوں کي طیاریوں کي خبر پھنچي تو مدینه میں مسلمانوں کي حالت نہایت نازک اور کمزور تھي - کسي طرح کا سازوسامان میسر نه تھا - حضرة عثمـــان نے یه حال دیکھا تو اپنا پورا تجارتي قافله آنحضرة کیخدمت میں پیش کردیا جو شام جانے کیلیے طیار ھوا تھا - اسمیں دو سو اونٹ مال و اسبـــاب سے لدے ھوے تھے ' اور دو سو اوقیه سونا تھا - آنحضرة نے فرمایا " لا یضر عثمان ما عمل بعدها " آج کے دن کے بعد سے عثمان خواه کچھه هي کرے لیکن کوئي عمل اسکو نقصـــان نہیں پھنچا سکتا - (اخرجه الترمذي و الحاکم ایضاً من حدیث عبد الرحمن بن حباب نحوه)

سبحان الله اس عمل عظیـــم کي برکت و بخشش ! اس حدیث سے معلوم ھوا که عمل دفاع کیلیے اپنا مال و متاع قربان کرنا خدا و رسول کي

نظروں میں ایسا محبوب و محتـــرم کام ہے ' جسکے بعد کوئي برائي بھي صاحب عمل کو نقصان نہیں پہنچا سکتي - کسي عمل کسي طاعت ' کسي عبادت کو بھي یہ فضیلت نصیب نہ ہوئي !

ترمذي میں ہے " من رابط لیلة في سبیل الله ' کانت له کالف لیلة صیامها و قیامها " جس مسلمان نے ایک رات بھي جہاد کرتے ہوے دشمن کے انتظار میں کاٹي ' اسکے لیے ایسا اجر ہے ' گویا ہزار دنوں کا روزہ اور ہزار راتوں کی عبادت !

اور فرمایا " مقام احدکم في سبیل الله خیر من عبادة احد کم فی اهله ستین سنة " (ترمذي) ساٹھ برس تک اپنے گھر میں عبادت کرنے سے بھی یہ افضل ہے کہ جہاد کے میدان میں کھڑے نظر آؤ -

اور فرمایا " حرس لیلة في سبیل الله ' افضل له من الف لیلة ' یقام لیلها و یصام نهارها " (رواہ احمد) جہاد کی ایک رات اس سے افضل ہے کہ ہزار راتیں عبادت میں اور ہزار دن روزہ میں بسر کیے جائیں !

اور فرمایا " حرمت النار علی عین دمعت من خشیة الله و حرمت النار علی عین سهرت في سبیل الله " (ایضاً) جو آنکھ الله کے خوف سے اشکبار ہوئي ' یا جہاد میں کام کرتے ہوے جاگي ' اسپر دوزخ کي آگ حرام ہے !

ایک شخص نے پوچھا - یا رسول الله ! کوئي ایسا عمل بتلادیجیے کہ مجاهدین کا ثواب حاصل ہو - فرمایا " هل تستطیع ان تصلی فلا تفتر ' و تصوم فلا تفطر ؟ " اسکي طاقت رکھتے ہو کہ برابر نماز پڑھتے رہو اور قضا نہو ' برابر روزہ رکھتے رہو ' اور کبھي بیچ میں افطار نہ کرو ؟ عرض کیا " انا اضعف من ان استطیع ذلک " یہ تو میري طاقت سے باہر ہے - فرمایا " فو الذي نفسي بیده ! لو طوقت ذلک ' ما بلغت فضل المجاهدین في سبیل الله - اما علمت ان فرس المجاهد لیستن في طوله فیکتب له بذلک الحسنات ؟ " خدا کي قسم ! اگر تم ایسا کرنے کي طاقت بھي رکھتے اور کر دکھاتے ' جب بھي اُن لوگوں کي فضیلت کہاں پاسکتے تھے جو الله کي راہ میں جہاد کرتے ہیں ؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مجاهد کا گھوڑا لگام میں اُچھلتا ہے تو اسکے لیے بھي اسکے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوتي رہتي ہیں ؟ (رواہ احمد ' و ایضاً رواہ البخاري باختلاف یسیر)

بخاري و مسلم میں ہے - تین مرتبہ آپ سے پوچھا گیا - " ما یعدل الجهاد في سبیل الله ؟ " کونسا کام ہے جو جہاد کے برابر درجۂ و فضیلت رکھتا ہو ؟ تینوں مرتبہ فرمایا " لا تستطیعونه " تم اسکي طاقت نہیں رکھتے - یعني کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو جہاد کے برابر درجہ رکھتا ہو اور تم کرسکو- پھر فرمایا " مثل المجاهد کمثل الصائم القائم القانت بایات الله لا یفتر عن صلاته و لا صیامه حتی یرجع"

اور فرمایا " من اغبرت قدماه في سبیل الله ساعة من نهار ' فهما حرام علی النار " (رواه احمد) جس کے پاؤں الله کي راہ میں ایک گھنڈه کیلیے بھي گرد آلود ہوے ' دوزخ کي آگ اُن قدموں پر حـــرام ہے -

امام بخاري نے اسي حدیث کو یوں روایت کیا ہے " ما اغبرت (و في روایة المستملي" اغبرتا " با التثنیه) قدما عبد في سبیل الله فتمسه النار" ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس بندے کے پاؤں جهـــاد کي راہ میں غبار آلود ہوے ہوں ' اُن کو جہنم کي آگ بھي چھو سکے - حافظ عسقلاني اس کي شرح میں لکھتے ہیں - اس حدیث سے جہاد في سبیل الله کي عظمت و فضیلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے - جب صرف غبار راہ سے قدموں کا آلودہ ہونا اتنا بڑا اجر رکھتا ہے کہ جہنم کي آگ اُن پر حرام ہوجاتي ہے ' تو جو خوش نصیب جہاد و دفاع میں کمال سعي و تدبیر کرے اور اپني جان اور مال کو اس کے لیے وقف کردے ' اس کے اجر و ثواب کا کیا حال ہوگا ؟ اور کون ہے جو اس کا اندازہ لگا سکتا ہے ؟ و الله یضاعف لمن یشاء -

اور فرمایا " ما من میت یموت الا ختم عمله ' الا من مات مرابطا في سبیل الله ' فانه ینمو له عمله الی یوم القیامة و امن من فتنة القبر" (رواه اصحاب السنن) کوئي ایسي موت نہیں جسکے ساتھه اعمال کا سلسله بھي ختم نه ہو جاتا ہو ' الا وہ شخص کہ جہاد کي راہ میں دشمن کے حملے کا انتظار کرتا ہوا دنیا سے گیا - سو اُسکا عمل ایسا ہے جو مرنے کے بعد بھي قیامت تـک بڑھتا رہیگا -

یعنی عمل جہاد بھي حسنات جاریه میں سے ہے - حسنات جاریه بموجب نص حدیث مسلم تین ہیں - اولاد صالح' علم نافع' اوقاف و تعمیرات خیریه - مثلاً مساجد و مدارس وغیرہ جو بعد کو باقي رہیں - اس حدیث اور اسکی ہم معنی احادیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کا ہر کام بھي اسي قسم میں داخل

ھے - علت اسکي بالکل واضح ھے - عمل جہاد کي بنیاد ھي یہ ھے کہ اپنے بعد کے زمانے اور آنے والي نسلوں کی حفاظت و سعادت کیلیے اپنا وجود قربان کردیا جاے - پس کوئي عمل نہیں جو اس سے زیادہ سچی اور بے لاگ انسانی خدمت اور نوع پرستی کے جذبات رکھتا ھو - اور اسي لیے ضروري ھوا کہ اسکا اجر بھی وقتی نہو ' دائمی ھو - عمل کا اجر تو عمل کے نتائج پر موقوف ھے - جب نتائج بعد کے زمانوں اور نسلوں کو ملینگے ' تو صاحب عمل کا اجر بھي فوراً کیوں منقطع ھوجاے ؟

اس حدیث میں " مرابطاً في سبیل اللہ " کا لفظ آیا ھے - اور دوسري حدیثوں میں بھي جا بجا " رباط " کا لفظ وارد ھے - " رباط " سے مقصود یہ ھے کہ کسي مقام میں ٹھہرکر دشمن کے حملہ کا انتظار کرنا - تاکہ جب دشمن آجاے تو اللہ کي راہ میں مقابلہ کیا جاے - نہایہ میں ھے " ھو الاقامۃ في مکان یتوقع ھجوم العدو فیہ لقصد دفعہ للہ " پس " مرابطا في سبیل اللہ " کا مطلب یہ ھوا کہ اگر لڑکر شہید ھونے کا موقعہ نہیں ملا ' اور حملہ کے انتظار ھي میں موت آگئي ' جب بھي اسکا اجر مرنے کے بعد برابر بڑھتا رھیگا - اور وہ ھزار دنوں کے روزۂ و نماز سے بھي افضل ھے ! اسي بنا پر امام بخاري و امام نواوي وغیرھما نے فضل الرباط في سبیل اللہ کا باب باندھا ھے -

قرآن بھي ھر جگہ اور بار بار یہي کہتا ھے :

الذین آمنوا و ھاجروا و جاھدوا	جو لوگ ایمان لاے ' حق کي راہ میں
في سبیل اللہ باموالھم	اپنا گھر بار چھوڑا ' اپني جان و مال سے
و انفسھم ' اعظم درجۃ عند اللہ	جہاد کیا ' سو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ
و اولائک ھم الفائزون -	اور اونچا درجہ اُنھي کا ھے - یہی لوگ
یبشرھم ربھم برحمۃ منہ	ھیں کہ دنیا اور آخرۃ میں کامیاب ھونگے -
و رضوان و جنات لھم فیھا نعیم	اللہ کي طرف سے انکے لیے بشارت ھے -
مقیم - خالدین فیھا ابدا -	اسکي رحمت ' اُسکي محبت ' بہشتي
ان اللہ عندہ اجر عظیم !	زندگي کي نعمتیں ' اور اُنکي دائمی اور
(۹ : ۲۳)	ھمیشگي ' سب کچھہ اُنھی کیلیے ھے -

جو لوگ خود اپني ذات سے جہاد و دفاع میں حصہ نہ لے سکیں مگر مجاھدین کو اپنے مال و متاع سے مدد پہنچائیں ' یا اور کسي طرح کي

خدمت انجام دیں' تو اگرچہ وہ مجاھدین کا اجر و ثواب نہیں پا سکتے' لیکن اُن کے لیے بھی اجر ھے' اور ساری عبادتوں اور طاعتوں سے بڑھکر اجر ھے -

ابن ماجہ میں ھے " من ارسل بنفقة فی سبیل الله و اقام فی بیته' فله بکل درھم سبع مائة درھم' و من غزا بنفسه فی سبیل الله و انفق فی وجهه ذلک' فله بکل درھم سبع مائة الف درھم - ثم تلا ھـذہ الایه - و الله یضاعف لمن یشاء " یعنی جو مسلمان ایسے وقتوں میں گھر سے نہ نکلا ' صرف اپنے روپیہ سے جہاد میں مدد دی ' تو اسکو ھر ایک روپیہ کے بدلے سات سو روپیوں کا اجر ملیگا - یعنے اس انفاق میں سات سو درجہ زیادہ اجر ھے - اور جس نے روپیہ بھی لگایا اور خود بھی شریک کار ھوا ' تو اسکے لیے سات ھزار درجہ زیادہ اجر ھے - پھر آپنے یہ آیت پڑھی " الله جس کسی کا اجر و ثواب چاھتا ھے دوگنا کردیتا ھے "

اور امام بخاری نے باب باندھا ھے " فضل من جهز غازیا " اسمیں زید بن خالد کی حدیث لاے ھیں " من جهز غازیا فی سبیل الله فقد غزا و من خلف غازیا فی سبیل الله بخیر فقد غزا " یعنی جس شخص نے مجاھد و غازی کے سامان کا انتظام کردیا تو گویا اُس نے خود جہاد کیا - اور جس نے اُسکے پیچھے اُسکے کاموں کی دیکھہ بھال کی تو اسکے لیے بھی ایسا ھی اجر ھے !

اسلام نے حقوق العباد پر جسقدر زور دیا ھے' معلوم ھے - علی الخصوص والدین اور اقرباء کے حقوق کہ ساری نیکیوں اور ھر طرح کی عبادتوں سے مقدم ٹھہرائے گئے - لیکن صرف یہی وہ عمل عظیم ھے جسکے لیے یہ حقوق بھی رک نہیں ھوسکتے - امت اور شریعت کی حفاظت ھی پر تمام افراد کی حفاظت موقوف ھے - پس اگر امت دشمنوں کے نرغہ میں ھے ' تو نیکی کا سب سے بڑا کام جو زمین پر ھوسکتا ھے مسلمانوں کے سامنے آ گیا - اب اس بڑے کام کے لیے سارے چھوٹے کام چھوڑ دینے چاھئیں - ماں ' باپ ' بھائی' بہن ' بیوی' بچے ' رشتے ناتے ' اپنی اپنی جگھہ سب حق ھیں - سب کا حق ادا کرنا چاھیے - لیکن خدا اور اسکی سچائی کا حق سب سے بڑا حق ھے - اُسکے رشتہ کے سامنے سارے رشتے ھیچ ھیں - پس اگر اُسکے کام کا وقت آ گیا تو سب کو اُسکی خاطر چھوڑ دینا پڑیگا :

قل ان کان اباؤکم ' و ابناؤکم ' و اخوانکم ' و ازواجکم ' و عشیرتکم ' و اموال اقترفتموها ' و تجارة تخشون کسادها ' و مساکن ترضونها ' احب الیکم من الله و رسوله و جهاد فی سبیله فتربصوا حتی یاتی الله بامره و الله لا یهدی القوم الفاسقین - (۹ : ۲۵)

مسلمانوں سے کہدو کہ تمہارے والدین' تمہاری اولاد ' تمہارے بھائی ' تمہاری بیویاں' تمہارا خاندان اور اسکے تمام رشتے ' یہ مال و متاع جو تم نے کمایا ہے ' یہ کاروبار و تجارت جسکے مندا پڑجانے سے تم ڈرتے ہو' یہ تمہارے رہنے کے محل جن میں تمہارا دل اٹکا ہوا ہے ' اگر تمہیں اللہ اور اسکے رسول اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں ' اور تمہارے پاؤں ان زنجیروں میں ایسے بندھگئے ہیں کہ اللہ کی پکار بھی اُنہیں نہیں ہلا سکتی ' تو جان لو کہ اللہ کا کام بھی تمہارا محتاج نہیں - نتائج کا انتظار کرو - یہانتک کہ اللہ کو جو کچھہ کرنا منظور ہے کر دکھاے - اللہ کا قانون ہے کہ وہ نافرمانوں پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا !

اگرچہ عمل کے اعتبار سے اس فرض کی تعمیل اُس وقت لازم سے الزم ہوجاتی ہے جب حملۂ اعداء کی وجہ سے خاص طور پر ضرورت پیش آجاے' لیکن عزم و استعداد کے لحاظ سے یہ حکم کسی خاص وقت میں محدود نہیں - ہمیشہ اور ہر حال میں مسلمانوں کا فرض ہےکہ دفاع اعداء کیلیے طیار رہیں اور طیاری کرتے رہیں - اوپر حدیث گزرچکی ہے کہ جو دل اس کے عزم و طلب سے خالی ہوا ' اُس پر ایمان کی جگہ نفاق کا قبضہ ہوگیا :

و اعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخیل ترهبون به عدو الله و عدوکم و آخرین من دونهم لا تعلمونهم (۸ : ۶۰)

جسقدر بھی تم سے ممکن ہو' دشمنوں کے مقابلے کیلیے اپنی قوت اور ساز و سامان سے طیار رہو - تا کہ تمہاری مستعدی دیکھکر اللہ اور اُسکی اُمت کے دشمنوں پر خوف اور رعب چھا جاے - تم پر حملہ کرنے کی کو جرأت ہی نہو -

فصل

(عہد نبوت کا ایک واقعہ)

یہ قرآن و سنت کے احکام ہیں - اب دیکھیں ' صاحب شریعت کا اس بارے میں میں طرز عمل کیا رہا ہے ؟

ہجرۃ کے نویں سال آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ رومیوں کی فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھی ہو رہی ہے - یہ سنکر آپنے بھی طیاری کا حکم دیدیا' اور تیس ہزار مجاھدین کے ساتھہ مدینہ سے کوچ کردیا - چونکہ یہ فوج بڑی ھی تنگدستی اور بے سر و سامانی کے حال میں نکلی تھی - اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں صرف ایک سواری آئی تھی - جنگل کے پتے کھا کر لوگوں نے گزارہ کیا تھا ' اس لیے اس فوج کا نام " جیش العسرۃ " مشہور ہوا - الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ (۹ : ۱۱۹)

آج تم خدا اور اُس کے ایمان کی جگہ لوہے اور گندھک کے سامان و اسلحہ کی پرستش کر رہے ہو - لیکن ایک وقت وہ بھی تھا ' جب بے سر و سامان مسلمانوں کی یہ بھیڑ نکلی تھی ' تا کہ کرۂ ارضی کی سب سے بڑی متمدن قوم یعنی رومیوں سے مقابلہ کرے !

حضرۃ ابوبکر (رض) نے اسی دفاع کیلیے اپنا تمام مال و متاع پیش کردیا تھا - جب اُنسے پوچھا گیا " ما ابقیت لاھلک " اپنے بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آے ہو ؟ تو اس پیکر ایمان و مجسمۂ عشق حق نے جواب دیا تھا " ابقیت لھم اللہ و رسولہ " ! اللہ اور اُس کے رسول کو !

آنکس کہ ترا بخواست ' جانرا چہ کند ؟
فرزند و عیـــال و خانمان را چہ کند ؟
دیوانہ کنی ہر دو جہـــانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہـــان را چہ کنـــد ؟

تبوک نامی مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا مسلمانوں کی دلیرانہ طیاریوں کا حال سنکر رومیوں کے حوصلے پست ہوگئے اور فوجیں منتشر کردی گئیں - آنحضرت نے ایک ماہ قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس آگئے -

اس دفاع میں بجز منافقین کے تمام مسلمان شریک ہوے تے - صرف تین شخص نہ جاسکے - کعب بن مالک - ہلال بن اُمیہ - مرارہ بن ربیع - کعب بن مالک سابقین انصار میں سے ہیں ' اور اُن ۷۳ سابقین مخلصین میں سے جو عقبہ کی بیعت میں حاضر ہوے تے - انکے ایمان و اخلاص میں کیا شبہ ہوسکتا ہے ؟ اُنکا شریک نہ ہونا کسی بری نیت سے نہ تھا - سستی اور کاہلی سے آج کل کرتے رہے اور فوج کے ساتھہ ملنے کا موقعہ نکل گیا -

با ایں ہمہ یہ معاملہ اللہ اور اسکے رسول کی نظروں میں اس درجہ اہم ہے کہ اتنی سستی اور کاہلی بھی ایک سخت جرم قرار پائی - معذرت کرنے کیلیے حاضر ہوے تو توبہ قبول نہ ہوئی - حکم ہوا کہ گھر میں بیٹھو اور فیصلۂ وحی کا انتظار کرو - مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تمام تعلقات انسے ترک کردیں - نہ کوئی بات چیت کرے - نہ ملے جلے - نہ اُور کسی طرح کا واسطہ رکھے - پھر انکی بی بیوں کو حکم ملا کہ وہ بھی الگ ہوجائیں اور کوئی واسطہ نہ رکھیں - امام بخاری نے ایک طول طویل روایت خود حضرۃ کعب بن مالک کی زبانی نقل کی ہے اور اس واقعہ کیلیے خاص باب باندھا ہے - کعب کہتے ہیں - ہمارا یہ حال ہوگیا تھا کہ سارا مدینہ انسانوں سے بھرا تھا ' مگر ہمارے لیے نہ ایک آنکھہ دیکھنے والی تھی نہ ایک زبان بات کرنے والی - خود عزیز و اقارب نے ملنا جلنا ترک کردیا تھا - حسرت سے ایک ایک کا منہ تکتے اور دیوانوں کی طرح پھرتے تے - ایک دن اپنے چچیرے بھائی ابو قتادہ کے یہاں گیا - مجھے دیکھتے ہی منہ دوسرے طرف پھرا لیا - سلام کیا تو جواب نہ ملا -

اللہ اللہ ! کیا مسلمان تے کہ انکا رشتہ تھا تو اللہ اور اسکے رسول کا رشتہ - زندگی تھی تو صرف اسی کے حکم پر ! الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی مجسم تصویر تے !

غسان کے عیسائی بادشاہ نے یہ حال سنا تو خوش ہوا کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کا اچھا موقعہ نکل آیا ہے - کعب کے نام اس مضمون کا خط لکھکر بھیجا کہ تمہارے آقا نے تمہاری ساری عمر کی خدمتوں کا جو معاوضہ دیا ہے وہ دیکھہ چکے ہو - اب میرے پاس چلے آؤ - دیکھو یہاں تمہاری کیسی عزت ہوتی ہے ؟ کعب بن مالک کو خط ملا تو ایلچی کے سامنے آگ میں جھونک دیا اور کہا جواب میں کہدینا - ہم نے جس آقا کی چوکھٹ پر سر

رکھا ہے ' اسکی گیرائیوں اور دلربائیوں کا حال تمہیں کیا معلوم ؟ اُسکی بے التفاتی بھی دوسروں کی محبت و عزت سے ہزار درجہ زیادہ عزیز و محبوب ہے :

اے جفا ہائے تو خوشتر ز وفائے دگراں !

ان مومنین صادقین کی یہ آزمائش پورے پچاس دن تک جاری رہی - بالاخر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی اور سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی :

و علی الثلثة الذین خلفوا ' حتی	اور وہ تین آدمی جنکا معاملہ فیصلہ الہی
ضاقت علیهم الارض بما رحبت	کیلیے ملتوی کردیا گیا تھا ' سو جب
و ضاقت علیهم انفسهم و ظنوا	انکا یہ حال ہوا کہ تمام مسلمانوں
ان لا ملجا من الله الا الیه	نے اُنکو چھوڑ دیا ' زمین باوجود اپنی
ثم تاب علیهم لیتوبوا - ان الله	وسعت کے انپر تنگ ہوگئی ' اپنی
هوالتواب الرحیم ! (۹ : ۱۲۰)	زندگی سے بیزار ہوگئے اور اُنھوں نے

دیکھہ لیا کہ اللہ سے پناہ نہیں ہے مگر صرف اسی کی طرف ' تو پھر اللہ نے انکی توبہ قبول کرلی - یقیناً اللہ ہی ہے جو توبہ قبول کرتا اور خطا کاروں کیلیے مہربانی رکھتا ہے !

حضرۃ کعب کو جب قبولیت توبہ کی بشارت ملی تو بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور اپنا سارا مال و متاع شکرانۂ قبولیت میں لٹا دینا چاہا -

اس واقعہ میں متعدد باتیں قابل غور ہیں :

(۱) رومیوں نے حملے کی طیاریاں کیں تو اسلام و اُمت کی حفاظت کیلیے دفاع کرنا ہر مسلمان پر فرض ہوگیا - موسم سخت گرمی کا تھا - سفر دور دراز کا - بے سروسامانی حد درجہ کی - مقابلہ اس حکومت سے جو نصف دنیا پر حکمراں تھی - حجاز میں فصل پک چکی تھی اور کٹائی کا اصلی وقت تھا - یہی فصل ملک کیلیے سال بھر کی خوراک تھی - اگر مشکلوں اور مجبوریوں کے عذر سنے جاسکتے ہیں تو ان حالات سے بڑھکر اور کون سے حالات عذر داری کے لیے مناسب ہوسکتے ہیں ؟ مگر دفاع کا فرض ایسا سخت اور اٹل ہے کہ نہ کوئی عذر سنا گیا ' نہ کوئی مشکل رکاوٹ ہوسکی - حکم ہوا کہ سب کچھہ چھوڑ دو - ساری مصیبتیں جھیل لو - مگر دشمنوں کو روکنے کے لیے نکل کھڑے ہو - سورۂ توبہ میں اس کا بڑا ہی عبرت انگیز تذکرہ ہے - یہ موقعہ تفصیل کا نہیں - قالوا لا تنفروا في الحر - قل نار جهنم اشد حرا لو کانوا یفقهون (۹ : ۸۳)

(۲) یہ تینوں مسلمان جو شرکت دفاع سے رہگئے ' مخلصین مومنین میں سے تھے - انکی زندگیاں اسلام کی بے شمار خدمتوں اور جان نثاریوں میں بسر ہوئی تھیں - عبادتوں اور نیکیوں کا کیا پوچھنا کہ شب و روز اللہ کے رسول کے سایۂ تربیت میں رہتے تھے ' انہی کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے ' انہی کے ساتھہ روزے رکھتے تھے - صحابہ کے ایک ادنیٰ فرد کی عبادت کا مقابلہ ہم اپنی پوری نسلوں اور قوموں کی عبادت گزاریاں پیش کرکے بھی نہیں کرسکتے - حضرۃ کعب بن مالک سابقـــون الاولون میں سے ہیں - جب اسلام کا کوئی ساتھی نہ تھا تو مدینہ کے انصار نے ساتھہ دیا - عقبہ کی بیعت ثانیہ میں ۷۳ جان نثاروں نے بیعت کی تھی - یہ انہی عشاق اسلام میں سے ہیں - خود کہتے ہیں کہ کسی اسلامی خـدمت میں دوسروں سے پیچھے نہ رہا - ہر جنـگ میں شرکت کی - ہر موقعہ پر جان و مال نثار کیا - اس دفاع کی شرکت سے بھی جو رہگئے ' تو دل کی کمزوری اور نیت کے فساد کی وجہ سے نہیں - چلنے کا پورا سامان کرلیا تھا - صرف یہ قصور ہوا کہ سستی اور کاہلی کی - پوری طرح مستعدی سے کام نہ لیا - تاہم دیکھو ' یہ سستی اور کاہلی بھی خدا کے حضور کیسا بڑا جرم قرار پائی کہ نہ تو کوئی پچھلی خدمت آڑے آ سکی ' نہ مدۃ العمر کی نیکیوں اور عبادتوں ہی نے کچھہ کام دیا - نہ کوئی بزرگی اور بڑائی اس معاملہ میں شفیع ہو سکی - نہ ایک ایسے پکے اور پرکھے ہوے مخلص مسلمان کیلیے عذر و معذرت کی گنجائش نکل سکی - سخت سے سخت سزا جو دی جاسکتی تھی ' دی گئی - مسلمانوں سے اسلامی برادری کا رشتہ توڑ دیا گیا - پچاس دنوں کیلیے جماعت سے باہر کردیے گئے - یہ سارا زمانہ گریۂ و زاری اور عبادت و استغفـــار میں بسر ہوا - تب کہیں جاکر توبہ قبول کی گئی -

(۳) اسلام کے احکام کا قبولیت توبہ کے بارے میں جو حال ہے ' معلوم ہے - خدا کا دروازۂ رحمت کسی آنے والے کا اتنا انتظار نہیں کرتا ' جسقدر اس مضطرب روح کا ' جو توبہ کیلیے اسکی طرف بڑھے - " لو اخطاتم حتی تمـــلاء خطایاکم ما بین السماء و الارض ' ثم استغفرتم ' اللہ یغفر لکـــم " (رواہ مسلم عن ابی ہریرہ) اگر تم نے اتنے گناہ کیے ہوں کہ زمین و آسمان کا فاصلہ انسے بھر دیا جاسکے ' پھر بھی توبہ کا آنسو بہاتے ہوے آؤ تو دروازہ

مغفرت کھلا پاؤ گے - لیکن دیکھو' امت کی حفاظت و مدافعت سے غفلت کرنا اللہ کی نظروں میں کیسا سخت جرم ہے کہ یکایک توبہ بھی قبول نہوئی - تینوں صحابی آپکی واپسی کے بعد پہلی ہی صحبت میں عفو تقصیر کیلیے حاضر ہوگئے تھے ' مگر حکم ملا کہ ابھی نہیں - انتظار کرو - پچاس دن سزاؤ عقوبت کے گذر چکے تب کہیں جا کر توبہ قبول ہوئی !

(۴) جب اُن پاک انسانوں کا یہ حال ہوا کہ ایمان اُنکا ایمان تھا ' اور نیکیاں اُنکی نیکیاں - اُن کے بستر خواب کے اجر و ثواب کا بھی ہماری بڑی بڑی عبادتیں مقابلہ نہیں کرسکتیں ' تو خدا را بتلاؤ ' ہم بدبختوں اور سیہ کاروں کا کیا حشر ہوگا کہ نہ ایمان کی دولت ساتھہ ہے نہ طاعت و حسنات کی پونجی دامن میں - زندگی یکسر برباد غفلت و معصیت ' اور عمریں یکقلم تاراج نفس پرستی و نافرمانی - وہاں عزم و ایمان کے ساتھہ سہو و نسیان تھا مگر عذر قبول نہ ہوا - یہاں اعراض و نفاق کے ساتھہ صریح نافرمانی و انکار ہے اور پھر نہ ندامت ہے نہ توبۂ و انابت ! اُنکے ساتھہ سب کچھہ تھا اور کام نہ آیا - ہمارے پاس تو کچھہ بھی نہیں ہے - پھر کیا ہے جس نے آنے والے دن کی طرف سے بے فکر کردیا ہے اور ہمارے غافل دلوں پر بیخوفی کی موت چھا گئی ہے ؟ بتلاؤ' زمین و آسمان میں کون ہے جو اُس دن ہمیں بچا سکیگا جب خدا کے غضب کا بے پناہ ہاتھہ ہماری طرف بڑھیگا ؟ یقول الانسان یومئذ این المفر ؟

فصل

(ایک عام غلط فہمی)

البتہ یاد رہے کہ " جہاد " کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں - بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنی صرف لڑنے کے ہیں - مخالفین اسلام بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے - حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی عملی وسعت کو بالکل محدود کردینا ہے -

" جہاد " کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں - قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کمال درجہ سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی

اور سچائي کي راہ ميں کي جاے ' " جہاد " کے لفظ سے تعبير کيا ہے - يہ سعي زبان سے بھي ہے ' مال سے بھي ہے ' انفـــاق وقت و عمر سے بھي ہے ' محنت و تکاليف برداشت کرنے سے بھي ہے ' اور دشمنوں کے مقابلے ميں لڑنے اور اپنا خون بہانے سے بھي ہے - جس سعي کي ضرورت ہو ' اور جو سعي جسکے امکان ميں ہو ' اُسپر فرض ہے ' اور جہاد في سبيل الله ميں لغة و شرع ' دونوں اعتبار سے داخل - يہ بات نہيں ہے کہ " جہاد " سے مقصود مجرد لڑائي ہي ہو - اگر ايسا ہوتا تو جہاد کا اطلاق اعمال قلبي و لساني پر نہ ہوتا - حالانکہ کتاب و سنت ايسے اطلاقات سے لبريز ہيں - شيخ الاسلام ابن تيميہ کا قول صاحب اقناع نے نقل کيا ہے جو حقيقت جہاد کے بارے ميں قول فيصل و جامع ہے " الامر بالجہـــاد منہ ما يکون بالقلب ' کالعزم عليـــہ ' و منہ ما يکون باللسان کالدعوة الى الاسلام والحجة و البيان ' و الراي و التدبير في ما فيہ نفع المسلمين - و بالبدن - اى القتال بنفسہ - فيجب الجہاد بغاية ما يمکنہ من ہذہ الامور " (جلد - ۱ - ۶۵۳)

دشمنوں کي فوج سے خاص وقت ہي ميں مقابلہ ہوسکتا ہے ' ليکن ايک مومن انسان اپني ساري زندگي اور زندگي کي ہر صبح و شام جہاد حق ميں بسر کرتا ہے - مشہور حديث ہے " المجاہد من جاہد نفسہ في ذات الله ' و المہاجر من ہجر ما نہي الله عنہ "

سورۂ فرقان ميں ہے فلا تطع الکافرين وجاہدہم بہ جہاداً کبيرا (۲۵ : ۵۵) يعني کفار کے مقابلہ ميں بڑے سے بڑا جہاد کرو - سورۂ فرقان بالاتفاق مکي ہے ' اور معلوم ہے کہ جہاد بالسيف يعني لڑائي کا حکم ہجرة مدينہ کے بعد ہوا - پس غور کرنا چاہيے کہ مکي زندگي ميں کونسا جہاد تھا جس کا اس آيت ميں حکم ديا جا رہا ہے ؟ جہاد بالسيف تو ہو نہيں سکتا - يقيناً وہ حق کي استقامت اور اسکي راہ ميں تمام مصيبتيں اور شدتيں جھيل لينے کا جہاد تھا - مکي زندگي ميں جس طرح يہ جہاد جاري رہا ' سب کو معلوم ہے - حق کي راہ ميں دنيا کي کسي جماعت نے ايسي تکليفيں اور مصيبتيں نہ اُٹھائي ہونگي ' جيسي الله کے رسول اور اُسکے ساتھيوں نے مکي زندگي ميں برداشت کيں - اسي پر جہاد کبير کا اطلاق ہوا -

اسي طرح منافقوں کے ساتھہ بھي جہاد کرنے کا حکم ديا گيا - جاہد الکفار و المنافقين و اغلظ عليہم (۹ : ۶۶) حالانکہ منافق تو خود اسلام کے ماتحت مقہورانہ و محکومانہ زندگي بسر کر رہے تھے - اُنسے جنگ و قتال کي ضرورت

هی نه تهي' اور نه اُن سے کبھي جنگ کي گئی - سو یه جهاد بھي تبلیغ حق واتمام حجة ومقاومة فساد کا جهاد تها جو قلب و زبان سے تعلق رکھتا هے -

بخاري وابن ماجه میں هے - حضرة عائشه نے پوچها " علی النساء جهاد؟ " کیا عورتوں کیلیے بھی جهاد هے ؟ فرمایا " نعم جهاد ' لا قتال فیـــه - الحج و العمرة " هاں ' جهاد هے مگر اسمیں لڑنا نہیں هے - حج اور عمرة - اس حدیث میں اُس سعی اور ترک وطن کی محنت کو جو حج و عمرة میں پیش آتی هے' عورتوں کیلیے جهاد فرمایا ' اور کہا ایسا جهاد جسمیں لڑائی نہیں - اس سے معلوم هوا که لڑائی کے الگ کردینے کے بعد بھی حقیقت " جهاد " باقی رهتی هے -

اگر اُمت کیلیے دفاع و جنگ کا وقت آ گیا ' یا کسی جماعت مفسدین ارض پر امام نے حمله کیا ' تو ایسے وقتوں میں بھي صرف نفس جنگ هي نہیں بلکه سعي و کوشش کی ساري باتیں شریعت کے نزدیک جهاد هیں - جسکي طاقت میں جنگ کرنا نہیں هے اور اُس نے مال دیا تو وہ بھي مجاهد هے - جس نے زبان سے دعوة و تبلیغ کي وہ بھي مجاهد هے - جس نے اس راه میں اور کسي طرح کي تکلیف و محنت اُٹھائي ' وہ بھي مجاهد هے - البته ایسے وقتوں میں اگر کوئي مسلمان لڑائي کي طاقت رکھتا هے اور اس سے پہلو تہي کرے ' تو اُسکا کوئي عذر نہیں سنا جائیگا - اسکا شمار مومنوں کي جگه منافقوں میں هوگا - جو مال دیسکتا هے اور نه دیا ' تو وہ بھي ایمان و اخلاص کي زندگي سے نکل گیا - زمین پر گو مسلمان کہلاے پر الله کے حضور منافق کہلائیگا - جس شخص کي زبان اعلان حق اور دعوة الی الجهاد میں کھل سکتي هے مگر نه کھلي ' اُس نے بھي ایمـــان چھوڑکر نفاق کي راه اختیارکرلي - گو شیطان حیل اور نفس خادع اسکو هزاروں فریب دیتا رهے - ترمـــذي اور ابو داؤد میں هے - " افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جایر " سب سے زیاده فضیلت رکھنے والا جهاد وہ کلمة حق هے جو شاهان جور و ظلم کے سامنے بے باکانه کہا جاے -

اور پھر ان سب سے بالاتر مرتبه اُن مجاهدین کاملین اور اصحاب عزیمة عمل کا هے' جنکي زندگي سر تا سر جهاد في سبیل الله ' اور جنکا وجود یکسر خدمت حق ' و شیفتـگي صدق ' و عشق دعوة هے - جو اس عمل مقدس کیلیے کسي خاص صداے نفیر اور اعلان وقت کے منتظر نہیں رهتے - بلکه هر صبح جو اُنپر آتی هے' جهاد في سبیل الله کي صبح هوتی هے' اور هر شام

کي تاريکي جو اُنپر پھيلتي ھے ' وہ اسي راہ کي شام ھوتي ھے - اُنکی زندگي پر کوئي لمحہ ايسا نہيں گزرتا جو جہاد کے مرتبۂ عليا و فضيلۃ عظمیٰ کے اجر و ثواب سے خالي ھو -

کائنات ھستي کے ھر عمل کي طرح يہ عمـــل بھي تين عنصروں سے مرکب ھے - دل ' زبان ' اعضا ؤ جوارح - سر اُنکا دل ھميشہ عشق حـــق اور عزم مقصد کي آتش شوق ميں پھنکتا رھتا ھے - انکی زبان ھميشہ اعـــلان حق ' و دعـــوۃ الی اللـــہ ميں سرگرم رھتي ھے - اُنکے ھاتھ اور اُنکے تمام جوارح کبھي اس راہ کي سعي و محنت سے نہيں تھکتے - اسکے بعد جہاد کا کونسا کام رھگيا جو انہوں نے نہيں کيا ؟ اور اس راہ کا کونسا مرتبہ رھگيا جو اُنہوں نے نہيں پايا ؟ و ذلک فضـــل اللہ يوتيـــہ من يشاء و اللہ ذوالفضل العظيم !

يہ رتبـۂ بلند ملا جس کو ملگيـا
ھر مدعي کے واسطے دار و رسن کہاں ؟

جہاد کی اس حقيقت کو سامنے رکھکر غور کرو ! انساني اعمال کي کونسي بڑائي اور عظمت ھے جو اسکـــے دائرہ سے باھر رھگئي ؟ اور نوع انساني کي ھدايت و سعادت کا کونسا عمل حق ھے جو اسکے بغير انجام پا سکتا ھے ؟ پس يہي وجہ ھے کہ شريعت نے اسکي اھميت و فضيلت پر اسقدر زور ديا کہ ساري نيکياں ساري عبادتيں اس سے پيچھے رھگئيں - سب کا حکم شاخوں کا ھوا - جڑ يہي عمل قرار پايا - اس سے بڑھکر اور کيا دليل فضيلت ھوسکتي ھے کہ خود اللہ کے رسول نے فرمايا : " والذي نفسي بيدہ ' لوددت اني اقتل في سبيل اللہ ثم احيا ' ثم اقتل ثم احيا ' ثم اقتل ثم احيا ' ثم اقتل " (رواہ البخاري) خدا کي قسم ! اگر ممکن ھوتا تو ميں يہ چاھتا کہ اللہ کي راہ ميں قتل کيا جاؤں ' پھر زندہ ھوں - پھر قتل کيا جاؤں ' پھر زندہ ھوں - پھر قتل کيا جاؤں پھر زندہ ھوں - پھر قتل کيا جاؤں - تاکہ اُسکي راہ ميں جان دينے کي لذت و سعادت ايک ھي مرتبہ ميں ختم نہ ھوجاے !

تمنت سليمـــي ان نمـــوت بحبھا
و اھون شي عنـــدنا ما تمنت !

فصل

(احکام قطعیۂ دفاع)

غرضکہ " دفاع " اسلام کے اُن بنیادي حکموں میں سے ھے ' جنکو ایک مسلمان مسلمان رھکر کبھي ترک نہیں کرسکتا - اگر ایک مسلمان کے دل میں رائي برابر بھي ایمان کي محبت باقي رھگئي ھے ' تو اُسکي طاقت سے باھر ھے کہ اللہ کی یہ صداے حق سنے ' اور از سر تا پا کانپ نہ اُٹھے :

یا ایھا الذین آمنوا ! ما لکم اذا قیل لکم انفروا في سبیل اللہ ' اثا قلتم الی الارض ؟ ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ ؟ فما متاع الحیاۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل - (۹ : ۳۹)

مسلمانوں ! تمھیں کیا ھوگیا ھے کہ جب تم سے کہا جاتا ھے " اللہ کي راہ میں نکل کھڑے ھو " تو تمھارے قدموں میں حرکت نہیں ھوتي اور زمین پر ڈھیر ھوے جاتے ھو ؟ کیا تم نے آخرۃ چھوڑکر صرف دنیا ھي کي زندگي پر قناعت کرلي ؟ اگر یہي بات ھے تو یاد رکھو ' جس زندگي پر ریجھے بیٹھے ھو ' وہ آخرۃ کے مقابلہ میں بالکل ھي ھیچ ھے !

اسکے بعد فرمایا :

الا تنفروا ' یعذبکم عذاباً الیما و یستبدل قوما غیرکم ' ولا تضروہ شیئا - واللہ علی کل شيء قدیر ! (۹ : ۳۰)

یاد رکھو ! اگر تم نے حکم الھي سے سرتابي کي ' اور وقت کے آنے پر بھي راہ حق میں کمر بستہ نہوے ' تو اللہ نہایت ھي سخت عذاب میں ڈالکر اسکي سزا دیگا ' اور تمھارے بدلے کسي دوسري قوم کو خدمت اسلام کیلیے کھڑا کردیگا - تم چھانٹ دیے جاؤگے - کلمۂ حق تمھارا محتاج نہیں ھے - تم ھی اپني زندگي و نجات کیلیے اُسکے محتاج ھو !

اسلام اور مسلمانوں کي مخالفت ' اُنکي حکومتوں کے مٹانے ' اور اُنکي آبادیوں اور شہروں کو آپسمیں بانٹ لینے کیلیے کفار ایک دوسرے کے ساتھي اور حامي ھیں :

والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض -

جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کي تو وہ ایک دوسرے کے ساتھي اور مددگار ھیں -

مسلمانوں کي مخالفت میں خزانوں کے خزانے خرچ کرڈالتے ھیں :

والذین کفروا ینفقون اموالھم لیصـــدوا عن سبیل اللہ - جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کي' تو رہ حق کي مخالفت میں اپنا مال خرچ کررھے ھیں-

پس مسلمانوں کي بھي سب سے بڑي اسلامي و ایماني خصلت یہ قرار پائي کہ :

والمومنون والمومنات بعضھم اولیـاء بعض - (۹ : ۷۲) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں باھم ایک دوسرے کي رفیق اور مددگار ھیں !

اور اسي بنا پر مسلمانوں کا فرض ٹھہرا کہ اگر دنیا کے کسي ایک اسلامي حصہ پر غیر مسلـــم حملہ کریں اور وھاں کے مسلمان اُنکے مقابلہ کی کافي قوت نہ رکھتے ھوں ' یا بالکل مغلوب و مقھور ھوگئے ھوں ' تو تمام دوسرے حصص عالم کے مسلمانوں پر فرض ھے کہ انکي یاري و اعانت کیلیے اُسي طرح اُٹھہ کھڑے ھوں - جس طرح خود اپني آبادیوں کی حفاظت کیلیے اُٹھتے - اور اپني جان و مال سے اُسي طرح مدد دیں ' جس طرح خود اپنے گھر بار کي حفاظت کیلیے مدد دیتے -

یہ نہ کوئي نیا مذھبي اجتہاد ھے ' نہ کوئي پولیٹکل فتوی - تمام دنیا کے مسلمان فقہ و قوانین شریعت کي جو کتابیں صدیوں سے پڑھتے پڑھاتے آئے ھیں ' اور جو چھپي ھوئي بازاروں میں ھر جگہ ملتي ھیں ' اور جن پر خود ھندوستاني عدالتوں میں عمل کیا جارھا ھے ' اُن سب میں یہ احکام موجود ھیں - اسلامي دینیات کا کوئي طالب علم ایسا نہیں ملیگا جو ان حکموں سے بے خبر ھو - اور پھر ان سب کے اوپر مسلمانوں کي کتاب اللہ ھے جو اپنے ھر پارہ اور ھر سورۃ کے اندر اس حکم کا اعلان اور اس قانون کي پکار تیرہ صدیوں سے بلند کررھي ھے - نوع انساني کي کامل بیس نسلیں گزر چکیں ' اور یہ احکام اپني یکساں ' غیر مبدل ' اٹل ' اور لا انتہا طاقت کے ساتھہ مسلمانوں کے دلوں پر حکمراني کررھے ھیں !

" جہاد " کي بہت سے قسموں میں سے ایک قسم " قتال " یعني لڑائي ھے - اور اُسکي بھي دو صورتیں ھیں - " ھجوم " اور " دفاع " - یعني افنسؤ (Offensive) اور ڈیفنسؤ (Defensive) دراصل ھجوم کي بنیاد بھي دفاع ھي ھے - یعنے جب تک دنیا میں عالم گیر صلح و امن اور عام اخوت قائم نہ ھو جاے ' ضروري ھوا کہ حریف و مفسد قوتوں سے ھمیشہ

مقابلہ جاري رکھا جاے - اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو دشمن مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دینگے اور اسلام کي اشاعت اور اسکے مشن کي تبلیغ و تکمیل میں ہمیشہ مانع ہونگے-

فقہاء کي اصطلاح میں فرائض شرعیہ کي دو قسمیں ہیں - "کفایہ" اور "عین" - یہ وہي اعمال انساني کي فطرتي تقسیم ہے جسکو "جماعتي فرائض" اور "شخصي فرائض" کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے - "فرض کفایۃ" سے مقصود وہ احکام ہیں جو بہ حیثیت جماعت و اجتماع قوم پر فرض ہیں - نہ کہ بہ حیثیت فرد و انفراد - یعنے ایسے فرائض جو مسلمان جماعتوں اور آبادیوں کے ذمے عائد کردیے گئے ہیں کہ اُنکا انتظام کردیں - پس انتظام ہو جانا چاہیے - یہ ضروري نہیں کہ ہر فرد بہ ذات خاص اُس میں حصہ بھي لے- اگر ایک گروہ نے ایک وقت میں انجام دیدیا تو باقي مسلمانوں پر سے اُسوقت ساقط ہوگیا - جیسے تجہیز و تکفین اموات اور نماز جنازہ - البتہ ایک مسلمان کیلیے عزیمۃ اسي میں ہوگي کہ اداء فرض کفایہ میں بھي شخصاً حصہ لے -

فروض کفایہ میں شریعت کا خطاب اشخاص سے نہیں ہے بلکہ جماعت سے ہے پس ہر مسلمان جماعت اور آبادي کو اُسکا انتظام کر دینا چاہیے - جب انتظام ہوگیا تو اس آبادي کے بقیہ افراد پر اسکا وجوب باقي نہ رہیگا -

دوسري قسم "اعیان" کي ہے - یعنے وہ فرائض جنکي فرضیت جماعت پر نہیں بلکہ فرداً فرداً ہر مسلمان پر عائد ہوتي ہے - اور ایک کے کرنے سے دوسرا بري الذمہ نہیں ہو جاسکتا - جیسے پانچ وقت کي نماز، روزہ، زکوۃ، حج -

شرعا قتال کي پہلي صورت (یعني ہجوم و مقابلہ کا دائمي سلسلہ) فرض کفایۃ ہے بحکم "وما کان المومنون لینفروا کافۃ" - ضروري نہیں کہ بہ یک وقت ہر مسلمان اسمیں حصہ لے - ہر عہد اور ہر ملک میں مسلمانوں کي ایک جماعت ضرور ایسي ہوني چاہیے جو یہ فرض انجام دیتي رہے - اگر ایک جماعت انجام دے رہی ہے تو کافي ہے - جو مسلمان شریک ہوگا، اُسکے لیے بڑا اجر ہے - جو شریک نہ ہوگا، اسکے لیے کوئي گناہ نہیں - صاحب ہدایہ (جسکا انگریزي ترجمہ بھي ہوچکا ہے اور ہندوستاني عدالتوں میں محمڈن لا کي بنیادي کتاب ہے) لکھتے ہیں :

الجهاد فرض على الكفايه - اذا قام فريق من الناس ' سقط عن الباقين * * فان لم يقم به أحد ' أثم جميع الناس بتركه - لان الوجوب على الكل (كتاب السير)

جہاد فرض کفایہ ہے - جب مسلمانوں کي کوئي ایک جماعت اسکے لیے کھڑي ہوگئي ' تو باقي مسلمانوں کیلیے واجب نہ رہا - لیکن اگر کوئي گروہ بھي اسکے لیے نہ اُٹھا ' تو پھر تمام مسلمان جہاد ترک کردینے کي وجہ سے گناہگار ہونگے - کیونکہ فرض پوري قوم پر ہے -

لیکن جماعت سے کیا مقصود ہے ؟ تمام دنیا کے مسلمانوں کي مجموعي جماعت یا ہر ہر ملک اور اقلیم کي جماعت ؟ اسکي تشریح سعدي چلبي حاشیۂ عنایۃ میں کرتے ہیں :

اقول لاینبغي ان یفهم منه ان الوجوب علی جمیع اهل الارض کافة حتی یسقط عن اهل الهند بقیام اهل الروم ' اذ لا یندفع بقیامهم الشر عن الهنود المسلمین - و ان قوله تعالی قاتلوا الذین یلونکم من الکفار یدل علی ان الوجوب علی اهل کل قطر یقربون الکفار - (مجموعۂ فتح القدیر - ۴ : ۲۸۰)

هدایہ کي عبارت کا یہ مطلب نہ سمجھا جاے کہ اگر ایک ملک کے مسلمانوں نے یہ فرض ادا کردیا تو دوسرے ملک کے مسلمانوں پر سے بھي ساقط ہوگیا - مثلاً اگر روم کے ترکوں نے جہاد قائم رکھا تو ہندوستان کے مسلمانوں پر سے ساقط ہوگیا - کیونکہ مقصود قیام جہاد سے یہ ہے کہ مسلمانوں پر سے دشمنوں کے حملوں اور شر کو دور کیا جاے - ظاہر ہے کہ مسلمانان روم کے جہاد کرنے سے مسلمانان ہند محفوظ نہیں ہو جاسکتے - وہ تو جبھي ہونگے جب خود اپنے ملک میں اسکا انتظام کریں - پس مطلب یہ ہے کہ ہر ملک کے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے - اگر اس ملک کے تمام مسلمانوں میں سے ایک جماعت یہ فرض انجام دیتي رہي ' تو رہانکے بقیہ مسلمانوں پر سے ساقط ہوجائیگا - لیکن دوسرے ملکوں کے مسلمانوں پر فرضیت باقي رہیگي - قرآن میں ہے : قاتلوا الذین یلونکم من الکفار - اس سے بھي یہي ثابت ہوتا ہے کہ اُن مسلمانوں پر جو دشمنوں سے قریب ہوں ' قتال واجب ہے - انتہی -

اس سے واضح ہوگیا کہ اس فرض میں خطاب تمام مسلمانان عالم سے نہیں ہے بلکہ ہر جماعت اور ملک کے مسلمانوں سے ہے - اور علی الکفایہ ہونے کے معني یہ نہیں ہیں کہ تمام دنیاکے مسلمانوں میں سے کچھہ

مسلمان اسکو انجام دیتے رهیں بلکه هر ملک کے مسلمانوں میں سے اُتنے مسلمانوں کو انجام دینا چاهیے جو حصول مقصد جهاد کیلیے کافي هو - پس ایک ملک میں سلسلۂ جهاد کے بقاء سے دوسرے ملک کے مسلمان بري الذمه نهیں هوسکتے اُنپر بدستور اسکا وجوب باقي رهیگا اور بصورت ترک وهاں کے تمام مسلمان گنه گار هونگے - گذشته پانچ صدیوں سے مسلمانان عالم نے اس فرض شرعي کو فراموش کردیا هے - اور صرف کسي ایک حصے کے مسلمانوں هي کے ذمه اس کو چهوڑ کر خود فارغ البال هوکر بیٹهه رهے هیں - اسي کا نتیجه هے که اعداء حق کو صدیوں کي صدیاں عروج و ظهور کیلیے مل گئیں ' اور مسلمانوں کیلیے تمام کرۂ ارضي میں کوئي ایک گوشۂ بهي امن و سکون کا باقي نهیں رها

و ما کان الله لیظلمهم و لکن کانوا انفسهم یظلمون !

اور فتح الباري میں هے " هو فرض کفایة علی المشهور ' الا ان تدعو الحاجة الیه " اسکے بعد کها " و ان جنس جهاد الکفار متعین علی کل مسلم' إما بیده' و إما بلسانه' و إما بما له' و إما بقلبه" [جلد ۶ : ۲۸] یعني جهاد کي یه قسم فرض کفایه هے - باقي رها نفس جهاد ' تو وه هر مسلمان پر فرض عین هے' کسي کیلیے هاتهه سے' کسي کیلیے مال سے ' کسي کیلیے دل سے - یعني جس وقت ایک گروه هاتهه اور تلوار سے مشغول جهاد هوگا تو بقیه مسلمانوں پر دل اور زبان سے انکے لیے سعي و اعانت فرض هوگي - اور مال و دولت والوں کا فرض هوگا که مال سے مدد کریں -

اسي طرح اقناع میں هے " هو فرض کفایة اذا قام به من یکفی سقط وجوبه عن غیرهم " ابن ادریس اُسکي شرح میں لکهتے هیں " و معني الکفایة في الجهاد ان ینهض الیه قوم یکفون في جهادهم' إما ان یکونوا جنداً لهم دراً رین او یکونوا اعدوا انفسهم له تبرعاً و تکون في الثغور من یدفع العدو عنها و یبعث في کل سنة جیشا یغیرون علي العدو في بلادهم " (جلد ۱ - ۶۵۱)

یه صورت تو اُس قتال کي هے جسکي صورت حملۂ و هجوم کي هوگي ' دوسري قسم " دفاع " هے - یعني جب کوئي غیر مسلم جماعت مسلمانوں کي آبادیوں اور حکومتوں پر حمله کا قصد کرے ' تو اُس حملۂ و تسلط کو هر طرح مقابله کرکے روکنا ' اور اسلامي ملکوں اور آبادیوں کو غیر مسلموں کي حکومت اور هر طرح کے قبضۂ و اثر سے محفوظ رکهنا -

یہ فرض کفایہ نہیں ہے ' بلکہ بالاتفاق مثل نماز روزہ کے ہر مسلمان پر فرض عین ہے - ایک گروہ کے دفاع کرنے سے باقی مسلمان بری الذمہ نہیں ہوجاسکتے - جسطرح ایک گروہ کے نماز پڑھ لینے سے باقی مسلمانوں کے ذمہ نماز ساقط نہیں ہوجاتی - اسی ہدایہ میں ہے -

" الا ان یکون النفیر عاماً فحینئذ یصیر من فروض الاعیان "

نفیر " نفر " سے ہے -" نفر " کے معنی ہیں تیزی کے ساتھہ ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑ جانا - پس قوم کے ایسے بلارے اور اجتماع پر جو لڑائی کیلیے ہو " نفیر " کا اطلاق ہوا - قران میں ہے - انفروا خفافا و ثقالا - اور الا تنفروا - مطلب یہ ہے کہ اگر حفظ و دفاع کی ضرورت سے عام اجتماع و قیام کا وقت آ گیا ' تو پھر جنگ کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہوجاتا ہے -

ابن ہمام اسکی شرح میں لکھتے ہیں :

هذا اذا لم یکن النفیر عاماً ' فاذا کان النفیر عاماً بان هجموا علی بلدة من بلاد المسلمین ' فیصیر من فروض الاعیان سواء کان المستنفر عدلاً او فاسقاً - (فتح القدیر - ۴ : ۲۸۰)	فرض کفایہ کی صورت اسوقت تک ہے کہ نفیر کی حالت نہو - لیکن اگر مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر پر غیر مسلموں نے حملہ کردیا ' تو اسوقت جنگ کرنا ہر مسلمان فرد پر فرض عین ہوجائیگا - خواہ جنگ کے لیے دعوت دینے والا عادل ہو یا فاسق -

اور عنایہ میں ہے :

ثم الجهاد یصیر فرض عین عند النفیر العام علی من یقرب من العدو هو یقدر علیه - (مجموعہ فتح القدیر - ۴ : ۲۸۱)	اور اگر نفیر عام کی حالت ہو ' تو پھر جہاد کرنا ان مسلمانوں پر فرض عین ہوجائیگا جو دشمن سے قریب ہوں اور اس پر قابو رکھتے ہوں -

اسی طرح سراجیہ ' در المختار ' شامی وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے - " اذا جاء النفیر انما یصیر فرض عین علی من یقرب من العدو " اور " الجهاد فرض کفایة اذا لم یکن النفیر عاماً ' فاذا اقام به البعض ' یسقط عن الباقین - فاذا صار النفیر عاما ' فحینئذ یصیر من فروض الاعیان " الخ -

حملۂ و ہجوم کے دائمي جہاد میں (جب قتال فرض کفایہ ہے ہوتا) بعض جماعتیں مستثنیٰ ہیں - مثــلاً عورتیں اور نوکر - عورتوں کے لیے شوہرکي خدمت اور نوکر کیلیے آقا کي خدمت مقدم ہے - لیکن اگر دفاع کي صورت پیش آ گئي ہو تو اسکي فرضیۃ ایسي ہمہ گیر اور بالاتر ہے کہ بچوں اور معذوروں کے سوا کوئي گروہ ' کوئي فرد' مستثنیٰ نہیں ہوسکتا - بیوي بلا شوہرکي اجازت کے نکل کھڑي ہو - غلام بلا آقا کي اذن کے مشغول جہاد ہو جاے - ہدایہ میں ہے :

فان ہجم العدو علی بلد' و جب علی جمیع الناس الدفع' تخرج المرأۃ بغیر اذن زوجہا و العبــد بغیر اذن المولیٰ - لانہ صار فــــرض عین' و ملک الیمین و رق النکاح لا یظہــــر فی حق فروض الاعیان کما فی الصلوۃ و الصوم - بخلاف ما قبل النفیر ' لان بغیر ہما مقنعا فلا ضرورۃ الی ابطال حــق المولی و الــــزوج - (کتاب السیر)

لیکن اگر دشمنوں نے کسی شہر پر حملہ کیا ' تو پھر تمام لوگوں پر دفاع فرض ہوگیا - بیوي بلا شوہرکي اجازت کے اور غلام بلا آقا کي اذن کے دفاع میں حصہ لے - اسلیے کہ اب جہاد فرض عین ہوگیا ' اور جو فرائض ایسے ہیں' اُنپر مالکیت اور زوجیۃ کے حقوق موثر نہیں ہوسکتے - جیسے نماز اور روزہ - اگر نماز کا وقت آ گیا ہے تو عورت پر نماز فرض ہوگئي - شوہرکي اذن پر موقوف نہیں - البتہ نفیر سے پہلے یہ صورت نہ تھی - اُسوقت عورتوں اور غلاموں کی شرکت کے بغیر بھي یہ فرض ادا ہوسکتا تھا - پس ضرورت نہ تھی کہ شوہر اور آقا کے حقوق باطل کیے جائیں -

ہم نے ہدایہ اور متداول کتب فقہ کی عبارتیں سب سے پہلے اسلیے نقل کیں کہ ان کتابوں کے نام سے ہندوستان کی سرکاري عدالتیں بھی آشنا ہیں - اور انگریزي میں محمڈن لا پر جسقدر کتابیں لکھي گئي ہیں ' سب میں ان کا حوالہ موجود ہے - پس بآسانی دیکھہ لیا جاسکتا ہے کہ فی الحقیقت اسلام کے احکام شرعي یہي ہیں یا نہیں ؟ ورنہ تمام کتب تفسیر و حدیث میں بھی یہ احکام موجود ہیں - امام بخاري نے باب باندھا ہے " وجوب النفیر" یعنے جب حفظ ملت کی ضرورت پیش آ جاے تو قتال کیلیے سب کا اُٹھہ کھڑا ہونا واجب ہے - پھر آیۂ " انفروا خفافاً و ثقالاً " اور " مالکم اذا قیل لکم انفروا " الخ سے وجوب پر استدلال کیا ہے - اسکے بعد حضرۃ ابن عباس کي روایت درج کی ہے " لا ہجرۃ بعد الفتح

و لکن جہاد و نیة و اذا استنفرتم فاستنفروا " یعنی وہ جو اوائل اسلام میں ایک خاص طرح کی ہجرة فرض ہوئي تھي ' تو فتح مکہ کے بعد اسکي ضرورت نہیں رهي - البتہ جہاد اور عزم جہاد قیامت تک باقي ہے - تو جب جمع ہونے کیلیے پکارے جاؤ ' جمع ہو جاؤ اور جہاد کرو -

فتح الباري میں ہے " الا ان تدعوا الحاجة الیه کان یدهم العدو و یتعین علی من عینه الامام " (جلد ۶ : ۲۸)

اور موطا امام مالک میں ہے " اذا کان الکفار مستقرین ببلاد هم ' فالجهاد فرض کفایة ' ان اقام به بعضهم سقط الحرج عن الباقین ' و اذا قصدوا بلادنا و استنفر الامام المسلمین ' و جب علی الاعیان " یعنی اگر کفار اپنے اپنے ملکوں میں ہیں - مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ہوے ہیں - تو اس حالت میں جہاد فرض کفایہ ہے - لیکن جب وہ ہمارے ملکوں کا قصد کریں اور امیر اسلام نفیر کا اعلان کرے تو پھر فرض عین ہو جائیگا -

چونکہ جابجا " نفیر " کا لفظ آیا ہے ' اسلیے یہ بات بھي صاف ہوجاني چاهیے کہ نفیر عام سے مقصود کیا ہے ؟ یہ مقصود ہے کہ دفاع کي ضرورت پیش آ جاے اور ہر شخص کو اُسکا علم ہو جاے - یا یہ مقصود ہے کہ جب تک کوئي بلانے والا مسلمانوں کو نہ بلائیگا ' نفیر عام کي حالت پیدا نہ ہوگي ؟ اسکا جواب شاہ ولي اللہ نے موطا کي شرح میں دیدیا ہے :

" نزدیک استنفار جہاد فرض علی الاعیان می شود - استنفار را چوں منقح کنیم حاصل شود حالتی کہ مقتضاي استنفار شدہ است از قصد کفار بلاد مارا ' و قیام حرب درمیان جیوش مسلمین و کافرین ' و عدم کفایہ ازاں مسلمانان ' و انچہ بداں ماند " (مسوی جلد ۲ - ۱۲۹)

شاہ صاحب کے بیان سے یہ بات واضح ہوگئي کہ نفیر کي صورت کیا ہے ؟ تو یہ ضرور نہیں کہ کوئي خاص شخص مسلمانوں کو یہ کہکر پکارے کہ آؤ جہاد کرو - مقصود یہ ہے کہ ایسي حالت پیدا ہو جاے جو مقتضاے نفیر ہے - پس جب غیر مسلموں نے اسلامي ملکوں کا قصد کیا اور مسلمانوں اور کافروں میں لڑائي شروع ہوگئي تو جہاد فرض ہوگیا ' اور جب دشمنوں کي طاقت اُن ممالک کے مسلمانوں سے زیادہ قوي ہوئي اور انکے شکست کا خوف ہوا ' تو یکے بعد دیگرے تمام مسلمانان عالم پر فرض ہوگیا - خواہ کوئي پکارے یا نہ پکارے - پکارنے والا نہیں ہے تو یہ مسلمانوں

کي بدنظمي ر بدحالي ھے - انکا فرض ھوگا کہ داعی ر امیر کا انتظام کریں یہی حال تمام فرائض کا ھے - نماز کا جب وقت آ جاے تو خواہ مؤذن کي صداے " حي علی الصلاۃ " سنائي دے یا نہ دے ' وقت کا آ جانا وجوب کیلیے کافي ھوتا ھے -

فصل

(ترتیب وجوب دفاع)

جب دفاع کا فرض عین ھونا واضح ھوگیا ' تو اب معلوم ھونا چاھیے کہ اس فرض کي انجام دھي کیلیے شریعت نے ایک خاص ترتیب اختیار کي ھے - عقل ر حکمت کي بنا پر رھي اس معاملہ کي قدرتي اور صحیح ترتیب ھوسکتي تھي - صورت اُسکي یہ ھے کہ جب غیر مسلموں نے کسي اسلامي حکومت اور آبادي کا قصد کیا ' تو اُس شہر کے تمام مسلمانوں پر بہ مجرد قصد اعداء ' دفاع فرض عین ھوگیا - باقي رھے دیگر ممالک کے مسلمان ' تو اگر زیر جنگ مقامات کے مسلمان دشمن کے مقابلہ کے لیے کافي قوت نہیں رکھتے - دشمن بہت زیادہ قوي ھے - یا رکھتے ھیں اور غفلت ر تساھل کرنے لگے ھیں ' تو اُس حالت میں یکے بعد دیگرے تمام دنیا کے مسلمانوں پر بھی دفاع فرض عین ھوجائیگا - بالکل اسیطرح جیسے نماز اور روزہ -

مگر صورت اُس کي یوں ھوگي کہ پہلے اُن مقامات سے قریب تر مقام کے مسلمانوں پر واجب ھوگا - پھر اُن سے قریب تر پر - پھر اُن سے قریب تر پر - حتی کہ مغرب ر مشرق جنوب ر شمال ' تمام اکناف عالم کے مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے فرضیت عائد ھوجائیگي -

اُسوقت سارے فرائض ' سارے وظائف ' سارے کام ' ملتوي کردینے چاھیئیں - بمجرد اطلاع ھر مسلمان کو اپنی تمام قوتوں اور تمام سامانوں کے ساتھہ وقف دفاع ملت ر جہاد في سبیل اللہ ھوجانا چاھیے - اور قیام دفاع کے لیے شرعاً جن جن رسائل ر انتظامات کي ضرورت ھے ' سب کو مل جلکر انکا انصرام کرنا چاھیے - اگر کسي آبادي میں مسلمانوں کا کوئي امام ر پیشوا نہیں ھے جو نظم ر قیام اپنے ھاتھہ میں لے تو سب کا فرض ھوگا کہ پہلے امام

و امیر کا انتظام کریں - پھر جن جن وسائل کی ضرورت ہو اُن کے حصول کے لیے ہر ممکن تدبیر و سعی کام میں لائیں - اگر ایسا نہ کیا گیا تو سب اللہ کے حضور جوابدہ ہونگے - سب مبتلاے معصیت و فسق ہونگے - ایسی معصیت ' ایسا فسق ' ایسا عدوان ' ایسا نفاق ' جس کے بعد صرف کفر ہی کا درجہ ہے -

اگر قیامت کا آنا حق ہے ' اور یہ جھوٹ نہیں کہ خدا کا وجود ہے ' تو مسلمانان عالم کے پاس اُسوقت کیا جواب ہوگا ' جب قیامت کے دن پوچھا جائیگا کہ تم کروروں کی تعداد میں زندہ و سلامت موجود تھے - تمہارے جسموں سے روح کھینچ نہیں لی گئی تھی - تمہاری قوتوں کو سلب نہیں کرلیا گیا تھا - تمہارے کان بہرے نہ تھے نہ ہاتھہ کٹے ہوے اور پاؤں لنگڑے - پھر تمہیں کیا ہوگیا تھا کہ تمہارے سامنے تمہارے بھائیوں کی گردنوں پر دشمنوں کی تلواریں چل گئیں - وطن سے بے وطن اور گھر سے بے گھر ہوگئے - اسلام کی آبادیاں غیروں کے قبضۂ و تسلط سے پامال ہوگئیں - پر نہ تو تمہارے دلوں میں جنبش ہوئی ' نہ تمہارے قدموں میں حرکت ہوئی ' نہ تمہاری آنکھوں نے محبت و ماتم کا ایک آنسو بخشا ' اور نہ تمہارے خزانوں پر سے بخل و زر پرستی کے قفل ٹوٹے ؟ تم نے چین اور آرام کے بستروں پر لیٹ لیٹ کر بربادی ملت اور پامالی اسلام کا یہ خونین تماشہ دیکھا ' اور اُس بے درد تماشائی کی طرح بے حس و حرکت تکتے رہے جو سمندر کے کنارے کھڑے ہوکر ڈوبتے ہوے جہازوں اور بہتی ہوئی لاشوں کا نظارہ کر رہا ہو ! ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ ؟ فما حیاۃ الدنیا الا قلیل !

فتح القدیر میں ہے :

فیجب علی جمیع اھل تلک البلدۃ النفر ' و کذا من یقرب منھم ان لم یکن باھلھا کفایۃ ' و کذا من یقرب ممن یقرب ان لم یکن بمن یقرب کفایۃ ' او تکاسلوا ' او عصوا ' و ھکذا الی ان یجب علی جمیع اھل الاسلام شرقاً و غرباً - (جلد ۴ - صفحہ - ۸۲۰)

اگر غیر مسلموں نے حملہ کیا تو پھر اُس شہر کے تمام باشندوں پر دفاع کے لیے اُٹھہ کھڑا ہونا فرض عین ہوجائیگا - اور اگر دشمن زیادہ طاقتور ہیں اور مقابلہ کیلیے وہاں کے مسلمان کافی نہیں ' تو جو مسلمان اُنسے قریب ہونگے ' انپر بھی فرض عین ہو جائیگا - اور اگر وہ بھی کافی نہیں ' یا انہوں نے سستی کی ' یا دانستہ انکار کیا ' تو پھر اُن تمام لوگوں پر جو اُن سے قریب

هو ح یه فرض عائد هوگا - اسي طرح یکے بعد دیگرے اسکا وجوب منتقل هوتا جائیگا - حتی که تمام مسلمانوں پر مشرق میں هوں یا مغرب میں ' دفاع کے لیے اُٹھه کهڑا هونا فرض هوجائیگا - انتهی -

ایسا هي تمام کتب معتمدهٔ فقه و حدیث میں هے - عبارتوں کے نقل و ترجمه میں طول هوگا - رد المحتار وغیره شروح میں ذخیره سے نقل کیا هے : " فاما من وراءهم ببعد من العدو ' فهو فرض کفایة علیهم حتی یسعهم ترکه ' اذا لم یحتیج الیهم بان عجز من کان یقرب من العدو عن المقاومة ' او لم یعجزوا عنها لکنهم تکاسلوا ' فانه یفترض علی من یلیه فرض کالصلوة و الصوم لا یسعهم ترکه ' و ثم و ثم ' الی ان یفترض علی جمیع اهل الاسلام شرقاً و غرباً "

اور عنایه شرح هدایه میں هے " ثم الجهاد یصیر فرض عین عند النفیر العام علی من یقرب من العدو و هو یقدر علیه ' و اما من وراءهم فلا یکون فرضا علیهم الا اذا احتیج الیهم ' اما لعجز القریب و اما للتکاسل ' فحینئذ یفرض علی من یلیهم " الخ -

اور شرح موطا میں هے " فان لم تقع الکفایة بمن نزل بهم ' یجب علی من بعد منهم من المسلمین عونهم " (جلد ۲ - ۱۲۹)

البته یاد رهے که یه دفاع کي عام صورت هے - لیکن درحالتیں شرعاً ایسي بهي هیں ' جن میں وجوب دفاع کیلیے یکے بعد دیگرے اس ترتیب اور الاقرب فالاقرب کي ضرورت باقي نهیں رهتي - بیک وقت اور بیک دفعه هي تمام مسلمانان عالم پر دفاع فرض هوجاتا هے -

پهلي حالت یه هے که خلیفهٔ وقت تمام مسلمانان عالم سے طالب اعانت هو یا اُسکي بے بسي و بیچارگي کي حالت ایسي هوجاے که بلا تمام مسلمانان عالم کي مجموعي اعانت کے مخلصي و فتح ممکن نهو -

دوسري صورت یه هے که اسلام کے عین مرکزي مقام یعني جزیرهٔ عرب پر غیر مسلم حمله اور هوں جنکو هیشه غیر مسلم اثر سے محفوظ رکهنا هر مسلمان پر فرض هے خواه وه دنیا کے کسي حصه میں بستا هو - تفصیل اسکي آگے آتي هے -

باب

جزیرۂ عرب ر بلاد مقدسہ

فصل

(مرکز ارضي)

کوئي قوم زندہ نہیں رھسکتي ' جب تک اسکا کوئي ارضي مرکز نہ ھو - کوئي تعلیم باقي نہیں رھسکتي ' جب تک اُسکي ایک قائم رجاري درسگاہ نہ ھو - کوئي دریا جاری نہیں رھسکتا ' جب تک ایک محفوظ سر چشمہ سے اُسکا لگاؤ نہ ھو -

نظام شمسي کا ھر ستارہ رروشني اور حرارت صرف اپنے مرکز شمسي ھي سے حاصل کرتا ھے - اُسی کی بالاتر جاذبیۃ ھے جسنے یہ پورا معلق کارخانہ سنبھال رکھا ھے ! اللہ الذي رفع السمٰوات بغیر عمد ترونہا ' ثم استوی علي العرش ' ر سخر الشمس ر القمر ' کل یجري لاجل مسمی ! (۱۳ : ۲)

یہي قانون الہي ھے جسپر اُسکی شریعت کے تمام جماعتي احکام مبني ھیں - پس جس طرح اسلام نے امت کے بقا اور حق ر ھدایت کے قیام کیلیے ھر طرح کے مرکز قرار دیے ' ضرور تھا کہ ایک ارضی مرکز بھي قیامت تک کیلیے قرار دیدیا جاتا -

اُن بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کي بنا پر جنکي تشریع کا یہ موقعہ نہیں ' اسلام نے اس غرض سے سر زمین حجاز کو منتخب کیا - یہي ناف زمین دنیا کي آخري اور دائمي ھدایت ر سعادت کیلیے مرکزی سر چشمہ اور روحاني درسگاہ قرار پائي - اور چونکہ سر زمین حجاز جزیرۂ عرب میں واقع تھي ' وھي اسلام کا اولین مرطن ' وھي اسکا سب سے پہلا سر چشمہ تھا ' اسلیے ضرور تھا کہ اسلامي مرکز کے قریبي گرد ر پیش کا بھي وھي حکم ھوتا جو اصل مرکز کا - لہذا یہ تمام سر زمین بھي کہ حجاز کي " وادی غیر ذي زرع " کو گھیرے ھوے ھے ' اسي حکم میں داخل ھوگئي - ذلک تقدیر العزیز العلیم !

" مرکز ارضی " سے مقصـــود یہ ہے کہ اسلام کی دعوۃ ایک عالمگیر اور دنیا کی بین الملی دعوۃ تھی - وہ کسی خاص ملک اور قوم میں محدود نہ تھی - مسلمانوں کی قومیت کے اجزاء تمام کرۂ ارضی میں بکھر جانے اور پھیل جانے والے تھے - پس ان بکھرے ہوے اجزاء کو ایک دائمی متحدہ قومیت کی ترکیب میں قائم رکھنے کیلیے ضروری تھا کہ کوئی ایک مقام ایسا مخصوص کردیا جاتا ' جو ان تمام متفرق و منتشر اجزاء کیلیے اتحاد و انضمام کا مرکزی نقطہ ہوتا - سارے بکھرے ہوے اجزاء وہاں پہنچکر سمٹ جاتے - تمام پھیلی ہوئی شاخیں وہاں اکٹھی ہوکر جڑ جاتیں - ہر شاخ کو اُس جڑ سے زندگی ملتی ' ہر نہر اُس سرچشمہ سے سیراب ہوتی - ہر ستارہ اُس سورج سے روشنی اور گرمی لیتا - ہر دوری اُس سے قرب پاتی - ہر فصل کو اُس سے مواصلت ملتی - ہر انتشار کو اُس سے اتحاد و یگانگی حاصل ہوتی -

وہی مقام تمام اُمت کی تعلیم و ہدایت کیلیے ایک وسطی درسگاہ کا کام دیتا - وہی تمام کرۂ ارضی کی پھیلی ہوئی کثرت کیلیے نقطۂ وحدت ہوتا - ساری دنیا ٹھنڈی پڑ جاتی ' پر اُسکا تنور کبھی نہ بجھتا - ساری دنیا تاریک ہو جاتی ' مگر اُسکی روشنی کبھی گل نہ ہوتی - اگر تمام دنیا اولاد آدم کے باہمی جنگ و جدال اور فتنۂ و فساد سے خون ریزی کی دوزخ بن جاتی ' پھر بھی ایک گوشۂ قدس ایسا رہتا جو ہمیشہ امن و رحمت کا بہشت ہوتا ' اور انسانی فتنۂ و فساد کی پرچھائیں بھی وہاں نہ پڑ سکتی -

اُسکا ایک ایک چپہ مقدس ہوتا ' اُسکا ایک ایک کونہ خدا کے نام پر محترم ہو جاتا ' اُسکا ایک ایک ذرہ اسکے جلال و قدوسیت کا جلوۂ گاہ ہوتا - خونریز اور سرکش انسان ہر مقام کو اپنے ظلم و فساد کی نجاست سے آلودہ کر سکتا ' پر اُسکی فضاء مقدس ہمیشہ پاک و محفوظ رہتی ' اور جب زمین کے ہر گوشے میں انسانی سرکشی اپنی مجرمانہ خداوندی کا اعلان کرتی تو وہاں خدا کی سچی پادشاہت کا تخت عظمت و اجلال بچھا جاتا ' اور اسکا ظل عاطفت تمام بندگان حق کو اپنی طرف کھینچ بلاتا -

دنیا پر کفر و شرک کے جماؤ اور اُٹھان کا کیسا ہی سخت اور برا وقت آجاتا ' مگر سچی توحید اور بے میل خدا پرستی کا وہ ایک ایسا گھر ہوتا ' جہاں خدا اور اُسکی صداقت کے سوا نہ کسی خیال کی پہنچ ہوتی ' نہ کسی صدا کی گونج اُٹھ سکتی -

وہ انسان کی پھیلی ہوئی نسل کیلیے ایک مشترک اور عالمگیر گھر ہوتا - کت کت کر قومیں وہاں جڑتیں ' اور بکھر بکھـــر کے نسلیں وہاں سمٹتیں - پرند جس طرح اپنے آشیانوں کی طرف اُڑتے ہیں ' اور پروانوں کو تم نے دیکھا کہ روشنی کی طرف دوڑے - ٹھیک اِسی طرح انسانوں کے گروہ اور قوموں کے قافلے اُسکی طرف دوڑتے' اور زمین کی خشکی و تری کی وہ ساری راہیں جو اُس تک پہنچ سکتیں ' ہمیشہ مسافروں اور قافلوں سے بھری رہتیں -

دنیا بھر کے زخمی دل وہاں پہنچتے اور شفا اور تندرستی کا مرہم پاتے - بیقرار و مضطر روحوں کیلیے اُسکے آغوش گرم میں آرام و سکون کی ٹھنڈک ہوتی - گناہ کی کثافتوں سے آلودہ جسم وہاں لائے جاتے ' اور محرومی و نامرادی کی مایوسیوں سے گھائل دل چیختے اور تڑپتے ہوے اُس کی جانب دوڑتے ' تو اسکی پاک ہوا امید و مراد کی عطر بیزی سے مشکبار ہو جاتی' اسکے پہاڑوں کی چوٹیاں خدا کی محبت و بخشش کے بادلوں میں چھپ جاتیں ' اور اُس کی مقدس فضاء میں رحمت کے فرشتے غول در غول اُتر کر اپنی معصوم مسکراہٹ اور اپنے پاک نغموں کے ساتھہ مغفرت و قبولیت کی بشارتیں بانٹتے !

شاخوں کی شادابی جڑ پر موقوف ہے - درختوں کی جڑ اگر سلامت ہے تو شاخوں اور پتوں کے مرجھا جانے سے باغ اجڑ نہیں جا سکتا - دس ٹہنیاں کاٹ دی جائینگی' تو بیس نئی نکل آئینگی - اسیطرح قوم کا مرکز ارضی اگر محفوظ ہے ' تو اسکے بکھرے ہوے ٹکڑوں کی بربادی سے قوم نہیں مٹ جاسکتی - سارے ٹکڑے مٹ جائیں ' مگر مرکز باقی ہے تو پھر نئی نئی شاخیں پھوٹینگی اور نئی نئی زندگیاں اُبھرینگی - پس جس طرح مسلمانوں کے اجتماعی دائرہ کیلیے خلیفۂ و امام کے وجود کو مرکز ٹھہرایا گیا' اُسی طرح اُنکی ارضی وسعت و انتشار کیلیے عبادتکدۂ ابراھیمی کا کعبۃ اللہ' اسکی سر زمین حجاز ' اور اُسکا ملک جزیرۂ عرب' دائمی مرکز قرار پایا - یہی معنی ان آیات کریمہ کے ہیں کہ :

جعـــل اللہ الکعـــبۃ البیت الحـــرام قیـــاماً للناس (۵ : ۱۰۰)

اللہ نے کعبہ کو کہ اسکا محترم گھر ہے' انسانوں کے بقاؤ قیام کا باعث ٹھہرایا -

و اذ جعلنا البیت مثابة للناس و امنا (۲ : ۱۲۵)

اور جب ایسا ہوا کہ ہم نے خانۂ کعبہ کو انسانوں کیلیے اجتماع کا مرکز اور امن کا گھر بنایا۔

اور

من دخلہ کان امنا (۳ : ۹۷)

جو اسکے حدود کے اندر پہنچ گیا ' اسکے لیے کسی طرح کا خوف اور ڈر نہیں -

اور یہی علت تھی تحویل قبلہ کی - نہ رہ جو لوگوں نے سمجھی :

و حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ (۲ : ۱۵۰)

اور تم کہیں بھی ہو ' لیکن چاہیے کہ اپنا رخ اسی کی جانب رکھو !

کیونکہ جب یہی مقام ارضی مرکز قرار پایا ' تو تمام افراد قوم کیلیے لازمی ہوا کہ جہاں کہیں بھی ہوں ' رخ اُنکا اسی طرف رہے - اور دن میں پانچ مرتبہ اپنے قومی مرکز کے طرف متوجہ ہوتے رہیں - اور یاد رہے کہ من جملہ بے شمار مصالح و حکم کے ' ایک بڑی مصلحت فریضۂ حج میں یہ بھی ہے کہ ساری اُمت ' تمام کرۂ ارضی ' اور تمام اقوام عالم کو ' اس نقطۂ مرکز سے دائمی پیوستگی بخشدی :

و اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (۲۲ : ۲۸)

اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو - پھر ایسا ہوگا کہ ساری دنیا کو یہ گوشۂ برکت کھنچ بلائیگا - لوگوں کے پیادے اور سوار قافلے دور دور سے یہاں پہنچیں گے !

فصل

(احکام شرعیہ)

اس مرکز کے قیام و بقاء کیلیے سب سے پہلی بات یہ تھی کہ دائمی طور پر اسکو صرف اسلام کیلیے مخصوص کردیا جاے - جبتک یہ خصوصیت قائم نہ کی جاتی ' امت کیلیے اس مرکزیت کے مطلوبہ مقاصد و مصالح حاصل نہ ہوتے -

چنانچہ اسی بنا پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا : انما المشرکون نجس ' فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا - مسجد حرام کے حدود صرف توحید کی پاکی کیلیے مخصوص ہیں - اب آیندہ کوئی غیر مسلم اسکے

قریب بھي نہ آنے پاے - یعنی نہ صرف یہ کہ وہاں غیر مسلم نہ رھیں ' بلکہ کسي حال میں داخل بھي نہ ھوں - جمہور اھل اسلام نے اتفاق کیا کہ مسجد حرام سے مقصود صرف احاطۂ کعبہ ھي نہیں ھے' بلکہ تمام سر زمین حرم ھے - اور دلائل و مباحث اسکے اپنے مقام پر درج ھیں -

اور اسي طرح احادیث صحیحۂ وکثیرہ سے جو حضرۃ علي ' سعد بن وقاص ' انس ' جابر ' ابو ھریرہ ' عبد اللہ بن زید ' رافع بن خدیج ' سہل بن حنیف ' وغیرھم اجلۂ صحابہ سے مروي ھیں ' ثابت ھوچکا ھے کہ مدینہ کي زمین بھي مثل مکہ کے حرم ھے' اور عیر و ثور اسکے حدود ھیں - " المدینۃ حرام ما بین عیر الی ثور " اخرجہ الشیخان - اور روایت سعد کہ " اني احرم ما بین لابتي المدینہ ان یقطع عضاھا او یقتل صیدھا " رواہ مسلم - اور روایت انس متفق علیہ کہ " اللھم ان ابراھیم حرم مکہ ' وانی احرم ما بین لابتیھا " (۱) خدایا ! ابراھیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا اور میں مدینہ کو ٹھہراتا ھوں !

یہ احکام تو خاص اس مرکز کي نسبت تھے - باقی رھا اسکا گرد و پیش ' یعنی جزیرۂ عرب ' تو گو اسکے لیے اسقدر اھتمام کي ضرورت نہ تھي ' تاھم اسکا خالص اسلامي ملک ھونا ضروري تھا - تاکہ اسلامي مرکز کا گرد و پیش اور اسکا مولد و منشاء ھمیشہ غیروں کے اثر سے محفوظ رھے -

اسلام کا جب ظہور ھوا تو علاوہ مشرکین عرب کے یہود و نصارا کی بھي ایک بڑي جماعت جزیرۂ عرب میں آباد تھي - مدینہ میں یہودیوں کے متعدد قبیلے تھے - خیبر میں انھي کي ریاست تھي - یمن میں نجران عیسائیوں کا بڑا مرکز تھا -

مدینہ کي سر زمین خود آپکي زندگي ھي میں یہودیوں سے خالي ھوگئي - آخري جماعت جو مدینہ سے خارج کي گئي ' بنو قینقاع اور بنو حارثہ کا گروہ تھا - امام مسلم نے ابن عمر کا قول نقل کیا ھے " ان یھود بني النضیر حاربوا رسول اللہ صلعم فاجلي بني النضیر و اقر قریظہ و من علیھم ' حتی حاربت قریظہ' فقتل رجالھم وقسم اولادھم و نسائھم بین المسلمین

---

(۱) زیادہ مفصل بحث رسالہ " جامع الشواھد " میں لکھہ چکا ھوں - اِس رسالہ کا اصل موضوع مسئلۂ خلافت ھے - یہ ٹکڑہ ضمنا آگیا ھے - پس اشارات پر اکتفا کیا گیا -

الا بعضهم لحقوا برسول الله فامنهم و اسلموا ' و اجلى يهود المدينة كلهم بني قينقاع و هم قوم عبد الله بن سلام و يهود بني حارثه ' وكل يهودي كان بالمدينه "

بخاري و مسلم ميں اس آخري اخراج كا واقعه بروايت حضرة ابو هريره مروي هے - آپ صحابه كو ساتهه ليكر يهوديوں كي تعليم گاه ميں تشريف ليگئے اور فرمايا " يا معشر اليهود ! اسلموا تسلموا " اسلام قبول كرو - نجات پاؤگے - پهر فرمايا " اعلموا ان الارض لله و رسوله و اني اريد ان اجليكم من هذه الارض ' فمن وجد منكم بماله شيئاً فليبعه ' و الا ' فاعلموا ان الارض لله و رسوله " ميں نے ارادہ كرليا هے كه تم كو اس ملك سے خارج كردوں - پس اپنا مال و متاع فروخت كرنا چاهو تو كردو - ورنه جان ركهو كه اس ملك كي حكومت صرف الله اور اُسكے رسول هي كيليے هے -

جب آپ دنيا سے تشريف ليگئے تو دو مقام ايسے رهگئے تهے جهاں سے يهود و نصارا كا اخراج نه هوسكا تها - خيبر اور نجران - پس آپنے وصيت فرمائي كه آينده جزيرۂ عرب صرف اسلام كيليے مخصوص كرديا جاے - جو غير مسلم اس ملك ميں باقي رهگئے هيں ' خارج كرديے جائيں - امام بخاري نے باب باندها هے " اخراج اليهود من جزيرة العرب" اسميں پهلي روايت يهود مدينه كے اخراج كي لاے هيں جو اوپر گزرچكي - دوسري روايت حضرت ابن عباس كي هے - آنحضرة صلعم نے مرض الموت ميں تين باتوں كي وصيت فرمائي تهي - ايک يه تهي " اخرجوا المشركين من جزيرة العرب " حافظ ابن حجر لكهتے هيں " اقتصـــر على ذكر اليهود لانهم يوحـــدون الله تعالى الا القليل ومع ذلك امر باخراجهم' فيكون اخراج غيرهم من الكفار بطريق اولى" (فتح الباري - ٦ : ١٩٣) يعنى امام بخاري نے عنوان باب ميں صرف يهود كا ذكر كيا - اسميں استدلال يه هے كه تمام غير مسلم اقوام ميں يهودي سب سے زيادہ توحيد كے قائل هيں - انكو خارج كيا گيا تو ديگر مذاهب كے اخراج كا وجوب بدرجۂ اولى ثابت هوگيا - پس حاجت تصريح نهيں -

حضرة عمر كي روايت ميں " يهود و نصارى " كا لفظ هے " لاخرجن اليهود و النصارى من جزيرة العرب حتى لا ادع الا مسلما " رواه مسلم و احمد و الترمذي و صححه - ابو عبيده بن جراح سے امام احمد نے روايت كيا هے: " اخر ما تكلم به رسول الله صلعم اخرجوا يهود اهل الحجاز و اهل نجران من جزيرة العرب " حضرة عائشه كي روايت ميں اسكى علت بهى واضح كردي

ھے " آخر ما عہد رسول اللہ صلعم ان قال لا یترک بجزیرۃ العرب دینان " رواہ احمد - یعنی سب سے آخری وصیت رسول اللہ کی یہ تھی کہ جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہ ہوں - صرف اسلام ھی کیلیے مخصوص ہوجاے - امام مالک نے موطا میں عمر بن عبد العزیز اور ابن شہاب کے مراسیل نقل کیے ھیں اور مصمودی و غیرھم نے باب باندھا ھے " اخراج الیہود و النصاری من جزیرۃ العرب " عمر ابن عبد العزیز کی روایت میں ھے : " کان من آخر ما تکلم بہ رسول اللہ صلعم انہ قال قاتل اللہ الیہود و النصاری ' اتخذوا قبور انبیائہم مساجد - لا یبقیان دینان بارض العرب " اور ابن شہاب کا لفظ ھے " لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب "

حضرۃ عمر ابن عبد العزیز نے آخر تکلم " قاتل اللہ الیہود و النصاری " جو نقل کیا ھے ' تو حضرۃ عائشہ سے صحیحین وغیرھا میں بطریق رفع بھی ثابت ھے -

حافظ نواوی نے گو امام بخاری کا اتباع کیا اور " اجـــلاء الیہـــود " کا باب استدلالاً کافی سمجھا ' لیکن حافظ منذری نے تلخیص مسلم میں " اخراج الیہود و النصاری من جزیرۃ العرب " کا الگ باب باندھکر جزیرۂ عرب والی روایتیں روایات اجلاء یہود سے الگ کردی ھیں - یہ وصیۃ نبوی علاوہ طرق بالا کے مسند امام احمد ' مسند حمیدی ' سنن بیہقی وغیرہ میں بھی مختلف طریقوں سے مروی ھے ' اور سب کا مضمون متحد اور باھمدگر اجمال و تبیین اور اعتضاد و تقویت کا حکم رکھتا ھے -

احکام شرعیہ دو قسم کے ھیں - ایک قسم اُن احکام کی ھے جنکا تعلق افراد کی اصلاح و تزکیہ سے ھوتا ھے - جیسے تمام اوامر و نواھی اور فرائض و واجبات - دوسرے وہ ھیں جنکا تعلق افراد سے نہیں بلکہ اُمت کے قومی اور اجتماعی فرائض اور ملکی سیاسییات سے ھوتا ھے - جیسے فتح ممالک اور قوانین سیاسیۂ و ملکیہ -

سنۃ الہی یوں واقع ھوئی ھے کہ پہلی قسم کے احکام خود شارع کی زندگی ھی میں تکمیل تک پہنچ جاتے ھیں ' اور وہ دنیا نہیں چھوڑتا مگر اُنکی تکمیل کا اعلان کرکے - لیکن دوسری قسم کے لیے ایسا ھونا ضروری نہیں - بسا احکام ایسے ھوتے ھیں جنکے نفاذ و وقوع کے لیے ایک خاص وقت مطلوب ھوتا ھے اور وہ شارع کے بعد بتدریج تکمیل و تنفیذ پاتے ھیں - پس

اُن کي نسبت يا تو بطريق پيشين گوئي کے خبر ديدي جاتي هے ، يا اپنے جانشينوں کو وصيت کردي جاتي هے -

يه معامله اسي دوسري قسم ميں داخل تها - پس ضرور نه تها که اس کا پورا پورا نفاذ خود آنحضرة صلعم کي حيات طيبه هي ميں هوجاتا - آپ نے يهود مدينه کے اخراج سے عملاً نفاذ شروع کرديا - يهود خيبر سے ابتدا هي ميں شرط کرلي تهي که جب ضرورت هوگي' اس سر زمين سے خارج کرديے جاؤگے - پهر تکميل کيليے اپنے جانشينوں کو وصيت فرمادي - چنانچه حضرة عمر (رض) کے زمانے ميں تکميل کا وقت آ گيا - اور يهود خيبر نے طرح طرح کي شرارتيں اور نا فرمانياں کرکے خود هي اس کا موقعه بهم پهنچاديا - پس حضرة عمر نے اس وصيت کي تحقيق کي ' اور جب پوري طرح تصديق هوگئي تو تمام صحابه کو جمع کر کے اعلان کرديا - سب نے اتفاق کيا ' اور يهود خيبر و فدک خارج کرديے گئے - اسي طرح نجران سے بهي عيسائيوں کا اخراج عمل ميں آيا - امام زهري نے ابن عتبه سے اور امام مالک نے ابن شهاب سے روايت کيا هے " ما زال عمر حتى وجد الثبت عن رسول الله انه قال لا يجتمع بجزيرة العرب دينان ' فقال من كان له من اهل الكتابين عهد فليات به ' انفذ له ' والا فاني مجليكم ' فاجلا هم " (اخرجه ابن ابي شيبه)

امام بخاری نے يهود خيبر کے اخراج کا واقعه کتاب الشروط کے باب " اذا اشترط في المزارعة اذا شئت اخرجتک " ميں درج کيا هے ' اور ترجمۂ باب ميں استدلال هے که يهود خيبر کا تقرر پهلے هي سے عارضي و مشروط تها - بالاستقلال نه تها - حافظ عسقلانی لکهتے هيں - حضرة عمر کے اجلاء کرده اهل کتاب کی تعداد چاليس هزار منقول هے -

پس صاحب شريعت کے قول و عمل ' اُن کے آخرين لمحات حيات کي وصيت ' حضرة عمر کے فحص و تصديق ' تمام صحابه کے اِجماع و اتفاق سے يه بات ثابت هوگئی که اسلام نے هميشه کيليے جزيرۂ عرب کو صرف اسلامي آبادي هي کے ليے مخصوص کرديا هے - الا يه که کسي مصلحت سے خليفۂ وقت عارضي طور پر کسي گروه کو داخل هونے کي اجازت ديدے - اور ظاهر هے که جب وهاں غير مسلموں کا قيام اور دو دينوں کا اجتماع شريعت کو منظور نهيں ' تو غير مسلم کی حکومت يا حاکمانه نگراني و بالا دستي کو جائز رکهنا کب مسلمانوں کيليے جائز هوسکتا هے ؟

فصل

(جزیرۂ عرب کي تعدید)

باقي رہا یہ مسئلہ کہ جزیرۂ عرب سے مقصود کیا ہے ؟ تو یہ بالکل صاف و واضح ہے - اس کے لیے کسي بحث و نظر کي ضرورت ہي نہیں - نص حدیث میں " جزیرۂ عرب " کا لفظ وارد ہے ' اور عقلاً و اصولاً معلوم ہے کہ جب تک کوئي سبب قوی موجود نہ ہو ' کسی لفظ کے منطوق اور عام و متعارف مدلول سے انحـــراف جائز نہ ہوگا - اور نہ بلا مخصص کے قیاساً تخصیص جائز - شارع نے " جزیرہ " کا لفظ کہا ' اور دنیا میں اُس وقت سے لیکر ابتک جزیرۂ عرب کا اطلاق ایک خاص ملک پر ہر انسان کر رہا اور جان رہا ہے - پس جو مطلب اسکا سمجھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا ہے ' وہي سمجھا جایگا -

تمام مورخین اور جغرافیہ نگاران قدیم و جدید متفق ہیں کہ عرب کو " جزیرہ " اسلیے کہا گیا کہ تین طرف سمندر اور ایک جانب دریا کے پاني سے محصور ہے - یعني تین طرف بحـــر ہند ' خلیج فارس ' بحر احمر و قلزم واقع ہیں - ایک جانب دریاے دجلہ و فرات -

فتح الباري وغیرہ میں ہے " قال الخلیل سمیت جزیرۃ العرب ' لان بحر فارس و بحر الحبشہ و الفرات و الدجلہ احاطت بہا " (۶ : ۱۱۸) اور اصمعي کا قول ہے : " لاحاطۃ البحار بہا ' یعني بحر الہند و القلزم و بحر فارس و بحر الحبشہ و دجلہ " (ایضاً)

نہایہ میں امام زہري کا قول نقل کیا ہے " سمیت جزیرہ لان بحر الفارس و بحر السودان احاط بجانبیہا ' و احاط بالجانب الشمالي دجلہ و الفرات " -

یہي قول ارباب لغۃ کا بھي ہے - قاموس میں ہے " جزیرۃ العرب ما احاط بہ بحر الہند و الشام ثم دجلہ و الفرات " پروفیسر پطرس بستاني نے بھی (جو زمانۂ حال میں شام کا ایک مشہور مسیحي مصنف گزرا ہے اور جس نے عربي میں انسائیکلو پیڈیا لکھني شروع کي تھي) محیط المحیط میں یہي تعریف کي ہے -

حاصل سب کا یہی ہے کہ جزیرہ عرب وہ سر زمین ہے جسکے تین جانب سمندر ہیں اور شمالی جانب دریاے دجلہ و فرات -

سب سے زیادہ مفصل جغرافیہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں دیا ہے - اِس سے زیادہ جامع و معتبر کتاب عربی میں جغرافیہ و تقویم بلدان کی کوئی نہیں :

" انما سمیت بلاد العرب جزیرۃ لاحاطۃ الانہار و البحار، و ذلک ان الفرات اقبل من بلاد الروم ، فظہر بناحیۃ قنسرین ، ثم انحط علی أطراف الجزیرہ و سواد العراق ، حتی وقع في البحر في ناحیۃ البصرۃ و الابلہ ، و امتد الی عبادان ، و اخذ البحر في ذلک الموضع مغربان منعطفاً ببلاد العرب " الخ -

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ عرب اسلیے جزیرہ مشہور ہوا کہ سمندروں اور دریاؤں سے گھرا ہوا ہے - صورت اسکی یوں ہے کہ دریاے فرات بلاد روم سے شروع ہوا ، اور قنسرین کے نواح میں عرب کی سرحد پر ظاہر ہوا - پھر عراق میں ہوتا ہوا بصرہ کے پاس سمندر میں جا ملا - وہاں سے پھر سمندر نے عرب کو گھیرا ، اور قطیف و ہجر کے کناروں سے ہوتا ہوا عمان اور شحر سے گزر گیا - پھر حضرموت اور عدن ہوتا ہوا پچھم کی جانب یمن کے ساحلوں سے جا ٹکرایا - حتی کہ جدہ نمودار ہوا جو مکہ و حجاز کا ساحل ہے - پھر ساحل طور اور خلیج ایلہ پر جا کر سمندر کی شاخ ختم ہوگئی - پھر سر زمین مصر شروع ہوتی ہے اور قلزم نمودار ہوتا ہے ، اور اسکا سلسلہ بلاد فلسطین سے سواحل عسقلان ہوتا ہوا سر زمین صور و ساحل اردن تک بیروت پر پہنچتا ہے ، اور آخر میں پھر قنسرین تک منتہی ہوکر وہ جگہ آجاتی ہے جہاں سے فرات نے عرب کا احاطہ شروع کیا تھا - پس اس طرح چاروں طرف پانی کا سلسلہ قائم ہے - بحر احمر اور قلـــزم کی درمیانی خشکی بھی پانی سے خالی نہیں - کیونکہ سرذان سے دریاے نیل وہاں آ پہنچا ہے اور قازم میں گرا ہے - یہی جزیرہ ہے جس سے عرب کی سر زمین عبارت ہے ، اور یہی عرب اقوام کا مولد و منشاء ہے - انتہی ملخصا - (جلد ۳ - ۱۰۰)

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ جزیرۂ عرب کے حدود کیا ہیں ؟ عرب کا نقشہ اپنے سامنے رکھو اور اسپر مندرجۂ بالا تخطیط منطبق کرکے دیکھو - اوپر شمال ہے - دہنے مشرق - بائیں مغرب - شمال میں دریاے فرات مغرب سے خم کھاتا ہوا نمودار ہوتا ہے اور صحراے شام کے کنارے سے گزرتا

هوا دجلہ میں ملجاتا ہے - پھر دونوں ملکر خلیج فارس میں گرتے ہیں - فرات کے پیچھے دجلہ کا خط ہے - اسی پر بغداد واقع ہے - خلیج فارس کے مشرق میں ایران ہے اور مغربی ساحل میں قطیف و حساء - پھر یہ خلیج تنگ نائے ہرمز سے نکل کر مسقط و عمان کے کناروں سے گزرتا ہے اور اسکے بعد ہی بحر عمان نمودار ہوجاتا ہے - اسکے بعد حضرموت کا ساحل دیکھوگے - پھر عدن آگیا' اور باب المندب سے جونہی آگے بڑھے' بحر احمر شروع ہوگیا - چونکہ اسکا مغربی ساحل افریقہ و حبش سے متصل ہے ' اسلیے قدیم جغرافیہ میں اسکو بحر حبش بھی کہتے تھے - بحر احمر کے کنارے پہلے یمن ملیگا - پھر جدہ - اسکے بعد ساحل حجاز - حتی کہ سمندر کی شاخ پتلی ہوکر طور سینا تک منتہی ہوگئی ' اور اسکے ساتھہ ہی خلیج عقبہ کی شاخ نمودار ہوئی - اب مصر کی سر زمین شروع ہوگئی - نہر سوئیس کے بننے سے پہلے یہ خشکی کا ایک ٹکڑہ تھا جس نے بحر احمر کو بحر متوسط سے جدا کردیا تھا - اسلیے صاحب معجم نے یہاں دریاے نیل کا ذکر کیا ' جسکو اسی درمیانی تختۂ خشک کے بائیں جانب دیکھہ رہے ہو - وہ قاہرہ سے ہوتا ہوا اسکندریہ کے پاس سمندر میں گرتا ہے - پس اگرچہ اُس زمانے میں یہ ٹکڑہ خشک تھا مگر سمندر کی جگہ دریاے نیل کا خط آبی موجود تھا -

اس کے بعد بحر متوسط ہے جس کے ابتدائی حصہ کو قدیم جغرافیہ نویس بحر مصر و شام سے موسوم کرتے تھے - اسی پر بیروت واقع ہے اور ساحل سے اندر کی جانب دیکھوگے تو پھر وہی مقام سامنے ہوگا ' جہاں سے دریاے فرات نمودار ہوکر خلیج فارس کی جانب بڑھا تھا -

پس یہ ایک مثلث نما ٹکڑہ ہے جو اس تمام بحری احاطہ کے اندر واقع ہے - صرف خشکی کا ایک حصہ شمال میں فرات کے بائیں جانب نظر آتا ہے - یعنی سرحد شام - یہی مثلث ٹکڑہ جزیرۂ عرب ہے - قدیم و جدید جغرافیہ نگار ' دونوں اس پر متفق ہیں -

اس سے معلوم ہوا کہ عرب کے " جزیرہ " اور " جزیرہ نما " ہونے میں سب سے زیادہ اہم وجود دریاے دجلۂ و فرات کا ہے - کیونکہ اگر یہ عرب کے حدود سے کوئی متصل تعلق نہیں رکھتے ' تو پھر اس کی ایسی صورت ہی باقی نہیں رہتی جس پر جزیرہ کا اطلاق ہوسکے - یعنی شمال کی جانب بالکل خشک رہجاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ جس کسی نے عرب کی تعریف کی'

اخرجوا اليهود والنصارى من جزيرة العرب (الحديث)

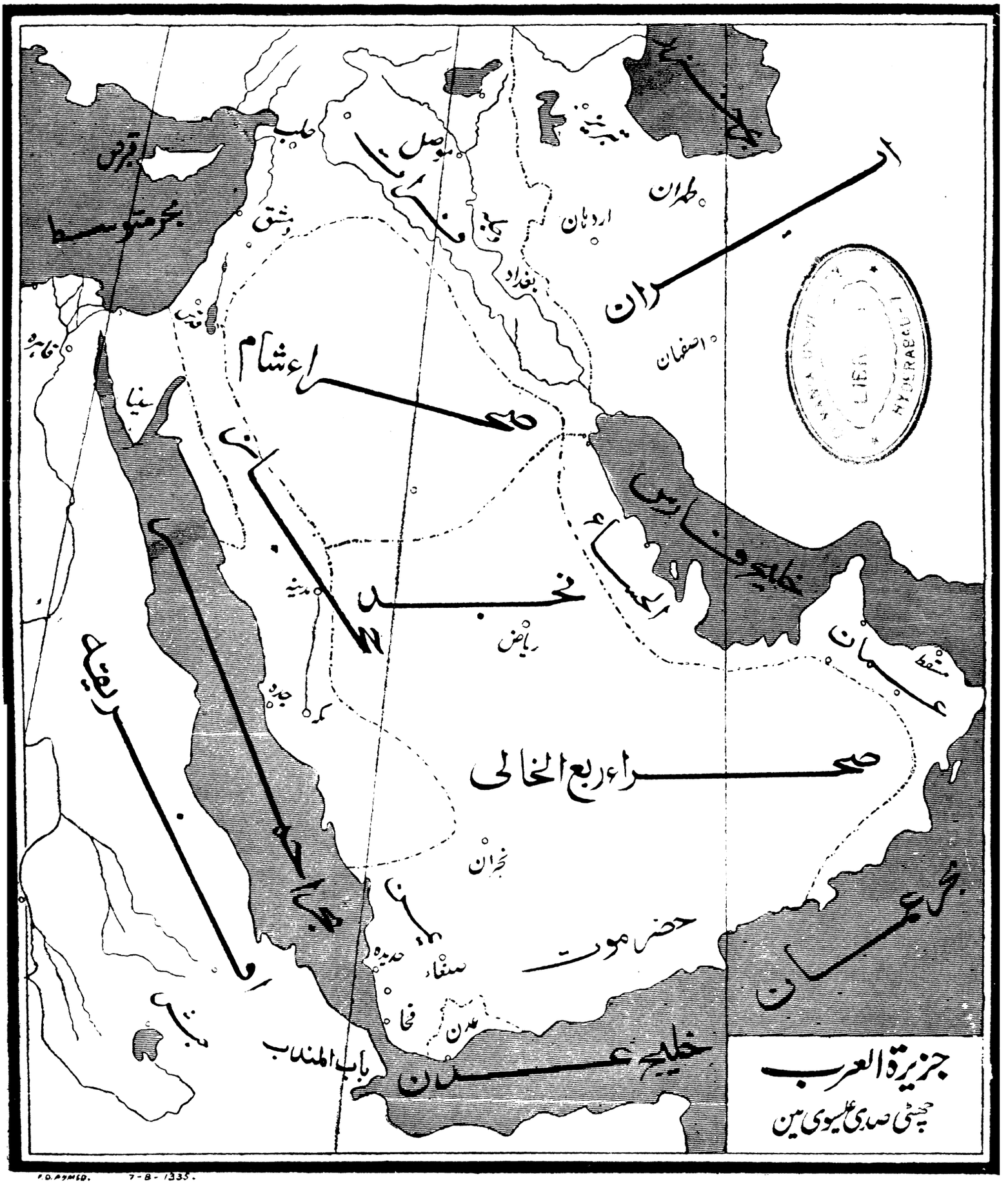

LIBRARY
LIBRARY
LIBRARY

P.D.A.9/MED. 7-8-1335.

حتی المحـــاریب تبکي رهي جامدة　　حتی المنـــابر ترثي رهي عیدان !

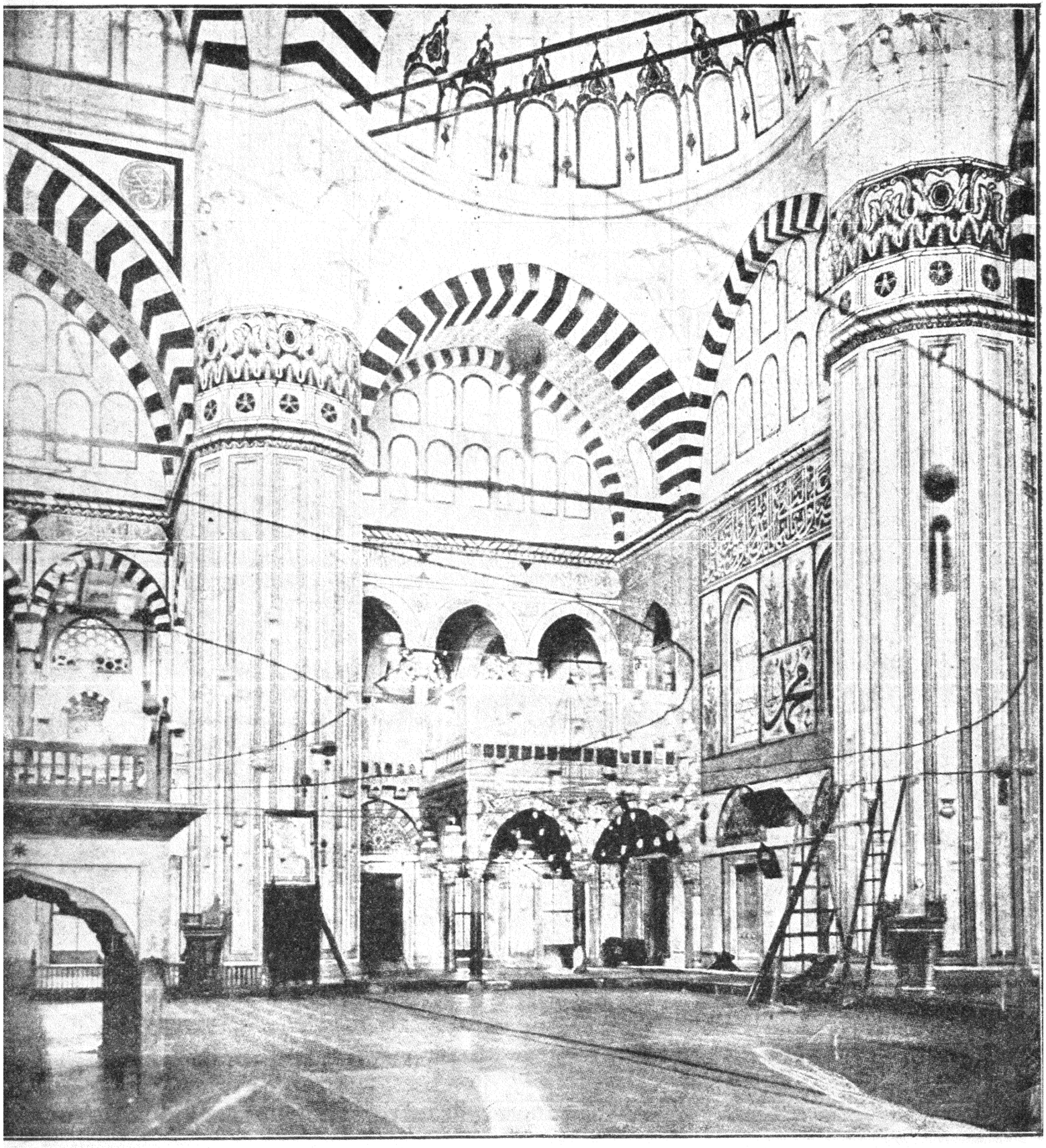

ایڈریا نوپل کي جامع مسجد

جو بقیه یورپین ترکي میں اسلام کی آخري متاع عزت تهی اور یونان کے سپرد کردي گئي !

احاطۂ بحر و نہر کا لفظ کہکر واضح کردیا کہ جانب شمال دجلہ تک پھیلا ہوا ہے - اور جنہوں نے مقامات کے نام لیکر حدود متعین کیے ' انہوں نے بھی صاف کہدیا کہ شمالی حد دجلہ ہے - نہایہ ' معجم البلدان' اور فتح الباری میں اصمعی کا قول منقول ہے " من اقصی عـــدن ابین الی ریف العراق طولاً ' و من جـــدہ ساحل البحر الی اطراف الشام عرضاً " کرمانی نے کہا " ھی ما بین عدن الی ریف العراق طولاً ' و من جـــدہ الی الشام عرضاً " یہی قاموس میں ہے - ایسا ہی ابن کلبی سے مروی ہے - رفاعہ بک طہطاوی نے قدیم و جدید کتب سے اخذ کرکے عربی میں " تعریفات الذافعہ لمرید الجغرافیہ " لکھی - اسمیں بھی یہی حدود ہیں - پس صاحب معجم کی تفصیل اور تمام اقوال سے ثابت ہو گیا کہ عرب طول میں عدن سے لیکر عراق کی ترائی تک ' اور عرض میں ساحل بحر احمر سے خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے - اس کی حد شمال میں دھنی جانب دجلہ ہے ' اور اگر عرض کا خط کھینچیں تو بائیں جانب شام - آجکل کے جغرافیوں میں بھی عرب کے یہی حدود بتلائے جاتے ہیں - پچھم میں بحر احمر' جنوب میں بحر ھند' پورب میں خلیج فارس ' اور دکھن میں ملک شام -

اسی معجم البلدان میں عراق کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوے لکھا ہے : " ای انہا اسفل ارض العرب " (جلد ۶ : ۱۳۳) یعنی عراق اسلیے نام ہوا کہ زمین عرب کا سب سے زیادہ نچلا حصہ ہے - اس سے بھی ثابت ہوا کہ عراق عرب میں داخل ہے - البتہ عراق کا وہ حصہ جو دجلہ کے پار واقع ہے ' اس میں داخل نہ ہوگا -

ہم یہاں عرب کا ایک نقشہ تفسیر البیان کے مسودہ سے لیکر درج کرتے ہیں - اس نقشہ میں ظہور اسلام کے وقت جزیرۂ عرب کی حالت دکھلائی ہے - یہ نقشہ دراصل یورپ کے بعض مشہور مستشرقین (اورنٹیلسٹ) نے قدیم نقشوں اور تعریفات سے مدد لیکر طیار کیا تھا جسکو سنہ ۱۸۵۰ میں پروفیسر فرڈنینڈ ویسٹن فیلڈ (Ferdinand Wustenfeld) نے لیڈن یورنیورسٹی سے شائع کیا - جزیرۂ عرب کے تمام قدیم نقشوں میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند نقشہ یہی ہے - نقطوں کے خطوط سے تجارتی قافلوں کی وہ سڑکیں دکھلائی ہیں جو چھٹی صدی عیسوی میں عرب کے اندرونی مقامات سے سواحل تک جاتی تھیں -

فصل

(مسجد اقصیٰ و ارض مقدس)

مقامات مقـــدسۂ اسلامیہ کے سلسلہ میں بیت المقـــدس اور اسکي سر زمین کا مسئلہ بھي مسلمانوں کے لیے اس سے کم اھمیت نہیں رکھتا جس قدر حرم مکہ اور حرم مدینہ کا -

اسلام نے صرف تین مقامات کے لیے بہ نیت طاعت و ثواب سفر کرنے کي اجازت دي ھے - اُن میں جسطرح مکہ و مدینہ کا نام ھے ' اُسیطرح بیت المقـــدس کا بھي - بخـــاری و مسلم کي مشہور روایت میں ھے : " لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد : المسجد الحرام ' و مسجدي ھـــذا ' و المسجد الاقصیٰ " یعني بہ نیت زیارت و طاعت سفر کا قصد و اھتمام کرنا نہیں ھے مگر ان تین جگھوں کے لیے - مسجد حرام ' مسجد مدینہ ' اور مسجد اقصیٰ - اس سے معلوم ھوا کہ تمام دنیا میں مسلمانوں کے لیے شرعاً یہي تین مقام سب سے زیادہ مقدس و محترم ھیں ' اور انہي کو یہ خصوصیت حاصل ھے کہ انکي زیارت کیلیے نیت کرکے اپنے وطنوں سے نکلتے ھیں ' سفر کي تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتے ھیں ' اور یقین کرتے ھیں کہ اس کے معاوضہ میں اُنکے لیے بڑا ھي اجر ھے -

یہي وجہ ھے کہ جمہور ائمۂ اسلام نے اتفاق کیا کہ اگر مسجد اقصیٰ کي زیارت کي نذر مانی ھو ' تو اسکا ادا کرنا اسي طرح واجب ھوگا ' جس طرح زیارت مسجد نبوی اور حج و عمرہ کا ادا کرنا - حالانکہ ان تین جگھوں کے علاوہ اگر کسي دوسري زیارتگاہ کے سفر کیلیے نذر مانی ھو ' تو اسکا ادا کرنا باتفاق ائمہ واجب نہ ھوگا - اسي بات سے اندازہ کرلیا جاسکتا ھے کہ بیت المقدس کي سر زمین مسلمانوں کے مذھبي احکام و اعتقاد میں کیسا اھم درجہ رکھتي ھے ؟

یہي وہ مقدس سر زمین ھے جسکا اللہ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا ' اور بالآخر وعدہ پورا ھوکر رھا - لیکن وہ اسکے اھل ثابت نہ ھوے ' اور دنیا کي حکومت و عزت کے ساتھہ یہاں کي پادشاھت بھي اُن سے چھین لي گئی - پھر مسیحي دور شروع ھوا - اسکے بعد مسلمان وارث ھوے - قرآن حکیم نے

مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھہ اس وراثت کی بشارت دی تھی -

و لقد کتبنا في الزبور من بعد الذکر' ان الارض یرثها عبادي الصالحون -

ان في هذا لبلاغاً لقوم عابدین - وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (۲۱ : ۱۰۵)

حضرة ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے کہ اس آیت میں " الارض " سے مقصود بیت المقدس اور فلسطین ہے - اسمیں خبر دی گئی تھی کہ اب رھانکی پادشاھت مسلمانوں کے حصے میں آئیگی - اسی لیے کہا : ان في هذا لبلاغا الخ -

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ھمیشہ اس سر زمین کی خدمت و وراثت کو اللہ کی طرف سے ایک مخصوص عطیہ و امانت سمجھا ' اور اسکی حفاظت کو حرمین کی طرح ساری دنیا کی حکومت و فرماں روائی سے بھی زیادہ عزیز و محبوب سمجھتے رہے - یہی اعتقاد دینی تھا جسنے مسیحی جہاد کی اُن آٹھہ لڑائیوں کو کامیاب ھونے نہ دیا جن میں تمام یورپ کی طاقت اکٹھی ھوگئی تھی ' حالانکہ وہ وقت مسلمانوں کی پولیٹکل طاقت کے عروج کا نہ تھا - تنزل و انحطاط کا تھا ' اور تمام عالم اسلامی مختلف حکومتوں میں متفرق ھوچکا تھا - اُسوقت سے لیکر آجتک وھاں کی حکومت خلیفۂ اسلام کے ماتحت رھی ہے ' اور ھمیشہ خود یورپ نے مسیحی دنیا کے امن و سکون کیلیے اسی بات کو بہتر سمجھا ہے - پس اگر آج پھر ازمنۂ مظلمہ (مڈل ایجز) کی تاریخ دھرائی جائیگی ' اور اسلام کی جگہ اُسے مسیحیت یا یہودیت کے زیر اثر لانے کی کوشش کی جائیگی ' تو مسلمانان عالم کیلیے ناممکن ھوگا کہ خاموش رھسکیں - اُنکا فرض ھوگا کہ جب گذشتہ کروسیڈ کا ایک حصہ دھرایا گیا ہے ' تو دوسرا حصہ بھی ظہور میں آجاے - وہ مسلمانوں کی دینی زیارت گاہ ہے : اُنکا مقدس اولین قبلہ ہے - اسکی مذھبی وابستگی اُنکے ایمان و مذھب کا جزء ہے - اگر وھاں یہودیوں کا اقتدار بڑھایا جاتا ہے ' یا کسی مسیحی حکومت کو نگرانی و بالا دستی کے نام سے قائم کیا جاتا ہے ' تو یہ صرف مسلمانوں کی آبادیوں ھی کو نہیں بلکہ انکی شریعت کو چیلنج دینا ہے ' اور مسلمانوں کو مجبور کردینا ہے کہ یا تو اسلام کی جانب سے اس چیلنج کو قبول کرلیں ' یا اسکی اطاعت و حمایت سے دست بردار ھو جائیں -

باب

(خاتمۂ سخن)

فصل

(نتائج بحث)

گذشتہ مباحث و تفصیلات کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

(۱) اسلام کا قانون شرعی یہ ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفۂ و امام ہونا چاہیے - " خلیفہ " سے مقصود ایسا خود مختار مسلمان بادشاہ اور صاحب حکومت و مملکت ہے جو مسلمانوں اور اُنکی آبادیوں کی حفاظت اور شریعت کے اجراء و نفاذ کی پوری قدرت رکھتا ہو اور دشمنوں کے مقابلے کیلیے پوری طرح طاقتور ہو -

(۲) اُسکی اطاعت و اعانت ہر مسلمان پر فرض ہے - اور مثل اطاعت خدا و رسول کے ہے - تاوقتیکہ اُس سے کفر بواح (صریح) ظاہر نہو - جو مسلمان اسکی اطاعت سے باہر ہوا ' وہ اسلامی جماعت سے باہر ہوگیا - جس مسلمان نے اُسکے مقابلہ میں لڑائی کی - یا لڑنے والوں کی مدد کی ' اُس نے اللہ اور اسکے رسول کے مقابلے میں تلوار کھینچی - وہ اسلام سے باہر ہوگیا ' اگرچہ نماز پڑھتا ہو ' روزہ رکھتا ہو ' اور اپنے تئیں مسلم سمجھتا ہو -

(۳) ایک خلیفہ کی حکومت اگر جم چکی ہے ' اور پھر کوئی مسلمان اُسکی اطاعت سے باہر ہوا اور اپنی حکومت کا دعوا کیا ' تو وہ باغی ہے - اسکو قتل کردینا چاہیے -

(۴) صدیوں سے اسلامی خلافت کا منصب سلاطین عثمانیہ کو حاصل ہے ' اور اسوقت از روے شرع تمام مسلمانان عالم کے خلیفہ و امام وہی ہیں - پس اُنکی اطاعت و اعانت تمام مسلمانوں پر فرض ہے - جو انکی اطاعت سے باہر ہوا ' اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکالدیا ' اور

اسلام کی جگہ جاهلیة مول لی - جس نے انکے مقابلے میں لڑائی کی ' یا انکے دشمنوں کا ساتھہ دیا ' اُس نے خدا اور اُسکے رسول سے لڑائی کی -

(۵) صرف خلیفۂ اسلام هي کے لیے یہ حکم مخصوص نہیں هے - جب کبھي مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں لڑائي هو ' تو کسي مسلمان کیلیے شرعاً جائز نہیں کہ غیر مسلمان فوج کا ساتھي هوکر مسلمانوں سے لڑے - یا انکي مدد کرے - اگر کریگا تو بحکم " من حمل علینا السلاح فلیس منا " اور نص قراني من یقتل مومناً متعمداً فجزاءہ جهنم خالداً فیها وہ اسلامي جماعت سے خارج هو جائیگا - اس کا ٹھکانا دوزخ هے -

(۶) جب کسي اسلامی حکومت یا جماعت پر غیر مسلم حملہ کریں یا حملہ کا قصد کریں ' یا اُنکی آزادي و خود مختاري کو کسي دوسري طرح نقصان پہونچانا چاهیں ' تو هر ملک کے مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے اُنکي مدد کرنا ' اور حملہ کرنے والوں سے لڑنا ' فرض هو جاتا هے - علی الخصوص ایسي حالت میں جب کہ حملہ آور زیادہ طاقتور هوں ' اور ان کے مقابلہ کي کافي طاقت اُن مسلمانوں اور وهاں کي اسلامی حکومت میں نہو - اس صورت میں جہاد کي فرضیة علی الکفایہ نہ هوگی - مثل نماز و روزہ کے فرض عین هوگي -

(۷) اگر خلیفۂ اسلام کو دشمنوں کا ایسا طاقتور گروہ گھیر لے کہ ان کا مقابلہ کرنا اس کی طاقت سے باهر هو ' اور بلا تمام مسلمانان عالم کي فوري مدد و نصرت کے اسلامي ممالک کي حفاظت نہ هو سکے ' تو اُس صورت میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا یہ یک وقت فرض هوگا کہ جس طرح بھي ممکن هو ' اس کی مدد کریں - اور اُس کے دشمنوں پر حملہ آور هوں -

(۸) اسلام کا حکم شرعی هے کہ جزیرۂ عرب کو غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھا جاے - اُس میں عراق کا ایک حصہ اور بغداد بھي داخل هے - پس اگر کوئي غیر مسلم حکومت اس پر قابض هونا چاهے ' یا اُس کو خلیفۂ اسلام کي حکومت سے نکال کر اپنے زیر اثر لانا چاهے ' تو یہ صرف ایک اسلامي ملک کے نکل جانے هي کا مسئلہ نہ هوگا ' بلکہ اُس سے بھي بڑھکر ایک مخصوص سنگین حالت پیدا هو جائیگي - یعنی اسلام کی مرکزي سر زمین پر کفر کا اثر چھا رها هے - پس اس حالت میں تمام مسلمانان عالم کا

اولین فرض ہوگا کہ اس قبضہ کو وہاں سے ہٹانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں ' اور اپنی تمام قوتیں اس کام کے لیے وقف کردیں -

(۹) اسلام کے مقامات مقدسہ میں بیت المقدس اُسی طرح محترم ہے جس طرح حرمین شریفین - اس کے لیے لاکھوں مسلمان اپنی جانوں کی قربانیاں ' اور یورپ کے آٹھ صلیبی جہادوں کا مقابلہ کر چکے ہیں - پس تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس مقام کو دوبارہ غیر مسلموں کے قبضہ میں جانے نہ دیں - علی الخصوص مسیحی حکومتوں کے قبضۂ اقتدار میں - اور اگر ایسا ہو رہا ہے ' تو اُس کے خلاف دفاع کرنا صرف وہاں کی مسلمان آبادی ہی کا فرض نہوگا - بلکہ بہ یک وقت و بہ یک دفعہ تمام مسلمانان عالم کا -

(۱۰) اس صورت میں جو فرض شرعی مسلمانوں پر عائد ہوگا ' اس میں پہلی چیز " ترک " ہے - دوسری " اختیار " - " ترک " سے مقصود یہ ہے کہ تمام ایسے تعلقات ترک کردینا پڑینگے جن میں برٹش گورنمنٹ کی اعانت و موالات ہو - "اختیار" سے مقصود یہ ہے کہ وہ تمام وسائل اختیار کرنے پڑینگے ' جنکے ذریعہ فریضۂ دفاع انجام پاسکے -

و تلک عشرۃ کاملہ -

فصل

(خلیفۃ المسلمین اور گورنمنٹ برطانیہ)

جب کہ اسلام کے اوّل اور اپنے پیروؤں کے لیے دائمی احکام کا یہ حال ہے ' تو یکایک ۴ - اگست ۱۹۱۴ کو عالمگیر جنگ عالم کا شرارہ وسط یورپ میں چمکا ' اور دیکھتے ہی دیکھتے مغربی تمدن کا تمام آتشگیر مادۂ جنگ بھڑک اُٹھا : نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدہ ! پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جنگ نے مسلمانان ہند کے لیے ایک ایسی نازک صورت اختیار کرلی ' جو برطانیہ کی حکومت ہند کی پوری تاریخ میں آج تک کبھی پیش نہیں آئی تھی - یعنی خلیفۃ المسلمین کی فوجیں بھی میدان جنگ میں مشغول پیکار نظر آئیں ' اور ترکی کے بر خلاف برطانیہ نے اعلان جنگ کردیا -

اس اعلان جنگ کي اطلاع جب سرکاری طور پر هندوستان میں مشتہر کی گئي ' تو ساتھہ هي حسب ذیل امور کا بھی اعلان کیا گیا تھا :

(۱) ترکی حکومت کے ساتھہ همارا جنگ دفاعی ھے - نہ کہ حملہ آورانہ - هم نے دو ماہ تک هر طرح کا مخالفانہ اور جنگ جویانہ سلوک برداشت کیا ' اور پوري کوشش کی کہ کسي طرح یہ جنگ ٹل جاے ' لیکن ترکي گورنمنٹ نے برابر اپنے حملے جاری رکھے - اب مجبوراً هم کو بھی اعلان جنگ کرنا پڑا ھے -

(۲) هندوستان کے مسلمانوں کو پوري طرح بھروسہ رکھنا چاهیے کہ اس جنگ میں همارے یا همارے ساتھیوں کی جانب سے کوئی بات ایسي نہ هوگي جو اُنکے مذهبي محسوسات کو صدمہ پہونچاے - اسلام کے تمام مقدس مقامات محفوظ رهینگے جن میں عراق بھی داخل ھے - انکے احترام کا پورا پورا لحاظ رکھا جاے گا - اسلام کے مقدس مقام خلافت کے خلاف کوئی کارروائي عمل میں نہ آئیگي - همارے جنگ موجودہ ترکي وزارت سے ھے جو جرمني کے زیر اثر کام کررهي ھے - خلیفۃ المسلمین سے اور اسلام سے نہیں ھے - گورنمنٹ برطانیہ نہ صرف اپني جانب سے بلکہ اپنے تمام حلیفوں کي جانب سے اِن باتوں کي ذمہ داري لیتي ھے -

یہ خلاصہ اُس سرکاري اعلان کا ھے جو پہلي نومبر سنہ ۱۹۱۴ کو اعلان جنگ کي اطلاع کے ساتھہ هي گورنمنٹ آف انڈیا نے شائع کیا تھا ' اور پھر تمام صوبوں میں سرکاري طور پر اسکي اشاعت کی گئي تھي - حتیٰ کہ هر کمشنري ' هر ضلع ' هر صدر مقام ' هر شہر کے مسلمانوں کو جمع کرکے مقامی حکام نے اسکي نقلیں بانٹي تھیں اور زباني بھي پڑھکر سنایا تھا - برٹش انڈیا کا کوئي مسلمان گھر ایسا نہیں ملیگا جو اس اعلان سے بے خبر چھوڑ دیا گیا هو - بعد کو " نیر ایسٹ " وغیرہ اخبارات سے معلوم هوا کہ مصر و سوڈان میں بھی بجنسہ یہی اعلان شائع کیا گیا تھا -

اس اعلان کے بعد بھی همیشہ ذمہ دار حکام هند و انگلستان کي زبان سے یہ دونوں باتیں بار بار ظاهر هوتی رهیں - اگر کسی اظہار و بیان کي مضبوطی میں اعلان کي تکرار و اشاعت کي کثرت و وسعت کو دخل ھے ' تو بلا خوف رد کہا جاسکتا ھے کہ جسقدر کثرت و تکرار کے ساتھہ یہ اعلان شائع کیا گیا ' شاید هی کوئی انساني وعدہ اسقدر دهرایا گیا هو -

یہ کہنا ضروري نہیں کہ اسوقت میدان جنگ کا کیا حال تھا ؟ برٹش گورنمنٹ کو اپنی زندگي کیلیے لاکھوں سپاھیوں اور توپوں کي جسقدر ضرورت تھی ' اس سے کہیں زیادہ اس اعلان اور اسکي کامیابی کی ضرورت تھي - اگر اسوقت ھندوستان کے مسلمانوں میں ذرا بھی بے چینی پیدا ھوجاتي ' تو نہیں معلوم جنگ کي تاریخ کیسا پلٹا کھاتي ' اور آج نتائج کا کیا حال ھوتا ؟

اس اعلان کا نتیجہ وھی نکلا جو مطلوب تھا - یعنی مسلمانان ھند پر صورت حال مشتبہ ھوگئی - نادان و حیلہ جو علماء اس خیال میں پڑگئے کہ جب ترکوں نے انگلستان و دول متحدہ پر حملہ کیا ھے ' تو شرعاً صورت دفاع کی نہیں ھے بلکہ حملۂ و ھجوم کي ھے ' اور اسلیے اسکي شرکت فرض کفایہ کا حکم رکھتی ھے - نہ کہ فرض عین کا - پس شرعاً ضروري نہیں کہ مسلمانان ھند بھی اسمیں حصہ لیں - عام مسلمانوں پر یہ اثر پڑا کہ برٹش گورنمنٹ صرف اپنا بچاؤ کر رھي ھے - اسکا مقصود اسلامی ممالک پر قبضۂ و تصرف کرنا یا خلیفۂ اسلام کي حکومت کو نقصان پہنچانا نہیں ھے - نیز اسلام کے مقدس مقامات یعني جزیرۂ عرب اور بیت المقدس وغیرہ ھر حال میں محفوظ رھینگے - ان تمام باتونکا نہ صرف انگلستان کي جانب سے وعدہ کیا جاتا ھے ' بلکہ تمام حلیف حکومتوں کي جانب سے بھي -

نہایت افسوس اور روسیاھی کے ساتھہ اقرار کرنا پڑتا ھے کہ مسلمانوں کا نہ یہ مذھبی فیصلہ صحیح تھا - نہ وعدوں اور اعلان پر اعتماد - انہوں نے اپني سیزدہ صد سالہ تاریخ حیات میں شاید ھی کوئي ایسي قومي و مذھبي غلطي کي ھوگي ' جیسی اس موقعہ پر کی ' اور جسکے نتائج کي پہلي قسط آج اُنکے سامنے ھے - " وما تخفی في صدورھم اکبر " فما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون !

تھوڑي دیر کیلیے اس سے قطع نظر کرلو کہ احکام شرع کي بنا پر یہ راے کہانتک صحیح تھي ؟ صرف اس پہلو سے دیکھو کہ جن وعدوں پر بھروسہ کیا گیا ' اُنکا حال کیا تھا ؟

پرانے وقتوں کي طرح موجودہ زمانے کی سوسائٹي بھي اشخاص کے لیے ضروري سمجھتی ھے کہ ایفاے عہد میں اپنے تئیں

شریف ثابت کریں ' لیکن بیسویں صدی کی تہذیب میں حکومتوں کیلیے شریف ہونا چنداں ضروری بات نہیں ہے ' اور اگر طاقت موجود ہے تو پھر اخلاقی صداقت کے مطالبہ کا وہم و گمان بھی نہیں کرنا چاہیے - جب وعدوں کا ایفا اور عہد و پیمان کی پابندی کمزور حکومتوں کے ساتھہ ضروری نہیں سمجھی جاتی ' تو پھر محکوم و بے سروسامان رعایا کے ساتھہ کیوں ضروری سمجھی جاے ' جو اپنی وفاداری میں کتے کی طرح قابل تعریف مگر بے زبانی میں اُسی کی طرح بے بس بھی ہے ؟

انگلستان کی حکومت نے نپولین کے عہد سے لیکر آجتک اپنے وعدوں کو جس طرح پورا کیا ہے ' انکی عبرۃ انگیز سرگذشت صفحات تاریخ پر ثبت ہے -

برطانی وعدوں کے اعتماد اور اُنکے ایفاء کی اخلاقی نمائش کا یہ پہلا ہی موقعہ نہیں ہے - ۱۵ - جولائی سنہ ۱۸۱۵ع کو جب نپولین نے بلرافان نامی انگریزی جہاز پر قدم رکھا تھا تو اُس نے بھی انگلستان کے وعدوں پر اعتماد ہی کیا تھا - کچھہ بے اعتمادی نہ کی تھی - لیکن خود اُسی کے لفظوں میں " انگلستان نے ہاتھہ بڑھا کر اپنا مہمان بنانے کیلیے بلایا ' اور جب وہ آ گیا تو اسکا خاتمہ کردیا "

سینٹ ہلینا کی سنگلاخ چٹانیں آجتک سمندر کے طوفانوں کے اندر انگریزی مواعید کی اخلاقی قدر و قیمت کا اعلان کر رہی ہیں !

۴ - اگست سنہ ۱۸۱۵ کو جنگ واٹرلو کے بعد جب شہر پیرس متحدہ افواج کے حوالے کیا گیا ' اور اس عہد نامہ کو فرانسیسیوں نے عہد نامہ سمجھا جس پر انگلستان کے نامور ہیرو ڈیوک آف ویلنگٹن کے دستخط تھے ' تو یقیناً انھوں نے بھی انگلستان پر اعتماد ہی کیا تھا - لیکن قبضہ کے بعد جو نتیجہ نکلا ' اس پر تاریخ کا اٹل فیصلہ صادر ہوچکا ہے ' اور خود انگریز مورخوں کی زبانی اُسکا افسانۂ خونیں سن لیا جاسکتا ہے -

خود ہندوستان کے گذشتہ سو سالوں کی تاریخ ہی اسکے لیے کافی ہے - دوسرے ملکوں کی سرگذشتوں کی طرف نظر اُٹھانے کی ضرورت کیا ہے ؟

شمشاد خانہ پرور ما از کے کمتر ست ؟

تاهم بدبخت مسلمانوں نے بھروسہ کیا اور جنگ کے نتائج کي طرف سے مطمئن هوگئے - اُنکا روپیه ' اُنکي جانیں ' اُنکے ملک کي تمام قوتیں ' بے دریغ خرچ کي گئیں - دنیا کي آخری اسلامي حکومت و خلافت کے مٹانے میں اُنکي هر چیز نے پورا پورا کام دیا - یهانتک که برٹش گورنمنٹ اپني تاریخ حیات کے سب سے بڑے مهلک وقت سے بچ گئي ' اور وہ فتح ملدي مکمل هوگئي جسکا پهلا نتیجه اسلامي خلافت کي بربادي و تباهي هے -

اثناء جنگ هي میں اس اعتماد کے تمام نتائج ظاهر هوگئے تھے - بغداد پر انگریزي فوج قابض هوگئي تھي جو جزیرۂ عرب کي مقدس سرزمین میں داخل هے - عین حدود حرم مکه کے اندر سازشیں کرکے بغاوت کرائي گئي اور اسکي وجه سے جسقدر توهین اس مقدس مقام کي هوني تھي وہ هوکر رهی - پهر بھي مسلمانان هند اپنے اعتماد سے دست بردار نه هوے اور اس انتظار میں رهے که یه جنگ کي عارضي حالتیں هیں - صلح کے بعد هي برطاني اعلان و مواعید کي مقدس صداقت تمام عالم پر آشکارا هو جائیگي -

فصل

(موجوده و آینده حالت اور احکام شرعیه)

بحث کے اس ٹکڑه کو هم دانسته حذف کردیتے هیں که جنگ کے بعد ان وعدوں اور اعلانات کا کیا نتیجه نکلا ؟ نه هم اُن پیهم اعلانات کا یهاں ذکر کرینگے جنکا سلسله برابر اثناے جنگ میں بھي جاری رها - مثلاً وزیر اعظم کی تقریر ۵ - جنوري سنه ۱۹۱۸ - کیونکه یه تمام باتیں دنیا کے سامنے هیں - اور سورج کي روشنی جن چیزوں کو دکھلادے ' انکے لیے بحث و نظر کی روشنی سے مدد لینے کی ضرورت باقی نهیں رهتی -

همکو یهاں صرف ایک بات کا فیصله کرنا هے - اسکے علاوہ نه اب کوئی بات همارے لیے سوچنے سمجھنے کی باقی رهی هے - نه گورنمنٹ کیلیے - وہ صرف موجوده و آینده حالت کا سوال هے -

احکام شرعیہ اوپر گذر چکے ھیں - پس اگر موجودہ حالت میں تبدیلی نہ ھوئی اور صلح کے نام سے اسلامی خلافت کے خلاف رھی حملہ آور رانہ جنگ عمل میں لائی گئی جسکا اظہار ھو رھا ھے ' تو نتائج حسب ذیل ھونگے :

(۱) جس وقت خلیفۃ المسلمین نے جنگ میں شرکت کی ھے تو برٹش گورنمنٹ نے اعلان کیا تھا کہ حملہ اُنکی جانب سے ھے - انگلستان و حلفاء کی جانب سے نہیں ھے - لیکن اب موجودہ حالت بالکل اسکے برعکس ھے - یعنی خلیفۃ المسلمین کسی غیر مسلم ملک و حکومت پر حملہ آور نہیں ھیں بلکہ غیر مسلم حکومتیں مسلمان آبادیوں اور خلیفۂ اسلام کی حکومت پر قابض ھو رھی ھیں ' اور خلیفۃ المسلمین پر حملہ آور ھیں - پس اگر اس حالت میں تبدیلی نہ ھوئی اور عارضی صلح کے بعد بھی یہی حال رھا ' تو مسلمانوں کیلیے قطعاً صورت دفاع اور نفیر عام کی پیدا ھو جائیگی جب جہاد ھر مسلمان پر فرض عین ھو جاتا ھے - حملۂ و ھجوم کی صورت نہ ھوگی کہ فرض علی الکفایہ ھو - لہذا ھندوستان کے ھر مسلمان کا یہ شرعی فرض ھوگا کہ خلیفۃ المسلمین ' اور اُن تمام اسلامی آبادیوں کی اعانت کیلیے اُٹھہ کھڑا ھو ' جہاں سے اسلامی حکومت مٹائی جا رھی ھے -

(۲) یہ حقیقت پہلے سے آشکارا تھی ' مگر چار سال کی جنگ اور اسکے نتائج نے آخری درجۂ یقین تک ظاھر کردی کہ نہ تو خلیفۃ المسلمین کی موجودہ طاقت غیر مسلم حریفوں کے مقابلے کیلیے کافی ھے - نہ موجودہ اسلامی ممالک کے مسلمانوں کی - یعنی وہ شکست کھا چکے ھیں اور بعض مقامات کے مسلمانوں کی درماندگی و تباھی غایت درجۂ ھلاکت تک پہنچ چکی ھے - جیسے ولایت سمرنا وغیرہ کے مسلمان - پس اس بنا پر بھی مسلمانان ھند کا فرض شرعی ھوگا کہ انکی مدد کیلیے اُٹھہ کھڑے ھوں - کیونکہ اگر ایک مقام کے مسلمان دشمن کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تو دیگر ممالک کے مسلمانوں پر دفاع میں شریک ھونا فرض ھوجاتا ھے -

(۳) جن بلاد اسلامیہ پر غیر مسلم دخل و تصرف کرنا چاھتے ھیں ' یا کرچکے ھیں - مثلاً ایڈریا نوپل ' تھریس ' ایشیاے کوچک ' سمرنا ' عراق ' فلسطین ' انکے قرب و جوار میں مسلمانوں کی کوئی ایسی جماعت موجود نہیں جو دشمنوں کے دفاع میں مددگار ھوسکے ' اور اسکی اعانت کی وجہ سے مسلمانان ھند بری الذمہ ھو جائیں - پس اس بنا پر بھی ساری شرعی

ذمہ داري مسلمانان هند هي کے ذمے عائد هوتي هے ' جنکي تعداد دنيا کي تمام اسلامي آبادیوں سے زیادہ ' اور جو بہت سي باتوں میں دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے بہتر حالت رکھتے هیں -

(۴) عراق کا تمام خطہ دریاے دجلہ تک جزیرۂ عرب میں داخل هے - پس اگر انگریزي قبضہ وهاں قائم رها ' یا کسي طرح کا بھی انگریزي اقتدار حکم برداري اور نگرانی کے نام سے حاصل کیا گیا ' تو یہ صریح جزیرۂ عرب پر غیرمسلم اقتدار هوگا ' اور از روے شرع مسلمانان هند کا فرض هوگا کہ اس اقتدار کے دور کرنے کیلیے حریف کا مقابلہ کریں -

(۵) بیت المقدس اسلام کے مقامات مقدسہ میں داخل هے - اگر اسپر غیر مسلم اقتدار قائم رکھا جائیگا ' تو تمام دنیا کے مسلمانوں کي طرح هندوستاني مسلمانوں کا بھي فرض هوگا کہ دفاع کیلیے مستعد هوجائیں -

(۶) غرضکہ هندوستان کے مسلمانوں پر ایک وفادار برٹش شہري کی زندگي بسر کرنا شرعاً ناجائز هوجائیگا - اور یہ فرائض کی سب سے بڑي کشمکش هوگی جسمیں کوئی انسانی جماعت مبتلا هو سکتی هے - یعنی بمجرد ان حالات کے برٹش گورنمنٹ کی حیثیت از روے شرع یہ هوجائیگی کہ وہ " اسلام اور مسلمانوں کي حملہ آور دشمن هے ' اور اسلیے اس سلوک کي مستحق هے جو از روے شرع مسلمانوں کو حملہ آور حریف کے ساتھہ کرنا چاهیے " جب ایسا هوا ' تو مسلمان مجبور هونگے کہ دو راهوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیں - یا برٹش گورنمنٹ کا ساتھہ دیں' یا اسلام کا - یہ ناممکن هوگا کہ دونوں تعلق ایک وقت میں جمع کیے جاسکیں -

کیا چھہ کروڑ سے زائد انسانوں کو اس کشمکش میں مبتلا کردینا کوئي عاقبت اندیشانہ فعل هوسکتا هے ؟ فرصت کي آخري گھڑیاں گزر رهي هیں - اگر عارضي فتح مندي کا گھمنڈ مہلت دے ' تو گورنمنٹ اس سوال پر غور کرلے -

اگر انگلستان کے وزرا (نپولین کے لفظوں میں) وعدہ اسلیے نہیں کیا کرتے کہ وفا کیا جاے' تو کم از کم اُس ایک وعدہ کو تو اس اخلاقی کلیہ سے مستثنی کردینا چاهیے جسکو هندوستان میں برٹش گورنمنٹ کا بنیادي اصول سمجھا جاتا هے - یعني کامل مذهبي آزادي کا وعدہ - اسی وعدہ کا

نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں ہر قوم کی طرح مسلمان بھی روزمرہ اپنے مذہبی فرائض انجام دے رہے ہیں - انکی مسجدیں قائم ہیں - پانچ وقت اذان کی صدائیں بلند ہوتی ہیں - کوئی حاکم مسلمانوں سے یہ نہیں کہتا کہ نماز نہ پڑھو -

لیکن اگر برٹش گورنمنٹ بلاد اسلامیہ کے خلاف اپنے موجودہ طرز عمل پر قائم رہی ' اسکے جہاز اسلامی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کردینے کیلیے سمندروں میں دوڑتے رہے ' اُسکی فوجیں عراق کی سرزمین پر قابض رہیں جو مقدس جزیرۂ عرب میں داخل ہے ' اور ساتھہ ہی وہ اس کی بھی متوقع رہی کہ ہندوستان کے بد بخت مسلمان اسکے وفادار بنے رہیں ' تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ وہ مسلمانوں کو انکے مذہب کے چھوٹے چھوٹے حکموں میں تو آزادی دینے کیلیے طیار ہے ' لیکن جو احکام اسلام کے بنیادی عقائد ہیں اور اُن بڑے حکموں میں داخل ہیں جن کے ترک کردینے سے مسلمان مسلمان نہیں رہتا ' اُنکے لیے چاہتی ہے کہ حق و آزادی کا نام بھی زبان پر نہ لائیں ' اور برطانیہ کی وفاداری کی خاطر اپنے اسلام سے باغی ہو جائیں !

وہ مسلمانوں کو آزادی دیتی ہے کہ نماز پڑھیں جو مذہبی احکام میں شاخ کا حکم رکھتی ہے ' لیکن ساتھہ ہی اسلامی خلافت و امامت پر حملہ اور بھی ہے جو شاخ نہیں بلکہ بنیاد اور جڑ کے حکم میں داخل ہے ؟

وہ نماز پڑھنے میں مداخلت نہیں کریگی جس کے نہ پڑھنے سے مسلمان گناھگار ہو جاتا ہے ' لیکن خلیفۃ المسلمین کو اُنکی حکومت و مملکت سے محروم کردیگی جنکی مدد نہ کرنے سے مسلمان گناھگار ہی نہیں بلکہ اسلامی جماعت سے باھر ہو جاتا ہے ؟

وہ مسلمانوں کو حج کے سفر سے نہیں روکتی کیونکہ انکا مذہبی عمل ہے - لیکن وہ خلیفۃ المسلمین کو اپنی فوجی طاقت سے محصور کرکے مجبور کریگی کہ اسلامی مملکتوں کو غیر مسلموں کے حوالہ کردیں - اسوقت مسلمان دفاع کیلیے اُٹھینگے تو کہیگی کہ یہ بغارت ہے - پھر کیا دفاع مسلمانوں کا مذہبی عمل نہ ہوگا ؟ اور کیسا مذہبی عمل ؟ ایسا عمل کہ شرعا ہزاروں حج سے بڑھکر - حج اس کے لیے چھوڑ دیا جا سکتا ہے ' لیکن حج کی خاطر وہ نہیں چھوڑا جا سکتا -

مسلمان هندوستان کی مسجدوں اور اُنکے اندر کي نمازوں کو لیکر کیا کرینگے جنکي اجازت دیدینے پر برٹش گورنمنٹ کي آزادي کو ناز ہے ' جبکہ شریعت کے وہ احکام اُن کے سامنے آجائینگے جنکي تعمیل هزار نمازوں سے بھی بڑھکر اور هزار روزوں سے بھي اشد و اهم ہے ' اور جنکی نا فرمانی کے بعد نہ تو اُنکی نمازیں ھی اُن کے لیے سود مند رهینگي - نہ اُن کے روزے ھی اُن کو نجات دلا سکینگے ؟

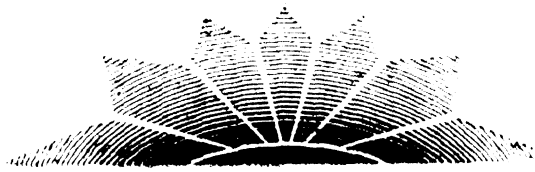

باب

ترک و اختیار

فصل

(ترک موالات)

اس صورت میں مسلمانوں پر ترک و اختیار، دونوں طرح کے احکام شرعاً عائد ہونگے -

" ترک " سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت کر رہے ہیں، ترک کردینی پڑینگی -

" اختیار " سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت نہیں کر رہے، کرنی پڑینگی -

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز وہ ہے جس کو شریعت نے " ترک موالات " سے تعبیر کیا ہے - یعنی جو غیر مسلم مسلمانوں کے حریف و دشمن اور حملہ آور فریق کا حکم رکھتے ہوں، اُن سے تمام ایسے تعلقات ترک کردینا جو محبت، خدمت، اور اعانت پر مبنی ہوں - اگر کوئی مسلمان ایسا تعلق رکھے گا، تو اُس کا شمار بھی شریعت کے نزدیک اُنہی غیر مسلموں میں ہوگا - مسلمانوں میں نہ ہوگا -

قرآن حکیم نے اس بارے میں ایک اصولی تقسیم کردی ہے - تمام غیر مسلم اقوام و افراد کو دو قسموں میں بانٹ دیا ہے - ایک قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو نہ تو مسلمانوں سے لڑتے ہیں - نہ انپر حملہ آور ہیں، نہ اُن کی آبادیوں پر قابض ہونا چاہتے ہیں - دوسری قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو یہ ساری باتیں کر رہے ہیں - یعنی لڑتے ہیں، حملہ آور ہیں، اسلامی ممالک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں - یا کرچکے ہیں -

اسلام کا حکم یہ ہے کہ پہلی قسم کے غیر مسلموں کے ساتھہ مسلمانوں کو نیکی و محبت اور ہر طرح کے احسان و خیر خواہی کا سلوک کرنا چاہیے - اسلام اس سے ہرگز مانع نہیں - عالمگیر محبت اس کی دعوۃ حق کا اصل الاصول ہے - البتہ دوسری قسم کے غیر مسلموں کے ساتھہ وہ اجازت نہیں دیتا کہ اس طرح کا کوئی علاقہ بھی مسلمان رکھیں - اگر رکھینگے تو اُن کا شمار بھی اللہ اور اس کی شریعت کے دشمنوں میں ہوگا - ایک مسلمان کے سارے گناہوں سے شریعت درگزر کرلے سکتی ہے ' لیکن اگر دوسری قسم کے غیر مسلموں سے محبت کرتا ہے ' یا کسی طرح کا واسطہ رکھتا ہے ' تو یہ گناہ نہیں ہے نفاق ہے - اور منافق مومن نہیں ہے -

قرآن نے یہ تقسیم سورۂ ممتحنہ میں کردی ہے : لا ینہا کم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ' ان تبرو ہم و تقسطوا الیہم ' ان اللہ یحب المقسطین - انما ینہا کم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم من دیارکم و ظاہروا علی اخراجکم' ان تولوہم' و من یتولہم فاولئک ہم ' الظلمون - [۶۰ : ۱۰]

اور اسی سورۃ کے اوائل میں فرمایا : یا ایہا الذین آمنوا ! لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء ' تلقون الیہم بالمودہ و قد کفروا بما جاءکم من الحق ؟ الخ مسلمانو ! جو غیر مسلم تمہارے اور تمہارے خدا کے دشمن ہیں ' اُنکو اپنا دوست نہ بناؤ - اور سورۂ مائدہ میں ہے : لا تتخذوا الیہود و النصاری اولیاء ' بعضہم اولیاء بعض - و من یتولہم منکم فانہ منہم (۵ : ۵۴) اُن یہود و نصاری کو جو مسلمانوں کی دشمنی اور نقصان رسانی میں سرگرم ہوں' اپنا دوست نہ بناؤ - اور جو مسلمان بنائیگا ' خدا کے حضور اسکا شمار بھی اُنہی میں ہوگا - اس سے بھی زیادہ واضح فرمایا : لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین (۳ : ۲۸) اور لاتتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین (۴ : ۱۴۴) یعنی جبکہ غیر مسلموں اور مسلمانوں میں باہم جنگ ہو ' تو مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ اپنے بھائیوں کو چھوڑ کر اُن کے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں - " من دون المومنین " جہاں جہاں آیا ہے ' اس نے واضح کردیا ہے کہ مقصود ہر قسم کے غیر مسلموں سے ترک موالات نہیں ہے '

بلکہ ایک خاص قسم کے محارب غیر مسلموں سے اور ایک خاص حالت جنگ میں - اسی طرح سورۂ عمران میں ہے : لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا - ودوا ماعنتم ' قد بدت البغضاء من افواههم ' و ما تخفی فی صدورهم اکبر - (۳ : ۱۱۸)

یہاں ضمناً یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھہ مسلمانوں کو شرعاً کیسا تعلق رکھنا چاہیے ؟ سو معلوم ہوگیا کہ قران کی اس تقسیم کی بموجب وہ دوسری قسم میں داخل ہیں - پس ان کے ساتھہ برو احسان اور نیکی و ہمدردی کرنے سے شریعت ہرگز ہرگز نہیں روکتی - آجتک انہوں نے نہ کبھی اسلامی ممالک پر حملہ کیا ' نہ مسلمانوں سے قتال فی الدین کیا ' نہ کسی اسلامی ملک سے مسلمانوں کے اخراج کا باعث ہوے -

فصل

(واقعۂ حاطب بن ابی بلتعہ)

سورۂ ممتحنہ کے شان نزول کا واقعہ اس بارے میں مسلمانوں کیلیے بڑا ہی عبرت انگیز ہے -

بخاری و مسلم میں حضرت علی سے مروی ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ مہاجرین صحابہ اور شرکاء بدر میں سے تھے - آنحضرت صلعم نے مکہ پر چڑھائی کا قصد کیا تو انہوں نے اپنے اهل و عیال کی حفاظت کے خیال سے ایک خط لکھکر مکہ میں اطلاع دیدینی چاهی - وحی الہی سے آنحضرت اسپر مطلع ہوگئے اور راستے ہی میں سے خط پکڑوا منگوایا - جب حاطب سے پوچھا گیا تو انہوں نے معذرت کی " ما فعلت هذا کفرا و لا ارتدادا " میں نے کفر و ارتداد اور اسلام کی مخالفت کے خیال سے ایسا نہیں کیا - صرف اپنے اهل و عیال کی حفاظت کے خیال سے خط بھیجدیا تھا - میری نیت بری نہ تھی - حضرۃ عمر نے چاہا کہ انہیں قتل کردیں اور کہا : " انہ منافق - قد خان اللہ و رسولہ " یہ منافق ہے - اس نے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھہ خیانت کی !

اسپر سورۂ ممتحنہ کا نزول ہوا :

یا ایہا الذین آمنوا لاتتخذوا	مسلمانو! خدا کے اور خود اپنے دشمنوں کو
عدوي و عدوکم اولیاء	ایسا دوست نہ بناؤ کہ محبت و الفت کے
تلقون الیہم بالمودہ ' و قد	اُنسے تعلقات رکھو - یہ وہ لوگ ہیں جو
کفروا بما جاء کم من الحق -	اسلام سے انکار کرچکے ہیں ' اور اللہ اور اسکے
	دین برحق کے دشمن ہیں -

اس واقعہ میں ہمارے لیے بڑي ہي عبرت ہے - حاطب بن ابي بلتعہ مہاجرین و بدریین میں سے تھے - انھوں نے صرف اپنے اہل و عیال کي حفاظت کے خیال سے خط لکھا تھا - دشمنان اسلام کي مدد کرنا مقصود نہ تھا - اسپر بھي اللہ کی جانب سے یہ عتاب نازل ہوا ' اور حضرۃ عمر قتل کردینے کیلیے اُٹھے کہ یہ منافق ہے - غور کرنا چاہیے کہ جب باوجود علاقۂ قرابت ' مخالف و محارب فریق کے ساتھہ اتنا تعلق بھي گوارا نہیں کیا گیا ' تو پھر اُن مسلمانوں کا شرعاً کیا حکم ہونا چاہیے جو برتّش گورنمنٹ کے محارب فریق ہونے پر بھي ' ہر طرح کي محبت و موالات اور اعانت و مشارکت کے تعلقات اُسکے ساتھہ رکھتے ہیں - اور جنکا ابتک یہ حال ہے کہ اُسکے درباروں کے دیے ہوے بے سود خطابوں کو بھی ترک کردینا اُنکے نفس حق فراموش پر گراں گزر رہا ہے ؟

علي الخصوص اُن مدعیان علم و تقدس کا حال قابل تماشا ہے جنکو اُنکي بارگاہوں سے " شمس العلماء " کے خطابات ملے ہیں - یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں اسلام کي دیني ریاست کا اولین حقدار اور مسلمانوں کي مذہبي پیشوائي کا سب سے زیادہ مستحق ظاہر کرتے ہیں - یا سبحان اللہ ! مسلمانوں پر اُنکي قومي بدبختي کا اس سے بڑھکر اور کونسا وقت آسکتا ہے ؟ جن لوگوں کو اسلام اور اسکي کتاب قطعاً منافق قرار دے رہي ہو ' اور جو اللہ کے نزدیک اسکے بھي حقدار نہوں کہ مسلمانوں کي صف میں جگہ پائیں ' اُنکو مسلمانوں کي ریاست و پیشوائي کا دعوی ہو ' وہ مسلمانوں کي بڑي بڑی درسگاہوں کے مالک ہوں جہاں صبح شام قال اللہ اور قال الرسول کا چرچا رہتا ہو ' اور پھر اس سے بھي عجیب تر یہ کہ بہت سے مسلمان ہوں جو انکی پیشوائي کو جان و دل سے مان رہے ہوں ' اور اُنکے آگے عقیدت و ارادت کا سر جھکا کر اللہ اور اُسکے رسول سے گردن موڑ رہے ہوں !

مدار روزگار سفلہ پرور را تماشا کن !

الذين يتخذون الكافرين اولياء من دون المومنين ' ايبتغون عندهم العزة ؟ فان العزة لله جميعا ! (۴ : ۱۳۸)

جو مسلمان ' مسلمانوں کو چھوڑ کر انکے مخالف غیر مسلموں کو اپنا دوست بنا رہے ہیں ' تو کیا وہ چاہتے ہیں کہ اُنکی بارگاہوں سے عزت حاصل کریں ؟ اگر عزت ہی کی طلب ہے تو یاد رکھیں کہ اصلی عزت دینے والے وہ نہیں ہیں - عزت اللہ کیلیے ہے اور ایک مسلمان کو ملسکتی ہےتو اسی کی چوکھٹ سے -

سورۂ نساء میں یہ تمام خصلتیں منافقوں کی قرار دی ہیں ' جن میں آج ہمارے بڑے بڑے مدعیان علم و مشیخت مبتلا ہیں - اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت میں اسلام و کفر ' دونوں سے ساز باز رکھنا چاہتے ہیں - یعنی وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی رہیں ' اور اسلام کے مخالفوں سے بھی رسم و راہ جاری رہے - مذبذبین بین ذالک - لا الی ھا اولاء ' ولا الی ھا اولاء (۴ : ۱۴۳) تو ایسے لوگوں کی نسبت فرمایا : یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین - اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطانا مبینا ؟ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار (۴ : ۱۴۳)

اسلام تو ایک مسلمان کے لیے یہ بات بھی جائز نہیں رکھتا کہ اگر اس کے ماں باپ ' بھائی بہن ' مسلمانوں سے لڑ رہے ہوں ' تو اُن سے بھی کسی طرح کا واسطہ رکھے : لا تتخذوا آباءکم و اخوانکم اولیاء ان استحبو الکفر علی الایمان ' و من یتولہم منکم فاولئک ہم الظالمون (۹ : ۲۳) اور جو مسلمان ایسے وقتوں میں محارب غیر مسلموں سے محبت و اعانت کا تعلق رکھیں ' خواہ وہ اُنکے ماں باپ ہی کیوں نہوں ' اُن کے مومن ہونےکی صاف صاف نفی کررہا ہے : لا تجد قوما یومنون با اللہ و الیوم الاخر ' یوادون من حاد اللہ و رسولہ و لو کانوا آبائہم (۵۸ : ۲۲) مہاجرین صحابہ نے اس حکم کی تصویر بنکر دنیا کو دکھلا دیا کہ ایمان کے معنی کیا ہیں ؟

پس اب فیصلہ کرلو کہ اُن لوگوں کا حکم کیا ہونا چاہیے جو ایسے وقتوں میں بھی محارب غیر مسلموں کے دیے ہوے خطابوں سے پیار کرینگے ' اُن کے دیے ہوے تمغوں کو (جن میں سے اکثر اسلام فروشی ہی کے صلے میں ملے ہیں) اپنے سینوں پر جگہ دینگے ' اُنکی بارگاہوں میں جاکر اطاعت و تعبد

کا سر جھکائینگے ' اور آہ ' ان سب سے بھي بڑھکر وہ ' جو انکي راھوں میں غلاموں کي طرح بچھینگے ' اُنکے حکموں پر کتوں کی طرح لوٹینگے ' اُنکي خدمت و چاکري کے عشق میں اپنے دین و ایمان تک کو نثار کردینگے ؟ فیا لله و للمسلمین ! من هذه الفاقرة التي هي اعظم فواقر الدین ' والرزیة التي ما رزي بمثلها سبیل المومنین !

لمثـــل هذا یذرب القلب من کمد
ان کان في القلب اســـلام و ایمان !

فصل

هل للامام ان یمنع المتخلفین والقاعدین من الکلام معهم و الزیارة و نحوه ؟

ایک اهم سوال شرعاً یہاں یہ پیدا هوتا هے که جو مسلمان بارجود تبلیغ و تفهیم ' محارب غیر مسلموں سے ترک موالات نه کریں ' اور اُنکي مودت و اعانت سے باز نه آئیں ' اُنکے ساتھه مسلمانوں کو کیا سلوک کرنا چاهیے ؟

حضرة کعب بن مالک اور غزوهٔ تبوک کے متخلفین کا واقعه گذشته باب میں گزر چکا هے - اس موقعه پر آنحضرة صلی الله علیه وسلم نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا ' اس سے ثابت هوتا هے که جو مسلمان مصالح امت کے خلاف روش اختیار کریں ' اور دشمنان ملت کے دفاع میں با وجود استطاعت حصه نه لیں ' انسے بھي مسلمانوں کو ترک موالات کردینا چاهیے -

امام بخاری نے کتاب الاحکام میں باب باندها هے " هل للامام أن یمنع المجرمین و اهل المعصیة من الکلام معه و الزیارة و نحوه ؟ " یعنی کیا مسلمانوں کے امام کو اس بات کا حق پهنچتا هے که جو لوگ شرعي جرائم کے مرتکب هوں ' اُنسے ملنے ' بات چیت کرنے ' اور اسي طرح کے تعلقات رکھنے سے لوگوں کو روک دے ؟ اور پھر اسمیں حضرة کعب بن مالک کي روایت درج کي هے - گویا اس واقعه سے وہ استدلال کرتے هیں که امام کو ایسا کرنے کا حق پهنچتا هے ' اور زجر و تنبیـــه اور عبرت پذیري کے لیے ایسا کرنا اعمال نبوت کے ٹھیک ٹھیک مطابق هوگا -

امام بخاري کا یہ استدلال نہایت واضح اور صاف ہے - آنحضرة صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو حکم دیدیا تھا کہ کسي طرح کا واسطہ ان لوگوں سے نہ رکھیں - نہ سلام کریں - نہ کلام کریں - نہ ملیں جلیں - یہانتک کہ انکي بیویوں تک کو تعلقات زوجیة رکھنے کي اجازت نہ تھي - بالاخر یہ حالت ہوگئي کہ " ضاقت علیهم الارض بما رحبت " پس اس سے ثابت ہوا کہ جب کبھي اسلام اور امت کي حفاظت اور دفاع کا وقت آجاے اور تمام مسلمانوں کا اسمیں شریک ہونا ضروري ہو' تو جس مسلمان کي طرف سے اسمیں سستي و کاهلي ہو' یا انکار و تخلف ہو' اُسکا جرم عند اللہ نہایت شدید و عظیم ہے' اور مسلمانوں کی جماعت کو حق پہنچتا ہے کہ زجر و تنبیہ کیلیے اُسکے ساتھہ وهي سلوک کریں جو اُن تینوں شخصوں کے ساتھہ کیا گیا تھا - اور جبتک وہ اپنے رویہ سے باز نہ آجائیں ' کوئي مسلمان اُن سے کسي طرح کا علاقہ نہ رکھے - جب اُن مسلمانوں کیساتھہ یہ سلوک جائز ہوا جو سابقین انصار اور شرکاء بدر میں سے تھے اور جنکا قصور بجز سستي و کاهلي کے اور کچھہ نہ تھا ' تو جو لوگ صریح طور پر اعداء اسلام کے ساتھہ اطاعت و اعانت کے تعلقات رکھیں ' اور دفاع اسلام کي سعي و تدبیر میں شامل ہونے سے صاف صاف انکار کردیں ' انکے لیے تو ایسا حکم دینا نہ صرف جائز و مشروع ہوگا ' بلکہ یقیناً واجب و لازم ہوگا -

ابن ابي حاتم نے امام حسن بصري کا کیا خوب قول نقل کیا ہے - قال " یا سبحان اللہ ! ما أکل ها اولاء الثلاثة مالاً حراماً ' و لا سفکوا دماً حراما ' و لا افسدوا فی الارض ' اصابهم ما سمعتم ' و ضاقت بهم الارض بما رحبت ' فکیف بمن یواقع الفواحش و الکبائر ؟ "

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں " و فیها ترک السلام علی من أذنب و جواز هجرة أکثر من ثلاث - و اما النهي عن الهجر فوق الثلاث فمحمول علی من لم یکن هجرانه شرعیا " (۱) یعنی اس واقعہ سے یہ بات بھي ثابت ہوتي ہے کہ مجرمین شرع سے ترک سلام و کلام کرنا جائز ہے اور تین دن سے زیادہ

---

(۱) امام بخاري اپني عادت کے مطابق حدیث کعب کو مختلف ابواب میں لاے ہیں - باب متذکرۂ متن کتاب الاحکام کا آخري باب ہے ' اور مفصل حدیث کتاب المغازي میں ہے - کتاب المغازي کي شرح میں حافظ موصوف کي یہ عبارت ملیگي - (جلد ۸ - ۹۴)

اُن سے ترک تعلق کیا جا سکتا ھے - باقي رھی حدیث - " لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث" یعني کسي مسلمان کیلیے جائزنہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائي مسلمان سے جدا رھے - تو اُس سے مقصود وہ جدائي ھے جو بلا سبب شرعي ھو' اور اس واقعہ میں جدائي کا حکم جرم شرعي کے ارتکاب کي بنا پر ھوا - پس زیادہ عرصہ تک ترک علائق جائز ھے -

حافظ ابن قیم نے بھی ھدي میں اس واقعہ سے یہ حکم مستنبط کیا ھے اور اپنے مخصوص طرز میں مشرح بحث کي ھے -

فصل

(ایک شبہ اور اُسکا ازالہ)

بیجا نہ ھوگا اگر یہاں ایک شبہ دور کردیا جاے جو اس معاملہ کي نسبت ھوا ھے اور ھوسکتا ھے - حافظ ابن حجر لکھتے ھیں " استدل بعض المتاخرین لکونھما لم یشھدا بدرا بما وقع في قصۃ حاطب' و ان النبي صلعم لم یھجرہ و لا عاقبہ مع کونہ جسس علیہ بل قال لعمر لما ھم بقتلہ : لعل اللہ اطلع علي اھل بدر فقال اعملو ما شئتم فقد غفرت لکم : قال - و این ذنب التخلف من ذنب التجسس ؟ " یعني بعض متاخرین نے اس سے انکار کیا ھے کہ مرارہ بن ربیع اور ھلال بن امیہ شہداء بدر میں سے تھے - کیونکہ اگر ایسا ھوتا تو انکو یہ سزا نہ دي جاتي - حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش مکہ سے خط و کتابت کي اور وہ جرم بڑا ھی سخت جرم تھا - یعني جاسوسي کا تھا - اسپر بھي بوجہ بدري ھونے کے آنحضرۃ نے معاف کردیا اور لوگوں کو انکے ساتھہ ترک تعلق کا حکم نہیں دیا - کعب اور اُنکے ساتھیوں کا اس سے بڑھکر تو قصور نہ تھا ؟ پھر اتني بڑي سخت سزا انکو کیوں دي گئي ؟ پس اس سے ثابت ھوتا ھے کہ حاطب کي معافی اُنکے بدري ھونے کي وجہ سے تھی ' اور یہ لوگ اسلیے ماخوذ ھوے کہ بدری نہ تھے - انتھی -

پھر حافظ موصوف نے اسکا جواب دیا ھے کہ یہ لوگ ضرور بدری تھے - حاطب کو اسلیے کوئي سزا نہیں دي گئي کہ اُنھوں نے اپنے اھل و عیال کي حفاظت کا عذر پیش کیا تھا - لیکن ان لوگوں کے پاس کوئي عذر نہ تھا - پھر آگے چلکر سہیلي کا جواب نقل کیا ھے کہ ان لوگوں کو سخت

سزا اسلیے دی گئي کہ انصار میں سے تھے اور انصار نے آنحضرت کي حمایت کا خاص طور پر وعدہ کیا تھا - اُنپر دوسروں سے کہیں زیادہ معیت و نصرت فرض تھي - اسمیں کرتا هي هوئي تو مستحق تعزیر هوے -

هم کو افسوس کے ساتھہ کہنا پڑتا ھے کہ یہ شبہ جسقدر تعجب انگیز ھے' اس سے کہیں زیادہ ان اکابرو اعلام کے جوابات و تعلیلات تعجب انگیز هیں - سخت حیراني هوتي ھے کہ ایک نہایت صاف و واضح معاملہ کي نسبت کیوں اسقدر غیر ضروری کا وشین کي گئیں ' اور کیوں اصلي علت سامنے نہ آگئي ؟

حضرت هلال اور مراره کا بدري هونا مسلم ھے - بخاري کي روایت میں خود حضرة کعب کہتے هیں " رجلین صالحین قد شهدا بدرا " اور حاطب بن ابي بلتعہ کے واقعہ او ر اس معاملہ میں کسي طرح کي منافات نہیں ھے - دونوں معاملے اپني اپني جگہ ٹھیک هیں - اس واقعہ پر جن لوگوں کو تعجب هوا ' انھوں نے حکم دفاع کي اهمیت پر نظر نہ ڈالي - اگر اسپر غور کرلیتے تو یہ شبہ پیدا هي نہ هوتا - نہ ان کمزور توجیهوں کي ضرورت پیش آتي -

ایک صورت عام طور پر حفظ ملک و نصرت قوم کي ھے - اور ایک صورت خاص دشمن کے حملۂ و هجوم کی ھے - پہلي حالت میں اگر جنگي احکام کي تعمیل میں سستي و کاهلي هو ' تو اُس درجہ سنگین نہیں هوتي جسقدر دوسري حالت میں - پہلي حالت اندرونی امن کي ھے - دوسري بیروني حملہ ؤ جنگ کي - جنگ و دفاع کي حالت میں ایک ذرا سي سستي اور کاهلي بھي اتنا بڑا جرم هوتي ھے کہ اسکي پاداش میں موت کي سزا کو بھي سخت نہیں کہا جاسکتا -

اسي بنا پر شریعت نے ایک حالت تہیۂ جہاد و رباط خیل و استعداد کار کي قرار دي ھے - دوسري حالت " دفاع " اور نفیر کي بتلائی - جب کسي دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کردیا هو اور مسلم و غیر مسلم جنگ کي حالت پیدا هوگئي هو ' تو وہ حالت دفاع کی ھے -

حاطب بن ابي بلتعہ کا واقعہ یہ ھے کہ مدینہ میں امن تھا - قریش یا کسی دوسرے دشمن کی طرف سے اُسوقت حملہ کا خوف نہ تھا - خود مسلمان مکہ پر حملہ کرنے والے تھے - کیونکہ قریش نے اپنا عہد و میثاق توڑ دیا تھا -

لیکن حضرت کعب بن مالک کا معاملہ دوسرا تھا - اُنہوں نے اسوقت اداء فرض میں سستی کی جب دشمن کے حملۂ و ہجوم کا اعلان ہوچکا تھا اور چالیس ہزار رومیوں کے اجتماع کی خبریں آچکی تھیں - وہ حملہ کا وقت نہ تھا - دفاع کا تھا - امام نے حکم دیدیا تھا ' اور نفیر عام کی صورت پیدا ہوگئی تھی - اُسوقت اداء فرض میں غفلت کرنا ایسا سنگین جرم ہے کہ کسی طرح معاف نہیں کیا جاسکتا - پس ضروری تھا کہ عبرت کیلیے کوئی سخت طرز عمل اختیار کیا جاتا ' تا کہ آیندہ ایسی غفلتوں کی کسی کو جرأت نہ ہو -

تعجب ہے کہ حافظ ابن قیم کو بھی ہدی میں یہی شبہ لاحق ہوا اور اسی لیے اُنہوں نے ہلال اور مرارہ کے بدری ہونے سے انکار کردیا ہے - والغلط لا یعصمہ الانسان -

فصل

(گورنمنٹ کے لیے اصلی سوال)

گورنمنٹ صرف اپنے فوائد و اغراض ہی سامنے رکھکر غور کرلے کہ ہندوستان کے کروروں انسانوں کو جو دنیا اور زندگی کی ساری چیزوں سے زیادہ اپنے مذہب کو محبوب رکھتے ہیں ' ایک ایسی اٹل اور لا علاج کشمکش میں ڈالدینا بہتر ہوگا جس میں ایک طرف انکے مذہبی احکام ہیں ' دوسری طرف برٹش گورنمنٹ ؟ اور دونوں باتیں اس طرح آپس میں لڑگئی ہیں کہ کسی طرح بھی جمع نہیں ہو سکتیں ؟

اگر انسان کے ہاتھہ اشارے کرکے طوفانوں اور بجلیوں کو بلا سکتے ہیں ' تو یقیناً برٹش گورنمنٹ اِسوقت اُس آدمی کی طرح سمندر کے کنارے کھڑی ہے جو اپنا ہاتھہ ہلا ہلا کر طوفانوں کو دعوت دے رہا ہو -

فی الحقیقت یہ نہ تو کوئی اُلجھاؤ ہے نہ کوئی مشکل مسئلہ - بالکل صاف اور سیدھی سی بات ہے - بشرطیکہ حاکمانہ غرور اور طاقت کا نشہ چند لمحوں کے لیے عقل و انصاف کو کام کرنے دے -

مسلمانوں کا مطالبہ شرعی احکام کا مطالبہ ہے - اسلام کے احکام کوئی راز نہیں ہیں جن تک گورنمنٹ کی رسائی نہو - چھپی ہوئی کتابوں میں

مرتب هیں اور مدرسوں کے اندر شب و روز زیر درس و تدریس رهتے هیں - پس گورنمنت کو چاهیے که صرف اس بات کي جانچ کرلے که واقعي اسلام کے شرعي احکام ایسے هي هیں یا نهیں ؟

اگر ثابت هوجاے که ایسا هی هے' تو پهر صرف دو هي راهیں گورنمنت کے سامنے هوني چاهئیں :

یا مسلمانوں کیلیے اُنکے مذهب کو چهوڑدے اور کوئي بات ایسی نه کرے جس سے انکے مذهب میں مداخلت هو اور وہ اپنے مذهبي احکام کی بنا پر برٹش گورنمنت کے خلاف هوجانے پر مجبور هو جائیں -

یا پهر اعلان کردے که اس کو مسلمانوں کے مذهبی احکام کي کوئي پروا نهیں هے - نه اس پالیسي پر قائم هے که ان کے مذهب میں مداخلت نهوگي - اس کو صرف زیادہ سے زیادہ زمیں چاهیے ' زیادہ سے زیادہ حکومت چاهیے ' موصل کے تیل کے چشمے چاهئیں ' عراق کي زرخیز زمین کي دولت چاهیے ' اور اسلامي خلافت کا خاتمہ ' تاکه دنیا میں اس کا کوئی اسلامي حریف باقی نه رهے - اگر ایسا کرنے کي وجه سے مسلمانوں کے مذهبي احکام متصادم هوتے هیں' تو هوں - اگر انپر طرح طرح کے اشد فرائض عائد هوجاتے هیں ' تو هوا کریں - اُنکو هر حال میں برٹش گورنمنت کا وفادار غلام بنا رهنا چاهیے ' اگرچه اسکی خاطر اپنے مذهب سے بهی دست بردار هو جانا پڑے -

اسکے بعد مسلمانوں کیلیے بهي نهایت آسان هوجائگا که اپنا وقت بے سود شور و فغاں میں ضائع نه کریں ' اور برٹش گورنمنت اور اسلام ' اِن دونوں میں سے کوئي ایک بات اپنے لیے پسند کرلیں -

باب

(نظام عمل)

فصل

(مسلمانان هند اور نظام جماعت)

لیکن همارے لیے اصلی سوال اب یہ نہیں رها هے که گورنمنٹ کو کیا کرنا تها ؟ صرف یہ هے که همیں کیا کرنا چاهیے ؟

اس بارے میں مسلمانوں کیلیے راہ عمل همیشه سے ایک هی رهی هے ' اور همیشه کی طرح اب بهی ایک هی هے - یعنی هندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اُس معصیت سے باز آجائیں جسمیں ایک عرصه سے مبتلا هیں ' اور جسکی وجه سے فوز و فلاح کے تمام دروازے انپر بند هوگئے هیں -

" جماعتی زندگی کی معصیت " سے مقصود یہ هے که ان میں ایک " جماعت " بنکر رهنے کا شرعی نظام مفقود هوگیا هے - وہ بالکل اُس گلے کی طرح هیں جسکا انبوہ جنگل کی جهاڑیوں میں منتشر هوکر گم هوگیا هو - وہ بسا اوقات یکجا اکٹهے هوکر اپنی جماعتی قوت کی نمایش کرنی چاهتے هیں - کمیٹیاں بناتے هیں - کانفرنسیں منعقد کرتے هیں - لیکن یہ تمام اجتماعی نمائشیں شریعت کی نظروں میں " بهیڑ " اور " انبوہ " کا حکم رکهتی هیں - " جماعت " کا حکم نہیں رکهتیں - " بهیڑ " اور جماعت " میں فرق هے - پہلی چیز بازاروں میں نظر آجاتی هے جب کوئی تماشه هورها هو - دوسری چیز جمعه کے دن مسجدوں میں دیکهی جا سکتی هے جب هزاروں انسانوں کی منظم و مرتب صفیں ایک مقصد ' ایک جہت ' ایک حالت ' اور ایک هی کے پیچهے مجتمع هوتی هیں -

شریعت نے مسلمانوں کیلیے جہاں انفرادی زندگی کے اعمال مقرر کردیے هیں ' وهاں اُنکے لیے ایک اجتماعی نظام بهی قرار دیدیا هے - وہ کہتی هے که زندگی اجتماع کا نام هے - افراد و اشخاص کوئی شے نہیں - جب

کوئي قوم اس نظام کو ترک کردیتي ہے تو گو اسکے افراد فرداً فرداً کتنے ہي شخصی اعمال و طاعات میں سرگرم ہوں ' لیکن یہ سرگرمیاں اس بارے میں کچھہ سود مند نہیں ہوسکتیں ' اور قوم جماعتي معصیت میں مبتلا ہوجاتي ہے -

قرآن و سنۃ نے بتلایا ہے کہ شخصي زندگي کے معاصي کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کردیتے - اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے - لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعني نظام جماعتی کا نہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے جو فوراً بربادي کا پھل لاتا ہے اور پوري قوم کي قوم تباہ ہوجاتی ہے -

شخصی اعمال کي اصلاح و درستگي بھي نظام اجتماعی کے قیام پر موقوف ہے - مسلمانان ہند جماعتي زندگی کي معصیت میں مبتلا ہیں - اور جب جماعتي معصیت سب پر چھا گئي ہے تو افراد کی اصلاح کیونکر ہوسکتی ہے ؟

کتاب و سنۃ نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے ہیں :

تمام لوگ کسي ایک صاحب علم و عمل مسلمان پر جمع ہوجائیں ' اور وہ اُنکا امام ہو -

وہ جو کچھہ تعلیم دے ' ایمان و صداقت کے ساتھہ قبول کریں -

قرآن و سنت کے ماتحت اسکے جو کچھہ احکام ہوں ' اُنکی بلا چون و چرا تعمیل و اطاعت کریں -

سب کی زبانیں گونگی ہوں - صرف اسی کی زبان گویا ہو - سب کے دماغ بیکار ہوجائیں - صرف اُسي کا دماغ کار فرما ہو - لوگوں کے پاس نہ زبان ہو نہ دماغ - صرف دل ہو جو قبول کرے ' صرف ہاتھہ پاؤں ہوں جو عمل کریں !

اگر ایسا نہیں ہے ' تو ایک بھیڑ ہے ' ایک انبوہ ہے ' جانوروں کا ایک جنگـــل ہے ' کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے ' مگر نہ تو " جماعت " ہے نہ " امت " - نہ " قوم " نہ " اجتماع " - اینٹیں ہیں مگر دیوار نہیں - کنکر ہیں مگر پہاڑ نہیں - قطرے ہیں مگر دریا نہیں - کڑیاں ہیں جو ٹکرے ٹکرے کردي جاسکتي ہیں ' مگر زنجیر نہیں ہے جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کرلے سکتي ہے -

کسی گذشتہ فصل میں بہ ضمن شرح حدیث حارث اشعری "جماعت" کی حقیقت پر بحث کی گئی ہے - اس موقعہ پر وہ پیش نظر رہے -

یہ وقت فصل کاٹنے کا تھا ' نہ کہ دانہ ڈالنے کا - لیکن مسلمانوں نے اپنی جد و جہد کی تمام گذشتہ زندگی گم‌گشتگی و بے حاصلی میں ضائع کردی - حتیٰ کہ سچ مچ وہ وقت آ گیا جسکی تباہیوں کا تخیل پیدا کرکے کبھی ڈرانے والے ڈرایا کرتے تھے : فقد جاء اشراطها - فانی لهم اذ جاءتهم ذکراهم ؟ (۴۷ : ۲۱) اب بھی اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور غم ہونا چاہیے تو اسی کا - سچے کام کے کرنے میں کتنی ہی دیر ہو جاے ' مگر جب کبھی کیا جاے ' سچائی ہے - اسکے لیے نہ تو کوئی وقت ناموافق ہے نہ کوئی جگہ مخالف - اسکے کرنے میں جسقدر دیر کی جائیگی ' معصیت اور ہلاکی ہے - لیکن جب کبھی کردیا جاے ' سچائی اور نیکی ہے ' اور اُسکا ثمرہ زندگی اور کامرانی -

تمہاری سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ خاص خاص وقتوں میں خاص خاص کاموں کا نام سن پاتے ہو ' اور پھر چیخنے چلانے لگتے ہو ' اور جسطرح ارنگھتا ہوا آدمی ایک مرتبہ چونک اُٹھتا ہے ' یکایک اعتقاد اور عمل ' دونوں تمہیں یاد آ جاتے ہیں - حالانکہ نہ تو خاص خاص وقتوں ہی میں تمہاری مصیبت وجود میں آتی ہے - نہ کامیابی کی راہ کسی خاص کام کے پڑ جانے پر موقوف ہے - تمہاری مصیبت دائمی ' تمہارا ماتم ہمیشگی کا ' تمہارا رگ رگ تمہاری ہڈیوں کے اندر سمایا ہوا ' اور تمہاری نحوست چوبیس گھنٹے تمہاری ساتھی ہے - اور ٹھیک اُسی کی طرح تمہاری کامیابی و خوشحالی بھی ہر وقت تمہارے سایے کے ساتھ ساتھ دوڑ رہی ہے - اور ہر آن و ہر لمحہ تمہارے وجود کے اندر سمائی ہوئی ہے -

تم وقت پر سامنے آجانے والی چیزوں کے غم میں کیوں گھلے جاتے ہو ؟ اپنا ہمیشہ کا معاملہ ایک مرتبہ درست کیوں نہیں کر لیتے ؟ جبتک دل و جگر کا علاج نہوگا ' روز نئے نئے روگ لگتے رہینگے - خلافت کا مسئلہ کل سے سامنے آیا ہے ' مگر تمہاری بربادی کا مسئلہ کل ہی سے نہیں شروع ہوا - پس تمہارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ہو سکتی - ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلیے صرف یہی ہے کہ " ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہیے ' اور قوم و فرد ' دونوں اعتباروں سے ٹھیک ٹھیک

اسلامی زندگی اختیار کرلینی چاهیے " اس ایک کام کے انجام پانے پر سارے کام خود بخود انجام پا جائینگے - سوال حکومتوں کے نکل جانے کا نہیں ہے - ایمان کی گم گشتگی اور محرومی کا ہے :

درازی شب و بیداری من این همه نیست
ز بخت من خبر آرید تا کجا خفتست !

اسی مسئلۂ خلافت کو دیکھو ! شرعی اور سیاسی ' دونوں پہلوؤں سے کسقدر اہم اور نازک معاملہ ہے ؟ اگر آج مسلمانوں میں اُنکے ائمہ و مشاهیر موجود هوتے' تو اُنمیں سے بھی هر شخص زبان نہ کھولتا - کسی ایک صاحب نظر و عمل کے احکام پر سب کاربند هو جاتے - لیکن اسکے مقابلہ میں آج تمھارا حال کیا هو رها ہے ؟ کمیتیوں اور تجویزوں کی عادت برسوں سے پڑی هوئی ہے - اُسی قینچی سے اس پہاڑ کو بھی کترنا چاهتے هو - هر زبان تجویزیں پیش کر رهی ہے - هر قلم امام و مجتہد کی طرح احکام نافذ کر رها ہے - کوئی کچھہ کہتا ہے - کوئی کچھہ کہتا ہے - کوئی دھنے بلاتا ہے - کوئی بائیں - کیا اس طوائف الملوکی اور ذهنی انارکی کے ساتھہ جو عالم فکر و نظر کا ایک پورا پورا غدر ہے ' یہ مہم سر هوسکتی ہے ؟

شرعی پہلو سے مسئلہ کا یہ حال کہ ایک صاحب نظر و اجتہاد دماغ کی ضرورت ہے جسکا قلب کتاب و سنۃ کے معارف و غوامض سے معمور هو - وہ اصول شرعیہ کو مسلمانان هند کی موجودہ حالت پر' انکے توطن هند کی حدیث العہد نوعیت پر' ایک ایک لمحہ کے اندر متغیر هوجانے والے حوادث جنگ و صلح پر' ٹھیک ٹھیک منطبق کرے ' اور پھر تمام مصالح و مقاصد شرعیۂ و ملیہ کے تحفظ و توازن کے بعد فتویٔ شرع صادر کرتا رہے - نہ هر عالم اسکا اهل ہے - نہ هر مدرسہ نشین اس کا اسرار شناس -

سیاسی پہلو سے دیکھا جاے تو جو کام فوجوں اور حکومتوں کی طاقت سے انجام پا سکتا ہے ' اسکو تم صرف اپنی جماعتی قوت کے استعمال سے حاصل کرنا چاهتے هو - پھر کسقدر نامرادی ہے کہ وہ قوت بھی ناپید ؟

بلاشبہ لوگوں میں احساس اور طلب کی کمی نہیں - نہ جوش و سرگرمی کی کمی ہے' اور یہ بڑی هی قیمتی چیز ہے - لیکن اگر صحیح راہ عمل اختیار نہ کی گئی تو یہی بات سب سے زیادہ مضر بھی هو جاسکتی ہے - جذبات کی مثال استیم کی سی ہے - بغیر استیم کے کچھہ نہیں هوسکتا ' لیکن وہ بھی بغیر مشین اور سائق (ڈرایور) کے کچھہ نہیں کرسکتی - مشین اسکی

طاقت کو ترتیب دیتي اور ڈرایور اس سے کام لیتا ھے - اگر یہ دونوں باتیں نہیں ھیں ' تو اس سے زیادہ کوئي خطرناک اور مہلک چیز بھي نہیں ھوسکتي - کاش وہ نہ ھوتي - وہ ٹرین کو منزل مقصود پر پہنچاتي ھے ' مگر انجنوں کو ٹکرا کر ھزاروں انسانوں کو ھلاک بھي کردیتي ھے !

" جذبات " اُسي وقت کام دے سکتے ھیں ' جب اُنکو مرتب کرنے اور اُنپر حکم و قضاء کیلیے " ادراک " اور " دماغ " بھي موجود ھو - و ذلك من عمل النبوة ' و لكن لا يعقلها الا العالمون -

بہر حال اسوقت ' اور ھمیشہ سے ' اور ھمیشہ کیلیے ' " راہ عمل " یہي ھے کہ مسلمان سب سے پہلے اسلام کي جماعتي زندگي اختیار کرلیں - اسي پر مسئلۂ خلافت اسلامي کے بھي تمام مہمات و اعمال موقوف ھیں -

تمام مسلمانوں کو اُن ھمدردان ملت کا شکر گزار ھونا چاھیے جنھوں نے آل انڈیا خلافت کمیٹي کي بنیاد ڈالي اور تمام ملک میں اسکي شاخوں کے قیام کا سروسامان کیا - لیکن خلافت کمیٹي کا نظام مسلمانوں کو نظـــام جماعتي و شرعي کے قیام سے مستغنی نہیں کردے سکتا - خلافت کمیٹي روپیہ جمع کریگي - ایجي ٹیشن جاری رکھیگي - تبلیغ و اشاعت کریگي - لیکن نہ تو وہ قوم کو سنبھال سکتي ھے ' نہ کمیٹیوں سے " جماعت " پیدا ھوسکتي ھے ' نہ شرعي نظام کي قائم مقامي ھوسکتي ھے - وہ خود احکام شرعیہ کے علم کیلیے ' اپنے قیام و تکمیل کیلیے ' دفع تفرقۂ و انتشار کیلیے ' اور روح اجتماع و قوام کے نفوذ کیلیے ایک بالاتر قوت حاکمۂ و نافذہ کي محتاج ھے - اور اگر وہ قوت نہیں ھے تو پھر اسکي ھستی بھی قائم نہیں رھسکتی -

نظام شرعي یہ نہیں ھے کہ ھر شخص فرداً فرداً سوچتا رھے کہ مسئلۂ خلافت کیلیے کیا کرنا چاھیے ؟ اور اخباروں میں آرٹیکل لکھے جائیں کہ عملي راہ کیا ھونی چاھیے ؟ اور نہ ھر شخص یا چند آدمیوں کي گڑھي ھوئي کمیٹي کو یہ حق ھے کہ لوگوں کو کسي خاص راہ کي طرف دعوت دینا شروع کردے - یہ کام صرف ایک صاحب نظر و اجتہاد کا ھے جسکو قوم نے بالاتفاق تسلیم کرلیا ھو - وہ وقت اور حالت پر اصول و احکام شریعت کو منطبق کریگا - ایک ایک جزئیۂ حوادث و واقعات پر پوری کار دانی و نکتہ شناسی کے ساتھہ نظر ڈالیگا ' اُمت و شرع کے اصولي مصالح و مقاصد اسکے سامنے ھونگے - کسي ایک گوشے ھي میں ایسا مستغرق نہوجائیگا کہ باقي تمام گوشوں سے بے پروا ھوجاے :

حفظت شيئاً و غابت عنك اشياء !

سب سے بڑھکر یہ کہ اعمال مہمۂ اُمت کی راہ میں منہاج نبوت پر اسکا قدم استوار ہوگا ' اور ان ساری باتوں کے علم و بصیرۃ کے بعد ہر وقت ' ہر تغیر ' ہر حالت ' ہر جماعت کے لیے احکام شرعیہ کا استنباط کرسکے گا -

فصل

زبان ز نکتہ فرو ماند و راز من باقیست !
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست !

عزیزان ملت ! اس طول طویل صحبت میں جو کچھہ بیان کیا گیا ' اُس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو میری زبان پر نئی ہو- یہ تمام وہی افسانۂ کہن ہے جو پچھلے دس سالوں سے برابر دھراتا رہا ہوں ' اور اگر " الہلال " و " البلاغ " کی پیہم صدائیں تمہارے حافظہ میں فراموش نہیں ہوگئی ہیں ' تو تم اُسکی تصدیق کروگے - تمہارے رہبروں اور پیشواؤں کی رائیں اور صدائیں کتنی ہی مضطرب و متزلزل رہی ہوں ' لیکن میری طرف دیکھو ! میں ایک انسان تم میں موجود ہوں جو دس سال سے صرف ایک ہی صدائے دعوۃ بلند کر رہا ' اور صرف ایک ہی بات کی جانب تڑپ تڑپ کر بلا رہا اور لوٹ لوٹ کر پکار رہا ہوں - و لکن لا تحبون الناصحین (۷ : ۲۸) افسوس ! کہ تم حقیقی اور سچی بات کہنے والوں کو پسند نہیں کرتے - تم نمائش کے پجاری ' شور و ہنگامہ کے بندے ' اور وقتی جذبات و انفجار ہیجان کی مخلوق ہو - تم میں نہ امتیاز ہے نہ نظر- نہ تم جانتے ہو نہ پہچانتے ہو - تم جس قدر تیز دوڑ کر آتے ہو ' اُتنی ہی تیزی کے ساتھہ فرار بھی کر جاتے ہو - تمہاری اطاعت جس قدر سہل ہے اور تمہاری ارادت جتنی سستی ' اُتنا ہی تمہارا انحراف آسان ہے ' اور اُسی نسبت سے تمہاری مخالفت بھی ارزان ہے - پس نہ تو تمہاری تحسین کی کوئی قیمت ' نہ تمہاری توہین کا کوئی وزن - نہ تمہارے پاس دماغ ہے نہ دل - وساوس ہیں جنکو تم افکار سمجھتے ہو ' خطرات ہیں جنکو تم عزائم کہتے ہو - خدا را بتلاؤ ! میں تمہارے ساتھہ کیا کروں ؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آج جن باتوں کے لیے تم رو رہے ہو ' یہ وہی باتیں ہیں جو ایک زمانے میں میری زبان سے فریاد کا اضطراب اور طلب

کی چیخ بنکر نکلتی تھیں ' مگر تمہارے سینے کے اندر پتھر کا ایک ٹکڑہ ہے اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آجاتی تھیں ؟ اور تم یکقلم انکار و اعراض میں غرق تھے ؟

تم نے ہمیشہ اعراض کیا - تم نے اعـــراض ہی نہیں کیا ' بلکـــہ

جعلوا اصابعهم فی آذانهم ' و استغشوا ثیابهم ' و اصروا ' و استکبروا استکبارا [۷۱ : ۷] کی ساری سنتیں غفلت و انکار کی تازہ کردیں - میں نے تم میں سے ہر گروہ کو ٹٹولا - میں نے دلوں اور روحوں کا ایک ایک گوشہ چھان مارا - جب کبھی کوئی بھیڑ دیکھی ' فریاد کی - جب کبھی انسانوں کو دیکھا اپنی طرف بلایا - لیکن فلم یزد هم دعائی الا فـــرارا (۷۱ : ۶) بہت کم روحیں ایسی نکلیں جنکو حقیقت کا فہم ہو ' اور بہت کم دل ایسے ملے جو طلب و عشق سے معمور ہوں - یہانتک کہ میں تمہاری آبادیوں سے الگ ہوکر رانچی کے گوشۂ قید و بند میں چلا گیا ' اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں بھی میری صبحیں اور میری شامیں کن فکروں اور کاموں میں بسر ہوتی رہیں - اب میں پھر تم میں واپس آ گیا ہوں - لیکن تمہاری بھیڑوں اور غولوں میں سچی جستجو کا چہرہ اُسی طرح مفقود ہے ' جیسا کہ ہمیشہ سے مفقود رہا ہے - ابتـک حقیقت شناسی کی کوئی گیرائی تم میں نظر نہیں آتی - تم مجھے بلاتے ہو کہ استقبال سے بھرے ہوے ریلوے اسٹیشنوں پر اُتارو ' اور ایسے پر جوش انسانوں کے نعرے سناؤ جنکے ہاتھوں میں فتح مند فوجوں کی طرح جھنڈیاں ہوں ' اور پھر اتنے انسان میری گاڑی کے چاروں طرف اکٹھے کردو کہ اُنکے ہجوم میں دو چار آدمیوں کا خون ہو جاے ' مگر آہ ! میں تمہاری ان بھیڑوں کو لیکر کیا کروں جب تمہارے دلوں میں سناٹا چھایا ہوا ہے ' اور تمہارے اس جوش استقبال سے مجھے کیا خوشی ہو جب تمہاری روحیں موت کی افسردگی سے مرجھائی ہوئی ہیں - افسوس ! تم میں کوئی نہیں جو میری زبان سمجھتا ہو - تم میں کوئی نہیں جو میرا شناسا ہو - میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تمہارے اس پورے ملک میں میں ایک بے یار و آشنا غریب الوطن ہوں :

مـــن بہر جمعیتے نالان شـدم * جفت خوشحالان و بد حالاں شدم
ہر کسے از ظن خـود شـــد یار من * وز درون من نہ جست اسرار من
سر من از نالۂ مـــن دور نیست * لیک کس را گوش آن منظور نیست

میری رایوں میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی ' نہ میرے سفر میں کبھی یمین و یسار کا تذبذب پیش آیا ہے - تبدیلیاں فکروں میں ہوسکتی ہیں '

قیاسوں میں ہوسکتي ہیں ' پولیٹکل حکمت عملیوں میں ہوسکتی ہیں ' انسانی تقلید اُسکا سرچشمہ ہے ' اور انسانوں اور قوموں کا اتباع اسکا منبع' لیکن اُن عقائد میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی جو وحی و تنزیل کی اٹل اور دائمی ہدایتوں سے ماخوذ ہوں - الحمد للہ کہ میں جو کچھہ کہتا اور کرتا رہا ' وہ میرے عقائد و معلومات تھے ' تمہارے بڑوں کی طرح آراء و مظنونات نہ تھے - و ان الظن لا یغني من الحق شیئا (۵۳ : ۳) اُسوقت تم میں سے اکثروں نے اعراض کیا ' بہتوں نے استہزاء کیا ' کتنوں ہي نے کہدیا کہ یہ تو ایک طرح کي مذہبی بدعت اور ما فوق الفطرۃ دعوؤں کا اعلان ہے : یرید ان یتفضل علینا - بعضوں نے تو فیصلہ ہي کردیا کہ یہ صرف فصاحت و بلاغت کی ساحري اور ایک طرح کي ادیبانہ افسونگري ہے : اکتتبها فهي تملی علیه بکرۃ و اصیلا (۲۵ : ۷) لیکن دیکھو! بالاخر رفتہ رفتہ سب نے اپني جگھیں چھوڑ دیں - سب اُسي راہ پر چل پڑے - بہتوں نے دانستہ ' اور بہتوں نے نادانستہ ' مگر راہ سب نے وهي اختیار کی - آج تم سب اُسي " ما فوق الفطرۃ دعوؤں " اور " ساحرانہ فصاحت طرازیوں" کو اپنا اصل الاصول بنائے ہوے ہو ' اور " قیام شریعت " اور " تقدیم و اتباع شریعت " اور " حفظ و دفاع ملت " کے ناموں سے موسوم کرتے ہو -

پس جبکہ یہ پہلا تجربۂ و مشاہدہ تمہارے سامنے ہے ' تو آج میں اعلان کرتا ہوں کہ دوسرے تجربہ کا وقت آگیا - راہ عمل کیلیے تمہارا رخ وہ ہے جسکي طرف تم درز رہے ہو - اور میري راہ وہ ہے جسکي طرف پچھلے صفحوں میں بلا چکا ہوں - تم بارش کے وجود سے انکار تو نہیں کرتے ' مگر منتظر رہتے ہو کہ پاني برسنے لگ جاے تو اقرار کریں ' لیکن میں ہواؤں میں پاني کي بو سونگھہ لینے کا عادي ہوں' اور صرف بادلوں ہي کو دیکھہ لینا میرے علم کیلیے کافي ہوتا ہے - پس اگر پچھلا تجربہ بس کرتا ہے تو اس سے عبرت پکڑ ' اور اگر ابھی اور انتظار کرنا چاہتے ہو تو انتظار کر دیکھو : فستذکرون ما اقول لکم' و افوض امري الی اللہ - ان اللہ بصیر بالعباد (۴۰ : ۴۷)

جدول سنين خلافة اسلاميه

عدد	خلفاء	سنه هجري	سنه مسيحي
١	ابوبكر الصدّيق (رض)	١١	٦٣٢
٢	عمر بن الخطاب (رض)	١٣	٦٣٤
٣	عثمان بن عفان (رض)	٢٣	٦٤٤
٤	علي بن ابي طالب (رض)	٣٥	٦٥٢
	سلسلهٔ بنو اميه		
٥	معاويه بن ابي سفيان	٤١	٦٦١
٦	يزيد بن معاويه	٦٠	٦٨٠
٧	معاويه بن يزيد	٦٤	٦٨٣
٨	مروان بن الحكم	٦٤	٦٨٣
٩	عبد الملك بن مروان	٦٥	٦٨٤
١٠	الوليد بن عبد الملك	٨٦	٧٠٥
١١	سليمان بن عبد الملك	٩٦	٧١٤
١٢	عمر بن عبد العزيز	٩٩	٧١٧
١٣	يزيد بن عبد الملك	١٠١	٧١٩
١٤	هشام بن عبد الملك	١٠٥	٧٢٣
١٥	الوليد بن يزيد بن عبد الملك	١٢٥	٧٤٢
١٦	يزيد بن الوليد	١٢٦	٧٤٣
١٧	ابراهيم بن الوليد	١٢٦	٧٤٣
١٨	مروان بن محمد بن مروان	١٢٧	٧٤٤
	سلسلهٔ عباسيه		
١٩	ابو العباس سفاح	١٣٢	٧٤٩
٢٠	ابو جعفر منصور	١٣٧	٧٥٤

٢١	المهدي بن منصور	١٥٨	٧٧٤
٢٢	الهادي بن المهدي	١٦٩	٧٨٥
٢٣	هارون الرشيد بن المهدي	١٧٠	٧٨٦
٢٤	محمد الامين بن هارون	١٩٣	٨٠٨
٢٥	المامون بن هارون	١٩٨	٨١٣
٦٦	المعتصم بن هارون	٢١٨	٨٣٣
٢٧	الواثق بن المعتصم	٢٢٧	٨٤٢
٢٨	المتوكل علي الله بن المعتصم	٢٣٢	٨٤٧
٢٩	المستنصر بالله بن المتوكل	٢٤٧	٨٦١
٣٠	المستعين بالله بن المعتصم	٢٤٨	٨٦٢
٣١	المعتز بالله بن المتوكل	٢٥٢	٨٦٦
٣٢	المهتدي بالله بن الواثق	٢٥٥	٨٦٩
٣٣	المعتمد بالله بن المتوكل	٦٥٢	٨٧٠
٣٤	المعتضد بالله بن الموفق	٢٧٩	٨٩٢
٣٥	المقتدر بالله بن الموفق	٢٩٥	٩٠٨
٣٦	الراضي بالله بن المقتدر	٣٢٢	٩٣٣
٣٧	المقتفى بالله بن المقتدر	٣٢٩	٩٤٠
٣٨	المستكفى بالله بن المقتفى	٣٣٣	٩٤٤
٣٩	المطيع بالله بن المقتدر	٣٤٣	٩٤٦
٤٠	الطائع لله بن المطيع	٣٦٣	٩٧٤
٤١	القادر بالله بن المقتدر	٣٨١	٩٩١
٤٢	القائم بامر الله بن القادر	٤٣٢	١٠٣١
٤٣	المقتدي بالله بن القائم	٤٦٧	١٠٧٥
٤٤	المستظهر بالله بن المقتدي	٤٨٧	١٠٩٤
٤٥	المسترشد بالله بن المستظهر	٥١٢	١١١٨
٤٦	الراشد بن المسترشد	٥٥٩	١١٣٦
٤٧	المقتفي بن المستظهر	٥٣٠	١١٣٦
٤٨	المستنجد بالله بن المقتفي	٥٥٥	١١٦٠
٤٩	المستضئ بنور الله بن المستنجد	٥٦٦	١١٨٠
٥٠	الناصر لدين الله بن المستضئ	٥٧٥	١١٨٠

٥١	الظاهر بالله بن الناصر	٦٢٢	١٢٢٥
٥٢	المستنصر بالله بن الظاهر	٦٢٣	١٢٢٣
٥٣	المستعصم بالله بن المستنصر	٦٤٠	١٢٤٣

عباسيهٔ مصـر

٥٤	المستنصر بالله	٦٥٦	١٢٥٨
٥٥	الحاكم بامر الله	٦٦١	١٢٦٢
٥٦	المستكفي با لله	٧٠١	١٣٠١
٥٧	الواثق با لله	٧٤٠	١٣٣٩
٥٨	الحاكم بامر الله	٧٤٢	١٣٤١
٥٩	المعتضد با لله	٧٥٣	١٣٥٢
٦٠	المتوكل على الله	٧٦٣	١٣٦١
٦١	الواثق بالله	٧٨٥	١٣٨٣
٦٢	المستعين با لله	٨٠٨	١٤٠١
٦٣	المعتضد با لله	٨١٥	١٤١٢
٦٤	المستكفي با لله	٨٤٠	١٤٤١
٦٥	القائم بامر الله	٨٥٤	١٤٥٠
٦٦	المستنجد با لله	٨٥٩	١٤٥٤
٦٧	المتوكل على الله	٨٨٤	١٤٧٩
٦٨	المستمسك با لله	٩٠٣	١٤٩٧
٦٩	المتوكل على الله	٩١٢	١٥٠٦

سلسلهٔ عثمانيـــه

٧٠	سليم خان اول	٩٢٣	١٥١٧
٧١	سليمان اول	٩٢٦	١٥٢٠
٧٢	سليم ثاني	٩٧٤	١٥٦٦
٧٣	مراد ثالث	٩٨٢	١٥٧٤
٧٤	محمد ثالث	١٠٠٤	١٥٩٦
٧٥	احمد اول	١٠١٢	١٦٠٤
٧٦	مصطفى اول	١٠٢٧	١٦١٨
٧٧	عثمان ثاني	١٠٢٧	١٦١٨

۷۸	مراد رابع	۱۰۳۲	۱۶۲۳
۷۹	ابراهیم اول	۱۰۴۹	۱۶۴۰
۸۰	محمد رابع	۱۰۵۳	۱۶۷۴
۸۱	سلیمان ثانی	۱۰۹۹	۱۶۸۷
۸۲	احمد ثانی	۱۱۰۲	۱۶۹۱
۸۳	مصطفی ثانی	۱۱۰۶	۱۶۹۵
۸۴	احمد ثالث	۱۱۱۵	۱۷۰۳
۸۵	محمود اول	۱۱۴۲	۱۷۳۰
۸۶	عثمان ثالث	۱۱۲۸	۱۷۵۴
۸۷	مصطفی ثالث	۱۱۷۱	۱۷۵۷
۸۸	عبد المجید اول	۱۱۸۷	۱۷۷۳
۸۹	سلیم ثالث	۱۲۰۳	۱۷۸۹
۹۰	مصطفی رابع	۱۲۲۲	۱۸۰۷
۹۱	محمود ثانی	۱۲۲۳	۱۸۰۸
۹۲	عبد المجید	۱۲۵۵	۱۸۳۹
۹۳	عبد العزیز	۱۲۷۷	۱۸۶۱
۹۴	مراد خامس	۱۲۹۳	۱۸۷۶
۹۵	عبد الحمید ثانی	۱۲۹۳	۱۸۷۶
۹۶	محمد خامس	۱۳۲۴	۱۹۰۸
۹۷	امیر المومنین السلطان محمد خان سادس - خلدالله ملکه و شوکته	۱۳۳۶	۱۹۱۸

۲

مواعید و عہود

اس کتاب میں گورنمنٹ انگلستان و ہند کے جن وعدوں اور سرکاري اعلانات کي طرف جا بجا اشارہ کیا گیا ہے ' اُن میں سے بعض حسب ذیل ہیں :

(۱) گورنمنٹ آف انڈیا کا اعلان جو ٹرکي کے شامل جنگ ہونے کے بعد ۲ - نومبر سنہ ۱۹۱۴ع کو شائع ہوا :

برطانیہ عظمیٰ اور ٹرکي میں جنگ چھڑگئي ہے - برطانیہ کو اسکا سخت افسوس ہے کہ یہ برے مشورے سے اور بلا کسي اشتعال کے اور خوب سوچ سمجھ کر دولت عثمانیہ کي طرف سے عمل میں آئی ہے - لہذا ہزیکسلنسي وایسراے ہند ہزمجسٹی کي گورنمنٹ کے حکم کے مطابق عرب کے مقامات مقدسہ کے بارے میں جن میں عراق کے متبرک مقامات اور بندرگاہ جدہ بھي شامل ہے' مندرجہ ذیل اعلان کرتے ہیں تا کہ ہزمجسٹي کي نہایت وفادار مسلم رعایا کو غلط فہمی پیدا نہو - اس جنگ میں مذہبي جنگ کا کوئي سوال ھی نہیں ہے -

ان مقامات مقدسہ اور بندرگاہ جدہ پر برطانی بري و بحري طاقتوں سے کبھي حملہ نہ ہوگا' نہ ان کو ستایا جائیگا جب تک کہ حجاج و زائرین ہند سے جو ان مقامات مقدسہ میں جائیں ' کوئي چھیڑ نہ کي جاے - ہزمجسٹی کي گورنمنٹ کی استدعا پر گورنمنٹ فرانس و روس نے بھي اسي طرح کا یقین دلایا ہے -

(۲) ۵ - جنوري سنه ۱۸ ۱۹ - کو مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے اپني مشہور تقریر میں کہا :

" ہم اسلیے جنگ نہیں کر رہے ہیں کہ ترکی کو اس کے دارالخلافۃ سے محروم کردیں - یا ایشیاے کوچک اور تھریس کے زرخیز و شہرۂ آفاق علاقے لے لیں جن میں ترکي النسل آبادي کا جزء غالب ہے -

ہم اس بات کے بھی مخالف نہیں کہ جن علاقوں میں ترکي نژاد آبادي ہے ' وہاں ترکوں کی سلطنت قایم رہے ' یا قسطنطنیہ اس کا پایہ حکومت ہو - البتہ بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے درمیانی راستہ کو بین الاقوامی ضبط و نگراني میں لانے کے بعد ہماری راے میں عرب ' آرمینیا ' عراق ' شام ' اور فلسطین اپنی اپنی جداگانہ قومي حکومتوں کے مستحق ہیں "

وزیر اعظم نے یہ جو کچھہ کہا تھا ؟ کیا محض انکی ذاتی راے تھي جسکی ذمہ داری صرف اُنپر عائد ہوتي ہے ' یا برطانیہ کا سرکاری اعلان تھا ؟ اور اگر سرکاري اعلان تھا تو صرف وزارت اور اُسکي گورنمنٹ کا تھا ' یا تمام برٹش قوم اور امپائر کا ؟ اسکا جواب اُس تمہید سے ملتا ہے جو اس تقریر کے ابتدا میں موجود ہے :

" اس تمام بحث و گفتگو کے بعد جو قلمرو کے مختلف الخیال اور مختلف الراے طبقوں کے نمایندوں کے ساتھہ ہوئي ہے ' میں خوشی سے اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ آج میں جو کلمات کہونگا ' اُنکے لیے گو تنہا حکومت ہي ذمہ دار ہوگی ' مگر ہمارے جنگی مقاصد ' شرائط صلح کي نوعیت ' اور اُسکي غرض و غایت کے متعلق میرے جو بیانات آپ سے اور آپکي معـــرفت تمام دنیا سے ہونگے ' اُنسے تمام قوم متحد و متفق ہے - میں دلیري کے ساتھہ اس بات کا دعوی کرسکتا ہوں کہ میں صرف گورنمنٹ کے ما في الضمیر ہی کي نہیں بلکہ تمام قوم اور تمام قلمرو کي بحیثیت مجموعی ترجماني کر رہا ہوں "

پھر ۲۶ - فروري سنه ۱۹۲۰ کو هاوس اف کامنز میں تقریر کرتے هوے اسي اعلان کي نسبت وزیر اعظم کہتے هیں :

" همارا وہ اعلان بہت وسیع المعني تھا ' اور بہت کچھہ سوچ سمجھکر کیا گیا تھا - تمام جماعتوں کي مرضي کے مطابق تھا - مزدوروں کي جماعت بھي اُس سے متفق تھي "

(۳) پریسیڈنٹ امریکہ مسٹر ولسن نے ۸ - جنوری سنه ۱۹۱۸ - کو چودہ شرطوں کا اعلان کیا تھا جو به اتفاق فریقین صلح کیلیے بنیادي شرطیں قرار پائي تھیں - اُن میں بارھویں شرط یہ تھي :

" موجودہ سلطنت عثماني میں ترکي کا جو حصہ هے ' اُسکو یقین دلایا جائیگا کہ اس کي وہ سلطنت محفوظ رهیگي - لیکن دوسری اقوام جو سلطنت ترکي کے زیر حکومت هیں ' اُنکو بھي اسکا اطمینان دلادیا جاے کہ اُنکي جان و مال محفوظ هے ' اور اُنکي ترقي میں کوئي رکاوٹ نہ هوگي "

ایفـــاء عهـــد

یہ وعدے جس طرح پورے کیے گئے ' اُنکي مختصر تفصیل یہ هے :

(۱) گورنمنٹ هند نے عراق پر حمله کیا جس کا بڑا حصہ جزیرۂ عرب کے مقدس حدود میں داخل هے -

(۲) ۲۶ - نومبر سنه ۱۹۱۴ - کو بصـــرہ پر قبضہ کیا گیا جو عراق کي بندرگاہ اور زیارت گاہ هے -

(۳) - ۲۲ - نومبر سنه ۱۹۱۵ - کو عراق کی مشہور زیارت گاہ سلمان پاک پر حمله کیا گیا جہاں حضرت سلمان فارسي (رض) کا مزار هے -

(۴) مارچ سنه ۱۹۱۷ - کو بغداد پر قبضہ کیا گیا جو عراق کي مشہور زیارت گاہ هے -

(۵) ۹ - دسمبر سنه ۱۹۱۷ - کو بیت المقدس میں برطاني فوجیں داخل هوئیں اور انگریزي قبضہ کا اعلان کیا گیا ' جو اسلام کي مقدس زیارت گاہ اور تین مقدس مقامات میں سے ایک هے -

(۶) ۵ - جون سنه ۱۹۱۶- کو خاص سر زمین حجاز میں سازش کي گئي اور شریف مکه سے بغاوت کرائي گئي- اس بغاوت کي وجه سے اس محترم دارالامن میں کشت و خون کا بازار گرم هوا اور حدود حرم میں گوله باري هوئي -

(۷) حسب تصریح نامه نگار لندن ٹائمس بندرگاه جده پر گوله باری کي گئی -

(۸) میجر راس کے هوائي جهاز نے عین مدینهٔ طیبه کي فضا میں چکر لگاے (جیسا که ڈاکٹر هاگرتهه نے فروري سنه ۱۹۲۰- کو ٹاؤن هال اکسفورڈ کي تقریر میں بیان کیا)

(۹) کوفه ' کربلاے معلی ' نجف اشرف پر قبضه کیا گیا جو عراق کي مشهور زیارت گاهیں هیں -

(۱۰) ترکي کو تهریس کے کل علاقه سے مع ایڈریا نوپل کے محروم کردیا گیا جهاں مسلمانوں کي سب سے زیاده آبادي هے -

(۱۱) صلح نامه ترکی کي دفعـــه ۳۶ کے مطابق ترکي سے اس کے دار السلطنت کي خود مختـــارانه فرمان روائي بهي سلب کرلي گئي اور اس پر طرح طرح کي پابندیاں عائد کردي هیں -

(۱۲) سمرنا جو ایشیاء کوچک کا مشهور زر خیز مقام هے ' ترکي سے علحده کردیا گیا - وهاں کي مسلمان آبادي پر یونانیوں نے اس قدر ظلم و ستم کیے که بے شمار جانیں هلاک و تباه هوگئیں اور هو رهی هیں -

(۱۳) صلح نامه کي شرائط نے بقیه ایشیاء کوچک کے مالي اور هر طرح کے فوجي اختیارات کي خود مختاري سے بهی ترکي کو محروم کردیا هے - وه ایک محدود تعداد سے زیاده فوج نهیں رکهه سکتي - چند چهوٹے جنگي جهازوں کے علاوه کوئی بحري قوت حاصل نهیں کرسکتي - اپني عیسائي رعایا پر اسے کوئي اختیار نهیں رها - اس کي حیثیت بالکل ایک ماتحت ریاست کی سی هوگئي هے جو براے نام پادشاهت سے ملقب کردي گئي هو -

(۱۴) صلح نامه کي دفعه ۳۹ - کے بموجب سلطان المعظم کے وه تمام دیني و اسلامي اختیارات سلب کر لیے گیے هیں جو بحیثیت خلیفة المسلمین اُنهیں حاصل تهے ' اور جن کے الگ کردینے کے بعد خـــلافت کا وجود هی باقي نهیں رهتا - اس دفعه کا منشاء یه هے که :

" حکومت ترکي اپنے اُن تمام اختیارات سے
جو حکم برداري کے یا دوسري طرح کے مسلمانوں پر
رکھتي ھے ' بالکل دست بردار ھوتی ھے "
" ترکي بلا واسطہ یا بالواسطہ کسي طرح کے اختیارات
اُن ممالک پر نہ رکھیگي جو ترکی سے علحدہ ھوگئے ھیں "

حالانکہ شرعاً منصب خلافت کے معني ھي یہ ھیں کہ تمام دنیا کے مسلمانوں اور تمام دنیا کي اسلامی حکومتوں پر اسکو ایک بالا تر اختیار حاصل ھو ' اور وہ تمام اسلامي دنیا میں ایک مرکزی اسلامي اقتدار کي حیثیت رکھے - لیکن اس دفعہ نے ترکي کو ان تمام اختیارات خلافت سے محروم کردیا ' اور اسلامي خلافت اپنے کامل معنوں میں پارہ پارہ ھوگئی -

(۱۵) شام کو ترکي سے الگ کرکے آزادي نہیں دی گئي بلکہ فرانس کي حکم برداری و بالادستي ماننے پر مجبور کیا گیا - شام کي تمام آبادی انسانیت و صداقت عہد کے نام پر فریاد کرتي رھي اور فرانس کي فوجوں نے اُس پر جبراً قبضہ کرلیا -

(۱۶) عراق کی آبادي کو خود مختاری و آزادی نہیں دی گئی بلکہ برطانیہ نے اُسکی حکم برداری کا دعوی کیا اور اسپر اپنا قبضہ قائم رکھا - وھاں کی آبادی ایفاے عہد کا مطالبہ کرتے کرتے مایوس ھوگئی اور اب بزور شمشیر اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اُٹھہ کھڑی ھوئی ھے - اب اُنکو "باغی" کہا جارھا ھے - حالانکہ اگر برطانیہ کے اعلانات سچے تھے ' اور اسکی فوجیں " رعایا " بنانے کے لیے نہیں بلکہ آزاد کرانے کیلیے گئی تھیں ' تو وہ " باغی" کیونکر ھوسکتے ھیں ؟ بغاوت کا اطلاق رعایا کی شورش پر ھوتا ھے - نہ کہ کسی آزاد جماعت کی شمشیر زنی پر -

(۱۷) یہ تمام نتائج صلح نامہ ترکی کے ھیں - لیکن قبل اسکے کہ ترکی اپنی مرضی اور آزادی کے ساتھہ صلح کرے ' برٹش فوجوں نے دار الخلافت قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا ' اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت بالکل ایک نظربند قیدي کی سی ھوگئی - اس قبضہ کی وجہ سے اسلام کے دار الخلافت میں جو درد انگیز واقعات و حوادث پیش آے ' اور عثمانی خلافت عظمی کي متصل پانچ صدیوں میں پہلی مرتبہ جو توھین ھوئی ' اُسکی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں - یہ وہ سلوک ھے جو نہ تو جرمنی کے ساتھہ کیا گیا ' نہ آسٹریا کے ساتھہ ' اور نہ کسی دوسرے فریق جنگ کے ساتھہ -

اعتذار

براہ عنایت پہلے ان اغلاط کی تصحیح کرلیں ' پھر مطالعہ فرمائیں -

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۴	وغیرہ ذلک	وغیر ذلک
۵	۱۳	خلفہ	خلیفہ
۱۱	۱۰	الامرء	الامر
۱۸	۲۲	فکر و نظر	فکر و نظرسے
۱۹	۳	ہر دور	ہر دور
۲۵	۹	پس جو شخص	جو شخص
۳۳	۱۹	قرتوں کے	قرتوں کو
۳۶	۱۵	سمجھتے	سمجھتے ہو
۳۸	۲۴	Selectian	Selection
۷۱	۱۰	عدارت	عدارت
۷۲	۲۸	گئے	گئے تھے
۸۲	۲۵	تویہ	توبہ
۱۲۳	۱۲	Couflict	Conflict
"	"	Religiuon	Religion
"	۱۳	Seince	Science
"	۲۰	Dalambert	Dalembert
۱۵۰	۲۵	کی کو جرأت	کی جرأت
۱۰۸	۷	روایت	رأیت
۱۵۱	۳	میں میں	میں
۱۶۲	۱۰	چلي	چلپی
۱۶۳	۲	جو حصول	کہ حصول
"	۶	فرامرش	یکقلم فراموش
"	۸	ارر	ارر
"	۹	نہیں رہا	نہ رہا
"	۱۹	بکفی	یکفی

۱۶۵	۱	ھے ھوتا	ھونا ھے
۱۶۹	۱	ھو ح	ھوں
۱۷۰	۳	دریا	دریا
۱۸۱	۲۵	Wustenfold	Westonfeild
۱۸۸	۲۸	ح لئے	کیلیے
۱۹۹	۱۵	سطانا	سلطانا
۲۰۰	۸	معہم	معہ

(۱) صفحہ ۳۲ - سطر ۲۷ میں " ھجرۃ " کے معني " الھجر و الھجران مفارقۃ الانسان غیرہ " الخ نقل کیے ھیں - یہ عبارت مفردات راغب اصفہاني کی ھے -

(۲) صفحہ ۶۸ میں ھے " فصل : من حمل علینا السلاح فلیس منا " در اصل یہ فصل نہیں بلکہ ایک مستقل باب ھے - صحیح یوں ھے " باب : حکم حمل سلاح علي المسلم " پھر اسکے بعد اس باب کي پہلی فصل ھے " من حمل علینا " الخ -

(۳) صفحہ ۸۶ میں فصل ھے " واقعہ امام حسین علیہ السلام " اسکو باب حمل سلاح سے پہلے پڑھنا چاھیے - غلطي سے اسکے بعد درج ھوگئی -

(۴) صفحہ ۲۱ سطر ۴ - میں حدیث ھے " اذا اصلحت ' صلحت کلھا ' و اذا فسدت ' فسدت کلھا " لیکن امام بخاري کے الفاظ یہ ھیں " اذا صلحت ' صلحت الجسد کلہ ' و اذا فسدت ' فسدت الجسد کلہ - الا ' وھي القلب ! "

(۵) صفحہ ۲۱۵ سلسلہ عباسیہ کے جدول سنین میں نمبر ۳۳ کا سنہ ھجری ۶۵۴ کے بجاے ۶۵۶ - نمبر ۴۶ کا سنہ ھجري ۵۵۹ کے بجاے ۵۲۹ اور سنہ مسیحي ۱۱۳۶ کے بجاے ۱۱۳۵ - اور نمبر ۴۹ میں سنہ مسیحي ۱۱۸۰ کے بجاے ۱۱۷۰ پڑھیے -

Printed and published by F. D. Ahmed Mirza
at the "Albalagh" printing & publishing House
45, Ripon Lane, Calcutta.

(2nd Edition, October 1920)

الهلال

جلد سوم مکمل - قیمت چھ روپیہ

صرف چند نسخے باقی رہگئے ہیں -

البلاغ

کی پہلی جلد (جس میں صرف پہلا اور دوسرا نمبر نہیں ہے)

قیمت - چار روپیہ آٹھ آنہ -

تذکرہ

(جلد اول)

مصنفہ مولانا ابو الکلام

تاریخ ' تفسیر قرآن ' فقہ و حدیث ' ادب و محاضرات کے

مباحث کا ایک نادر مجموعہ

قیمت تین روپیہ

جامع الشواہد

غیر مسلموں کا مسجد میں داخلہ ' احکام شرعیہ کی تفصیل ' ہندؤں

کی نسبت اسلامی احکام کی تحقیق - " انما المشرکون نجس فلا

یقربوا المسجد الحرام " کی محققانہ تفسیر

قیمت ایک روپیہ

منیجر البلاغ پریس نمبر ۴۵ رپن لین کلکتہ

اخرجوا الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب (الحدیث)

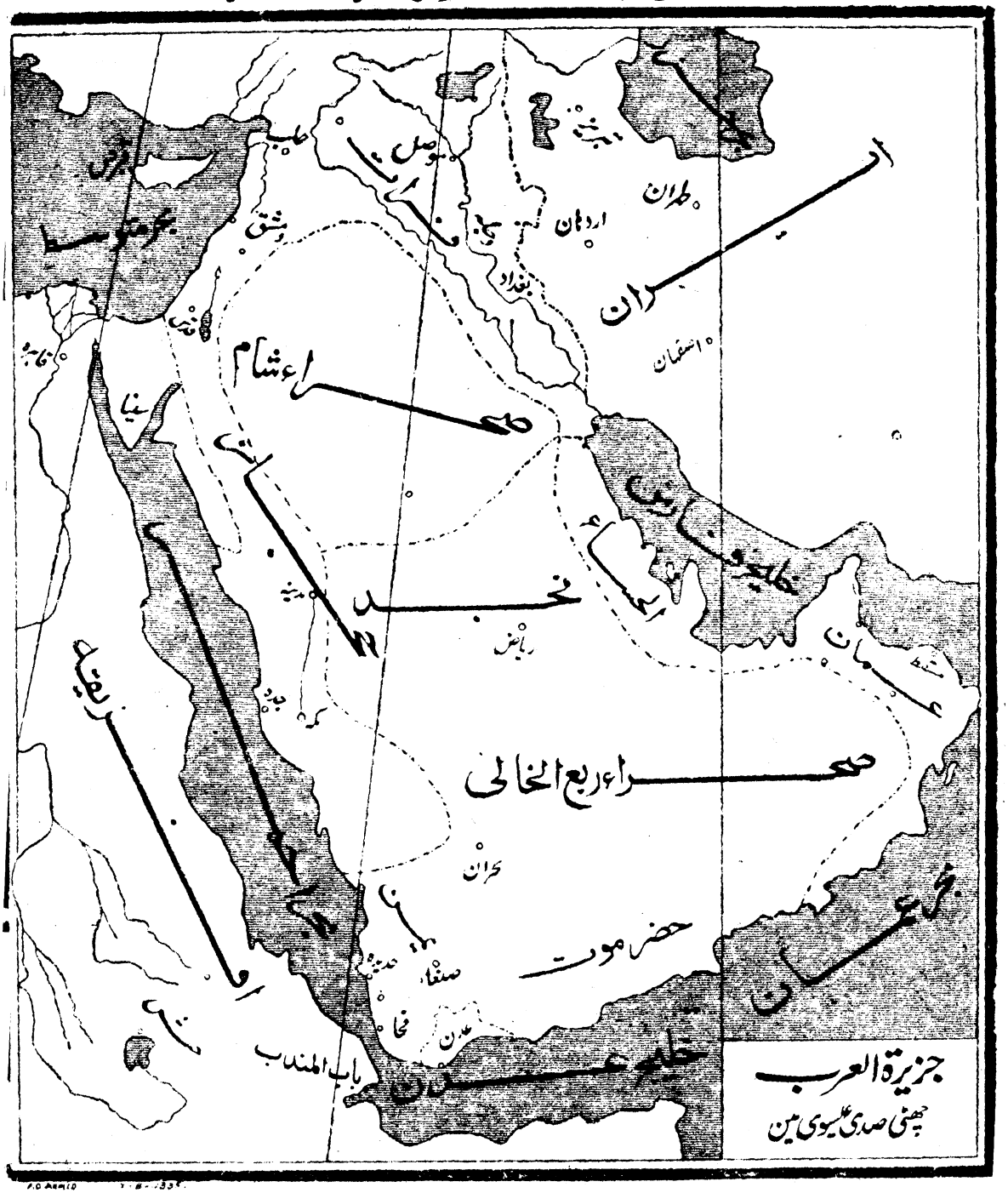

البلاغ پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ ہاؤس - نمبر ۴۵ رپن لین - کلکتہ